سلسلهٔ مطبوعات کتابخانهٔ ریاست رامپور نمبر ۴

دستور الفصاحت

(مقدمه و خاتمه)

مصنفه

حکیم سید احمد علی خان یکتا بن سید احمد علی خان لکهنوی

تصحیح

امتیاز علی خان عرشی
ناظم کتابخانهٔ رامپور

حسب الحکم فرمانروای رامپور، دام اقبالهم و ملکهم

هندوستان پرس، رامپور

۱۹۴۳ع

مضامین

بار اول ۱۹۴۳ع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

تمہید

اردو شعر گوئی کے ابتدائی دور میں گجرات، دکن، پنجاب اور دوآبے کے شاعر مقامی بولیوں اور مخصوص محاوروں میں شعر کہتے تھے جب بارہویں صدی ہجری کے لگ بھگ، دلی نے ادبی مرکز کی حیثیت اختیار کی، تو بیرون دہلی کے اہل سخن کو بھی شدت سے اس بات کو محسوس کرنا پڑا کہ اس بین الاقوامی نئی زبان کے سہارے، ملک بھر سے داد سخن حاصل کریں

مرکز سے دور رہنے والے شاعروں اور ادیبوں کو دلی کے مخصوص محاوروں اور اصطلاحوں کے سمجھنے میں جو دشواریاں پیش آتی ہونگی، ان کو دور کرنے کے لیے زبان کے ماہروں نے اردو لغت نویسی کی بنا ڈالی، اور شہنشاہ عالمگیر کے وقت سے شاہ ظفر آخری تاجدار دہلی، تک متعدد کتابیں اس فن پر لکھی گئیں، جن میں سے مولانا عبدالواسع ہانسوی کی کتاب «غرائب اللغات» اس مبارک کوشش کا پہلا پھل تھا

آگرے کے مشہور محقق ادب، سراج الدین علی خان آرزو نے ۱۱۵۶ھ (۱۷۴۳ع) میں اس کتاب پر اصلاحی نظر ڈالی اور ہانسوی کی کوتاہیوں کو جابجا ظاہر کر کے، اس مجموعے کا نام «نوادر الالفاظ»

مئی ۱۹۳۹ء میں سید احمد علی یکتا لکھنوی کی «دستور الفصاحت» نام کی ایک کتاب، کتاب خانۂ عالیۂ رامپور کے لیے خریدی گئی، تو اوس کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ انشا کی «دریای لطافت» سے پہلے اوس کی تالیف کا کام شروع کردیا گیا تھا، اور غالبا اس سے پہلے ہی انجام بھی پا گیا تھا مگر انشا کی خوش قسمتی کہ اوس کی کتاب تمام ہوکر دلی بھر میں پھیل گئی، اور یکتا کی بدقسمتی کہ اولا تو برسوں کے بعد مسودہ صاف کرنے کی مہلت ملی، ثانیا مسودہ صاف ہوکر بھی ۱۹۳۹ء تک گوشۂ گمنامی سے باہر نہ آسکا

دستور الفصاحت انشا کی کتاب کی طرح دلچسپ تو نہیں کہی جاسکتی، مگر جہاں تک فنی افادی حیثیت کا تعلق ہے، اوس سے کسی طرح کم بھی نہیں ہے اس کے شروع میں مصنف نے اردو زبان کی پیدائش، ترقی، اور سلسلۂ ارتقا پر بحث کی ہے اس کے بعد چند ابواب اور ذیلی فصلیں قائم کرکے، صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، عروض اور قافیے کے قواعد و ضوابط بیان کیے ہیں خاتمے میں ۳۰ ایسے شاعروں کا ذکر کیا ہے جن کے شعر کتاب کے اندر سند میں پیش کیے گئے ہیں

چونکہ کتاب کا مقدمہ اردو زبان کی تاریخ پر مفید روشنی ڈالتا تھا، اور خاتمے کے مباحث شعرا کے بارے میں متعدد دلچسپ اور اہم باتوں اور نکتوں پر مشتمل تھے، اس بنا پر حسب ایمائے بندگان ہمایوں اعلی حضرت فرماں روائے رامپور، دام اقبالہم و ملکہم، یہ دونوں حصے تصحیح و تحشیہ کے ساتھ یکجا شائع کیے جارہے ہیں

اصل نسخے میں کتابت کی بہت سی غلطیاں پائی جاتی ہیں، ہر

رکھا (۱) آرزو کے بعد ۱۱۸۰ھ (۱۷۶۶ع) میں زبدۃ الاسماء، ۱۲۰۷ھ
(۱۷۹۲ع) میں طپش کی شمس البیان، ۱۲۳۶ھ (۱۸۲۰ع) میں مصباح اللغات
عرف نام مالا، ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ع) میں واصف کی دلیل ساطع، ۱۲۵۳ھ
(۱۸۳۷ع) میں بلگرامی کی نفائس اللغات، ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ع) میں رشک
کی نفس اللغۃ، ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ع) میں انفس النفائس اور ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶ع)
میں اس کے اصلاح شدہ نسخۂ موسومہ بہ «منتخب النفائس» کی
تالیف و ترتیب عمل میں آئی

مگر افسوس کہ ملک بھر میں اردو کے قواعد صرف و نحو کی
طرف سے عرصے تک غفلت برتی گئی جب یورپ کے اردو دانوں
نے اس مضمون پر خامہ فرسائی کرلی، تب دیسی ادیبوں کو
احساس ہوا، اور انھوں نے بھی رفتہ رفتہ اس راہ کی گامزنی
شروع کی خاصکر عام طور پر، ہندوستانیوں کی سب سے پہلی قواعد
اردو کی کتاب، میر انشاء اللہ خان انشا کی «دریای لطافت» شمار کی جاتی
ہے، جو مرزا قتیل کی مدد سے ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷ع) میں تمام ہوئی تھی

---

(۱) ملاحظہ ہو مجمع النفائس ۵۵ الف مگر عام طور پر یہ غرائب اللغات ہی
کہلاتی ہے کتاب خانۂ عالیہ رامپور میں اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے محفوظ
ہیں ان میں سے ایک کے اندر، دوسرے تمام نسخوں کے برخلاف، ہر ردیف کے
لغات کے بعد اوسی ردیف سے تعلق رکھنے والے قلعہ معلی کی بیگمات کے محاورے
بعنوان «فصل» درج کیے گئے ہیں اگر یہ فصلیں الحاقی نہیں ہیں (جیسا کہ
ظاہر ان کے الحاقی کرنے کی کوئی وجہ موجود بھی نہیں)، تو ہم ان کے ذریعے
سے ۱۱۵۶ھ سے قبل کی بیگماتی زبان سے بخوبی روشناس ہو جاتے ہیں

رنگین نے بھی «محاورات بیگمات» کے نام سے اسی مضمون کا ایک رسالہ
لکھا تھا، جو عرصہ ہوا چھپ چکا ہے آرزو کی فصلوں سے اس رسالے کے لغات
کا مقابلہ کرنے پر پتا چلا کہ رنگین کا رسالہ آرزو کی فصلوں کا لفظی ترجمہ ہے،
جس میں کہیں کہیں صرف لفظوں کی ترتیب میں فرق آگیا ہے مگر یہ فرق اسدرجہ
ناقابل توجہ ہے کہ رنگین سرقے کے الزام سے کسی طرح بری نہیں ہوتا

اصل ... سے پہلے ... کا ... نسخۂ رامپور کی
... اور ... وغیرہ ... درج ... گئے ہیں
کہ ... کا ... و ... و صحیح ... کے ...
سے اون کلام ... کا ... کے ... والے ... میں
... گئے ہیں عام طور پر ... اون کے ... رکھی ...
ادا کر دیتے ہیں ... ہے کہ ...
سے ... کرون میں ... اور ...
... اور ... ہو ... ہے ... و ... کلام ...
... ہے ... کے ... کے ... کے ...
... گیا ... کہ ... کے ... ہے ...
... کرتے ہیں کہ ... میں ... کا ... اعلام ...
اوس سے ... والے ... واقع ... ہو گئی ... اوس ...
... و اعلام ... ال ... کے ...
ہیں اور ... کرہ ... وقت ... سے ...
سوق ہے ... نے کوشش کی ہے کہ حتی الامکان ... کے
سر ... کرون جونکا ... ہوتے ... ہے
امکان ہے، اس ایسے ... ہوں کہ ... کے ... سے
... کے ... اس ... کا ... اور ...
... کام کرنے والوں کو ... پڑے
... حصوں میں ... کا ... اورا ... الا ...
اوس کا ... اس ... کی ... اون کے ...
استعمال ... گئے ہیں، ... کی ... میں ... کے ...
کے بعد ... میں ... کرا ہے ... کے ... میں ...

ملا بھی قدیم انداز کا ہے جسے مصحح نے ان دونوں کی اصلاح
کرکے بعض جگہ اس طرف اشارہ بھی کر دیا ہے، اور متن میں جابجا
جو الفاظ رہ گئے تھے، انھیں اسی طرف سے پورا کیا ہے جہاں
کہیں کوئی لفظ بڑھانا پڑا ہے، وہاں اضافے کو بریکٹ میں لکھا ہے
کتاب کا دوسرا نسخہ دستیاب ہونے کی بنا پر فارسی متن کی
تصحیح خاطر خواہ نہیں ہوسکی ہے البتہ اشعار کی صحت میں
دواوین یا دوسرے تذکروں سے کہیں کہیں مدد لی ہے

حواشی میں کوشش کی گئی ہے کہ ہر شاعر کے متعلق یہ
بتا دیا جائے کہ اور کون سی کتابوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔
گرچہ اس بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جملہ شعرا سے
متعلق حوالے دیے گئے ہیں، تاہم یہ ضرور ہے کہ اہم تذ
کرے اور تاریخ کی کتابیں نظرانداز نہیں ہونے پائی ہیں ان
کتابوں میں سے جو طبع ہوچکی ہیں، ان کے نسخوں کا حوالہ
دیا گیا ہے، اور جو چھپی نہیں اور نہ ہر جگہ دستیاب ہو سکتی ہیں، ان کی
پوری پوری عبارتیں نقل کر دی گئی ہیں، تاکہ آئندہ تحقیقی کام
کرنے والوں کو زحمت اٹھانا نہ پڑے یہ امر بھی قابل اظہار ہے
کہ جن مطبوعہ تذکروں کے قلمی نسخے ہمارے یہاں موجود تھے،
ان کا حوالہ دیتے وقت قلمی نسخوں کو سامنے رکھا ہے۔ اس
سے مقصود یہ ہے کہ فہرست کے شائع ہونے سے پہلے ہی ملک
کے ادیبوں کو ہمارے ان نسخوں کا علم ہو جائے چونکہ تذکرے
بالعموم حروف تہجی پر مرتب ہوئے ہیں، امید ہے کہ مطبوعہ
نسخوں میں ان شاعروں کی تلاش موجب زحمت نہ ہوگی

اصل کتاب سے پہلے تصنیف کا حال، نسخۂ رامپور کی

سوانح مصنف

مصنف کا نام سید احمد علی، تخلص یکتا اور باپ کا نام سید اسد علی خان ہے (۱) اوس کی پیدائش گاہ کا ہمیں کچھ علم نہیں، مگر یہ یقینی امر ہے کہ پرورش لکھنؤ ہی میں پائی، اور یہیں اوس کی ابتدائی تعلیم ہوئی اوس کے استادوں میں سے صرف حکیم آغا مجد الدین حکیم معالج خان کشمیری کا نام معلوم ہے، جن سے اوس نے میر ... مرزا علی افسوس کی ہمدرسی میں برسوں طب پڑھی تھی (۲)

غالباً اوس کا پیشہ طبابت تھا (۳)، اور لکھنؤ کے فاضل رئیس، مرزا فخر الدین احمد خان بہادر، عرف مرزا جعفر، اور اون کے بڑے بیٹے، مرزا قمر الدین احمد خان بہادر، عرف مرزا حاجی، قمر تخلص، کے دامن دولت سے وابستگی تھی مرزا حاجی کے تذکرے میں اس تعلق کی طرف ان الفاظ اشارہ کیا ہے (۴):

"فاضل ... پروردہ و دست گرفتۂ این خاندان ست"

مرزا حاجی، مسل کے شاگرد اور ناسخ کے مربی تھے دیگر شعرا اور ادیبوں نے بھی اون کے خوان کرم سے زلہ ربائی کی تھی غازی الدین حیدر کے عہد میں، آغا میر کے ہاتھوں یہ خاندان مصائب کا شکار ہوا، تو یکتا بھی سالہاسال تک دنیوی پریشانی سے نہ

(۱) ... ۲ ... کا ... حاشیہ پر مردان علی خان رعنا نے اور ... لکھا ہے
(۲) ... ۱ ۱
(۳) ... کے آخری ورق پر حکیم سید اسد علی خان صاحب کے حوالے سے ... کا ... ہے ... کا ... اسی تحریر سے ... کا ہے۔
(۴) ... ۲۲ الف

تصنیف کے لحاظ سے تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے جو باتیں ترتیب وطباعت کے بعد معلوم ہوئیں، اور غلطیوں کے ساتھ، جو مجھ سے یا کمپوزیٹر سے سرزد ہوئی تھیں، «استدراک و تصحیح» کے ماتحت آخر میں شامل کردی گئی ہیں

اس کتاب کی تصحیح و تحشیہ میں جناب ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی (صدر شعبۂ عربی و فارسی، الہ آباد یونیورسٹی) اور جناب قاضی عبدالودود صاحب بارایٹلا (بانکی پور، پٹنہ) نے بڑے قیمتی مشورے عطا فرمائے ہیں میں ان بزرگوں کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں جزاھما اللہ خیر الجزاء –

کتاب خانہ، قلعۂ معلی، رامپور
۱ اگست سنہ ۱۹۴۲ء

امتیاز علی عرشی
ناظم کتابخانہ

دوسرا شعر کسی غزل کا ہے (۱)؛

چنیں مشو که در افواه خاص و عام افتی
رحلو شرم کی آنکھوں، آگے مروت بست

تیسرا شعر دیباچے کے آخر میں لکھا ہے، جو اسی موقع کے لیے فی البدیہہ کہا گیا ہوگا:

بدل عفو بپوشد سیہای مرا
گر آب کشد محو کند جرم ہای مرا

اردو شعروں میں سے چند چنے ہوئے اشعار یہ ہیں:

ہر ایک دم یہ جو ہونٹ ہے تو جدا پیار سے
سانو کہل کے، یہ ہے میری کیا خطا پیار سے

جو چاہیے ہو کہ دل میں کسی کے راہ کرو
تو مسکرا کے ادھر بھی کبھی نگاہ کرو

عکس لب ہے ساغر میں، یا یہ سرخیٔ مل ہے
زلف بکھری ہے رخ پر، یا گلوں پہ سنبل ہے

جب سے گیا پہلو سے وہ، دل کی جگہ
پہلو میں اک آگ کی چنگاری ہے

ٹوٹا ہی نہیں گر شیشۂ دل تھا میرا
شکل ساغر، مجھے یہ مے نہ لگاتا ہوتا

اب بھی تو وہ انکار ہی منظور ہے مدام
دل جس کے درد ہجر سے رنجور ہے مدام

جب سے چمکا ہے ترے عارض نورانی سے

(۱) اسنا ۲۵ ب ان کے اسرا ؟ ایک نسخہ تاریخ الف ساء ع میں مذکور ہے

چھوٹا اس زمانے میں اوس کے قوای فکری اس درجہ ناکارہ ہو گئے تھے، کہ دستور الفصاحت پر نظر ثانی تک نہ کرسکا (۱)

نصیر الدین حیدر، والیء اودہ، کے دربار سے توسل پیدا کرنے کی خاطر اوس نے ایک مدحیہ قصیدہ بھی لکھکر پیش کیا تھا (۲)۔

دیباچے کے ابتدائی فقرے، امام صاحب الزمان کی تعریف کے اشعار، نیز خاتمۂ کتاب میں ہر طبقے کے اندر بارہ بارہ شاعروں کا تذکرہ، یہ قرائن بتاتے ہیں کہ یکتا کا مذہب اثنا عشری تھا۔

یکتا اردو، فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا، لیکن اوسے خود اعتراف ہے کہ اس فن میں اوسے کامل دستگاہ حاصل نہیں۔ اسی خیال سے اوس نے خاتمے میں شاعروں کیساتھ اپنا حال اور اپنے کلام کا انتخاب تک پیش نہیں کیا ہے (۳) البتہ کتاب کے اندر اپنے بہت سے شعر مثالوں میں درج کیے ہیں۔ ان کے دیکھنے سے وہ اوسط درجے کا سخن گو ثابت ہوتا ہے

غالبا اوس کی شخصیت اپنے زمانے میں ممتاز نہ تھی، اس لیے تاریخ اور تذکرے کے صفحے اوس کے ذکر سے خالی ہیں

ہم پہلے اوس کے فارسی شعر لکھتے ہیں ان میں سے پہلا نصیر الدین حیدر کی مدح میں ہے:

ای نصیر الدین جہان بخشی! کہ از اقبال ہست
تیغ عالمگیر تو، زور ظفر، مالک رقاب

---

(۱) دستور ۲۲۱ ب
(۲) ایضا ۱۷۳ الف
(۳) ایضا ۲۲۱ ب

چیر کر دل کو مرے، دور کیا پہلو سے
اوس سے جو ہوسکا، مجھ پر وہ بلا لاے گیا

رباعیات

جب ہاتھ سے اوٹھا یکدگر کا چھوٹا
جینے مرنے کا رشتہ سارا ٹوٹا
ہر لیلا و مجنوں کس نے دیکھا ہے؟ که اب
پھر وصل کا گھر نے ستم سے لوٹا

اے ہاتف غیب میں حاضر ہم اساس
ویرانہ ہروں کا پر دکھے ہے وسواس
سب اپنے ہی طرح ہوں ساتھ صحبت
[illegible] دو نکال، بخوف وہراس

اے بے خبرو! نہ اتنا غافل سوؤ
اوٹھو، چونکو، ٹک اتنا منہ دھوؤ
دنیا میں بھسوکے اوپر سد ہے، کب تک؟
ایسا نہ ہو، منہ نہ ہاتھ دھر کر روؤ

دیکھا، جہاں کا، بوے اس، لیل و نہار
زنہار، نہ مل کسی سے، غافل، زنہارا
[illegible] ایسی ہی ایسی، بغرض کے، سب لوگ
ہیں اپنی ہی رسا دارے، ہردم ہسیار

[illegible]، [illegible] ہوا وہ مجھ سے بیزار
اقرار نہ ہوسکا، او نا کرسا تکرار
تکرار سے اوس کی، دل جلے ہے ایسا

دیباچۂ مصحح

حسن کو تنگ ہوا وسعت کعسائی سے

جانے، کیا یہ آفت ہے کہ حسن کو چاہتا ہوں میں

وہی دشمن مرا دنیا میں دوبا صدف سے ہوتا ہے،

نام سے میرے اوسے ننگ ہے، مت پوچھو کوئی

حسن پر اپنے وہ ان روزوں ہے مغرور بہت

نبی کے باغ کا بارہ شجر، علی کا نہال

بہار حضرت زہرا، حسن کے دل کا ثمر

وصی حسین کا زین العبا کے دل کا چین

علوم باقر و جعفر اوسی میں سب مجتمع

رموز موسیٔ کاظم سے، جوں علی آگاہ

امام ثابت صاحب کا اجر اور

تقاوت اوس میں نقی کی نقی کا حلم و وقار

جہاں میں شہرہ، حسن عسکری کا نور نظر

وہی ہے، کہتے ہیں جس کو خلیفہ الرحمن

امام بارھواں، نبی بھی [illegible]

سکہ ناساری، زمانہ سے

بونہ معاشی میں، ہوں میں گدار

در بدر سبہ صورت زر قلب

خوار کب تک پھروں، برای بسیار،

کیا ہو، گر لطف ابرا، اے ممدوح!

کرے، اکسیر سا، مجھے مختار،

اوس نے تو پوچھا نہیں مجھے ساتھ جانکر

پر آنکھوں میں بھری نہ مری، خواب آب کر

گـر بـه گـرسنه بـود، بصحرائی مدویـد
زاع سسه و هنگ، آب گربه را ندید
حوب زاع را گرفت، نظر موش بر فتاد
حواهد که موس گیرد، زاع از دهان برید
حالی که بود برلب، زان سهد بی چکید
هنگام بوسه دادن، آن حال را کرید
در آسه بدید، آن حال را بدید
حیران حهان بماند که زاع اردهان برید

اسعار کے سحے لکھا ھے: « کاب الحروف بده سح دلاور علی بہاری بمقام موبہاری» اس سے معلوم ھوتا ھے کہ یہ سحہ صوبۂ بہار کا بھی سفر کرچکا ھے ورق ۲ ب سادہ ھے ۳ الف کے بالائی بائیں گوسے میں « مولفۂ سنہ ۱۲۳۹ ھجری از بالیف سید احمد علی بکھا الکھنوی» مندرج ھے غالبا یہ رعنا کے قلم کی تحریر ھے اسی قلم سے ورق ۲۲۱ ب میں قطعۂ تاریخ کے مادے کے اوپر اعداد ۱۲۳۹ لکھے گئے ھیں

حاسیوں پر متعدد توصیحی نوٹ بھی پائے جاتے ھیں یہ سب عربی لغات کی تشریح کرتے ھیں اور منتخب وغیرہ عربی لغت کی کتابوں کے اقتباس ھیں کہیں کہیں متن کے اندر یا حاشیوں پر کتابتی غلطیوں کی بھی اصلاح کی گئی ھے تاھم متن میں بہت سی اصلاحی غلطیاں باقی ھیں

آخر میں کاتب نے اپنا نام اسطرح لکھا ھے: «الکاتب الخاتمہ ھدایت علی الموھانی» اس سے معلوم ھوتا ھے کہ کاتب موھان (صوبۂ متحدہ) کا باشندہ اور غیر عربی داں تھا مگر یہ

ایسا نہیں تبسوہ، ورنہ، رنجش رہار
میں دل سے ہوں باعث اوس کا، بے کاوش و کد
حق بے جسے تحسی ہے سعادت کی سند
معلوم ہو صاف اوس کا اسم احمد
دیکھیں سر مصرع، گر نہ ترتیب و عدد

نسخے کی کیفیت

یہ نسخہ $9\frac{1}{4} \times 6\frac{1}{2}$، $6 \times 3\frac{1}{2}$ باب کے ۲۱۹ ورقوں پر مشتمل ہے شروع میں دو، اور آخر میں ایک یہ تین ورق فاصل لگے ہوئے ہیں، جن کی رو سے کل تعداد اوراق ۲۲۲ ہوتی ہے ورق ۳ ب سے کتاب کا آغاز ہوتا ہے ہر صفحے پر ۱۵ سطریں ہیں خط معمولی نستعلیق اور کہیں کہیں شکستہ آمیز ہے طرز تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ دو کاتبوں نے ملکر لکھا ہے متن سیاہ اور عنوانات شنگرفی ہیں تقریباً ہر صفحے پر کرمخوردگی کے نشانات ہیں کتابخانے میں اس کی نئی جلد تیار کرتے وقت، چند ابتدائی اجزا کا حوصلہ اور کل کا نسخہ بنا ڈالدیا گیا ہے

پہلے صفحے پر نواب سردار علی خاں رعنا مرادآبادی (تلمیذ مرزا غالب) کی سیاہ مربع مہر ہے، جس کے چاروں گوشے کسیقدر ٹوٹے ہوئے کے باعث مممن سکل پیدا ہوگئی ہے مہر کے اندر: «الله حافظ مہر کسحانۂ محمد سردار علی خاں رعنا ۱۲۸۲ھ» منقوش ہے

ورق ۱ ب اور ۲ الف پر کتاب کا تھوڑا سا دیباچہ نقل کیا گیا ہے اس کے بعد ترچھی سطروں میں حسب ذیل اشعار بعنوان رباعی تحریر ہیں:

اے سالہا سا، نہ ہوے کسی لے لی؟

اس بعد و بدل کے بس نظر، میرا خیال ہے کہ ہمارا نسخہ مصنف کے اوس نسخے کی نقل ہے، جو زمضان علی لکھنوی نے تیار کیا تھا غالبا اس میں بعض مقامات مشتبہ رہ گئے تھے، جن کے مقابل حاشیے پر مصنف نے اپنا شک ظاہر کیا تھا ہمارے نسخے کے کاتب نے حاشیے کی عبارتوں کو بھی نقل کرلیا جب یہ نسخہ مصنف نے دیکھا، تو حاشیوں کو قلمزد کرکے متن میں اون مقامات کی تصحیح کردی نیز اس نظر میں وہ غلطیاں بھی درست کردیں، جو پہلے نسخے کے مطالعے کے وقت خیال میں نہ آئی تھیں

مذکورہ خیال کی تقویت اس امر سے ہوتی ہے کہ ہمارے نسخے کے آخر میں ایک ورق منضم ہے، جس پر چٹھی کا ایک نسخہ «جناب حکیم سید احمد علی خان صاحب قبلہ» کا تحریر کیا ہوا درج ہے میرے نزدیک ان حکیم صاحب سے، ہمارا تذکرہ نگار مراد ہے، جو حکیم آغا محمد باقر لکھنوی سے اپنے علم طب کے حصول کا خود ذکر کرتا ہے اگر میرا قیاس درست ہے، جس کے خلاف بظاہر کوئی دلیل نہیں، تو دستور الفصاحت کا یہ نسخہ قابل قدر ہے

ترتیب مضامین

حمد و نعت کے بعد، مصنف نے غرض تالیف بیان کی ہے بعد ازاں اصل مباحث کو ایک مقدمے، پانچ ابواب اور ایک خاتمے میں منقسم کیا ہے

مقدمہ (ورق ۴ ب - ۱۲ الف)

اس میں زبان اردو کا مصداق، اوس کی پیدائش کے

صرف حامۂ کساب کا کاسب معلوم ہوتا ہے ابتدائی ابواب کے کاسب کا نام مذکور نہیں ہے غالبا وہ شیخ دلاور علی بہاری ہوگا

ورق ۱۴۵ ب پر استفہام تقریری کی بحث میں، میرسوز کا یہ شعر متن کے اندر مذکور تھا:

تو جو کہتا ہے: «گلہ میرا کیا جس بس کیے»
کب کیا؟ کس جا کیا؟ کس وقت؟ کس دم؟ کس کیے؟

اس شعر کے محاذ میں حاشیے پر لکھا ہے: «معلوم باد کہ شعر میر سوز مشتمل بر استفہام انکاری بود از سہو خود در تقریری نوشتہ شدہ ۱۲» اس عبارت کے بعد، خط نسخ میں تحریر ہے: «النقل کالاصل» بعد ازاں کچھ اور بھی خط نستعلیق میں مندرج تھا، مگر وہ حاشیے کے ساتھ کٹ گیا ہے۔ ہمارے نسخے میں سوز کا شعر اور حاشیے کی دونوں عبارتیں حذف کردہ ہیں

ورق ۱۷۲ الف پر «صنعت ردالعجز من العروض مع التکرار و التجنیس» کی مثال میں مصنف نے اپنی یہ رباعی لکھی تھی:

میں فرض کیا کہ اب پھر آوے لیلی
وہ شخص کہاں، کہ جس کو بھاوے لیلی'
ٹک بھی اوسے بند میں جو پاوے لیلی
ناحسن یہ و بس کو اوٹھاوے لیلی

اس رباعی پر خط کھینچ کر، حاشیے پر حسب ذیل رباعی تحریر کی گئی ہے:

بے محمل تھی، گو، ہمکر قیس لیلی
تو جیتا ہے، یار، کب تھی اتنی لیلی؟
بند اوڑ گئی جس سے میرے لیلیوں کی

فصل دوم (ورق ۴۷ الف — ۴۹ ب) میں معروف و مجہول اور گردانوں کا بیان ہے

فصل سوم (ورق ۴۹ ب — ۵۱ الف) میں بعض ایسے الفاظ سے بحث کی ہے، جن کے ماضی و حال کے مضمون میں لفظی اختلاف پایا جاتا ہے

فصل چہارم (ورق ۵۱ الف — ۵۲ ب) میں لازم اور متعدی کا بیان ہے

فصل پنجم (ورق ۵۲ ب — ۵۳ ب) میں ضمائر کا ذکر ہے

فصل ششم (ورق ۵۳ ب) میں یہ بتایا ہے کہ اردو زبان میں، ہندی الفاظ کے ساتھ عربی و فارسی لفظ بھی ملے جلے استعمال کیے جاتے ہیں

اس باب کی فصلوں کے ساتھ، اول و دوم وغیرہ الفاظ استعمال نہیں کیے ہیں اس کے بر عکس، تیسری اور چھٹی فصل کے متعلق، میں سمجھتا ہوں کہ یہ فائدے ہیں، جن کے آغاز میں از راہ سہو کاتب نے لفظ فصل لکھ دیا ہے

باب سوم (ورق ۵۳ ب — ۹۲ الف)

اس باب میں اردو زبان کے قواعد نحو سے بحث ہے

یہ باب ایک تمہید اور ۱۶ فصلوں میں منقسم ہے:

تمہید (ورق ۵۳ ب — ۵۷ ب) میں علم نحو کی تعریف، ترتیب فاعل و مفعول اور علامات فاعل و مفعول سے بحث ہے

فصل ۱ (ورق ۵۷ ب — ۵۸ الف) حال و ذوالحال کے بیان میں،

فصل ۲ (ورق ۵۸ الف) شرط و جزا کے بیان میں،

فصل ۳ (ورق ۵۸ الف — ۵۹ ب) مرکب غیرتام اور اوس کے

اسباب، خالص اور مستند زبان کے مرکز اور حروف تہجی سے بحث کی ھے اس کتاب کی تصنیف تك لکھنوی ٹکسال کے سکوں کو رواج عام کی سند حاصل نہیں ہوئی تھی، اسلیے مصنف نے شاھجہاناباد کے محاوروں اور وھاں کے فصحا کی بولچال کو مستند مانا ھے

باب اول (ورق ١٢ الف — ٤٣ ب)

اس میں فارسی زبان کے اوپر قواعد صرف و نحو سے بحث ھے، جن کا علم زبان اردو کے طالب علم کے لیے ضروری ھے یہ باب ۴ فصلوں پر مشتمل ھے:

فصل اول (ورق ١٢ الف — ٣٣ الف) حروف مفردہ کے بیان میں ھے

فصل دوم (ورق ٣٣ الف — ٣٥ ب) مخصوص دوحرفی اور سہ حرفی کلمات کے بیان میں ھے

فصل سوم (ورق ٣٥ ب — ٣٧ الف) میں اوپر کلمات کا ذکر ھے، جو جداگانہ محلوں میں تنہا استعمال کیے جاتے ہیں

فصل چہارم (ورق ٣٧ الف — ٤٣ ب) میں متفرق فوائد کا تذکرہ ھے

باب دوم (ورق ٤٣ ب — ٨٢ ب)

اس میں اردو زبان کے قواعد صرف سے بحث ھے یہ باب ایك تمہید اور ۹ فصلوں میں منقسم ھے:

تمہید (ورق ٤٣ ب — ٤٥ ب) میں لفظ کی تقسیم اور فصلوں کی تعریف بیان کی ھے

فصل اول (ورق ٤٥ ب — ٤٧ الف) میں صیغوں کا بیان ھے

فصل اول (ورق ۹۲ الف - ۱۲۱ الف) میں عروض سے متعلق بحث ہے جو بحریں اردو اور فارسی دونوں زبانوں کے شاعروں نے ترک کردی ہیں، انھیں چھوڑ دیا ہے بعض فارسی میں مستعمل بحریں، ہندی دوہوں پر پوری نہیں اترتیں، اس لیے اساتذۂ اردو نے ان میں شعر نہیں کہے ہیں اسے مواقع پر مثال کے لیے خود مصنف نے اشعار کہہ کر دیں کیے ہیں بعض بحروں کے ذکر میں یہ بھی بتایا ہے کہ میر تقی میر نے اس میں بہت عمدہ غزلیں لکھی ہیں

فصل دوم (ورق ۱۲۱ الف - ۱۲۹ الف) میں علم قافیہ سے بحث ہے

باب سوم (ورق ۱۲۹ الف - ۱۸۷ الف)

اس باب میں معانی، بیان اور بدیع سے بحث ہے یہ چار فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل ۱ (ورق ۱۲۹ - ۱۳ ب) میں فصاحت و بلاغت کی تعریف ہے

فصل ۲ (ورق ۱۳ ب - ۱۵۱ الف) میں علم معانی سے بحث ہے اسے مصنف نے چند فوائد میں تقسیم کردیا ہے

فصل ۳ (ورق ۱۵۱ الف - ۱۵۹ الف) میں علم بیان سے بحث ہے

فصل ۴ (ورق ۱۵۹ الف - ۱۸۷ الف)، جس میں علم بدیع کا ذکر ہے، دو قسموں پر مشتمل ہے قسم اول (ورق ۱۵۹ الف - ۱۶۹ ب) میں معنوی صنعتیں اور قسم دوم (ورق ۱۵۹ ب - ۱۸۷ الف) میں لفظی صنعتیں بیان کی گئی ہیں

اقسام کے بیان میں،

فصل ۴ (ورق ۵۹ ب - ٦١ الف) مرکب اضافی کے بیان میں،

فصل ۵ (ورق ٦١ الف - ٦۵ الف) مرکب اعدادی کے بیان میں،

فصل ٦ (ورق ٦۵) حروف ندا کے بیان میں،

فصل ۷ (ورق ٦۵ ب) بہر کے بیان میں،

فصل ۸ (ورق ٦۵ ب - ٦۷ ب) عطف کے بیان میں،

فصل ۹ (ورق ٦۷ ب) تاکید و موکد کے بیان میں،

فصل ١ (ورق ٦۷ ب - ٦۸ الف) صله و موصول کے بیان میں،

فصل ١١ (ورق ٦۸ الف - ٦۹ ب) اسم فاعل، صفت مشبهه، مستثنی اور قسم کے بیان میں،

فصل ١٢ (ورق ٦۹ ب) الفاظ کنایه کے بیان میں،

فصل ١٣ (ورق ٦۹ ب - ۷ ب) معروفه کے بیان میں،

فصل ١۴ (ورق ۷ ب - ۷١ ب) اسم و فعل و حرف کے بیان میں،

فصل ١۵ (ورق ۷١ ب - ۷٢ ب) ضمائر کے بیان میں، اور

فصل ١٦ (ورق ۷٢ ب - ۹٢ الف) حرف کے بیان میں ہے

ان فصلوں کے ساتھ بھی شماری الفاظ مذکور نہیں ہیں، اس لیے چھوٹی چھوٹی فصلوں کے متعلق احتمال ہے کہ یہ دراصل فائدے ہوں، اور کاتب نے غلطی سے ان کے عنوانوں میں فصل لکھدیا ہو

باب چہارم (ورق ۹٢ الف - ١٢۹ الف)

اس باب میں عروض و قافیه سے بحث کی گئی ہے یہ دو فصلوں میں منقسم ہے:

ورق ۷٦ الف پر مرزا احسان طپش کے یہ اشعار ذکر کیے ہیں

جب طپش کو نہ ملی بوسے کی اوس لب سے خبر

سب قمریوں کی طرح، شعر یہ پڑھتا وہ چلا

ہے ہوا ہیں، کسی پر زور نہیں، یا محبوبا

دیوے اوس کا بھی بھلا، جو نہ دے اوس کا بھی بھلا

۸۴ ب پر آشفتہ کا یہ شعر لکھا ہے:

مرے میں ملے وہ، دل، تو مرجائے

ارمان رہے نہ یہ بھی، کر جائے

ورق ۹ الف پر دہر نواب کا حسب ذیل شعر ملتا ہے:

ایسا کس کام کا آنا؟ ارے جل، دور، چھٹے

جب کہ کہنا ہی نہ مانا، ارے جل، دور، چھٹے

ورق ۱۱۷ الف اور ۱٦۴ ب پر محشر کے یہ دو شعر علی الترتیب نقل کیے ہیں:

نارے، محشر، مجھے زہر کا بھیجا ہے جام

جی نہ چھٹا، مری جان، اب نہ بتا جاہیے

دور میں اوس چشم کے، گردوں کی آسائش نہیں

کس گھڑی، کس دم، نئے ہوے کی فرمائش نہیں؟

ورق ۱۵۹ ب پر حجام کا یہ شعر لکھا ہے:

رندوں پر، میاں، پڑتا ہے سب سو سو گھڑے پانی

بلا حجام کو، جس روز تم حمام کرتے ہو

ورق ۱٦۲ الف پر برق کا یہ شعر مندرج ہے:

رشک، صد شے، عشق کیا بداغ جلتا ہے؟

کہیں بھی کالے کے آگے چراغ جلتا ہے؟

خاتمہ (ورق ۱۸۷ الف - ۲۱۹ ب)

اس میں اون شاعروں کے حالات اور منتخب اشعار پیش کیے گئے ہیں، جن کا کلام کتاب میں بطور مثال جابجا مذکور ہے۔ یہ شاعر، جن کی مجموعی تعداد ہمارے نسخے کے مطابق ۳۵ ہے، تین طبقوں میں منقسم ہیں۔ ان میں سے پہلے طبقے میں گیارہ اور باقی دونوں میں بارہ بارہ شاعروں کا ذکر ہے۔ چونکہ مصنف اثنا عشری مذہب تھا، اس لیے غالبا دوازدہ امام کے شمار کے مطابق ہر طبقے میں بارہ شاعروں کا ذکر ہوگا۔ ہمارے نسخے میں طبقۂ اولی کا ایک نام سہوا چھوٹ گیا ہے۔

ان ۳۵ شاعروں کی تین طبقوں میں تقسیم، بلحاظ مصنف «باعتبار معلومات فن و قوت طبع و چستیٔ تالیف و شیرینیٔ کلام و شہرت خلق» کی گئی ہے۔

جیسا کہ تفصیل ماسبق سے ظاہر ہے، کتاب کی ترتیب عربی اور فارسی قواعد کی کتابوں سے ماخوذ ہے لیکن خاتمۂ کتاب میں شعرا کا تذکرہ، عبدالباسط کی «نثار الصوابط» کی نقل ہے، جو دستور الفصاحت کا ایک ماخذ ہے۔ اس کتاب کے خاتمے میں بھی اون فارسی شاعروں کا مختصر حال لکھا گیا ہے، جن کے شعر مثال میں پیش کیے گئے ہیں۔

مصنف نے خاتمے میں جن شاعروں کا ذکر کیا ہے، اون کے علاوہ بعض اور شاعروں کے کلام سے بھی استناد کیا ہے؛ چنانچہ ورق ۱۹۳ ب پر مرزا محسن کا شعر ذیل لکھا ہے:

وہ بر عمرہ سیم، سب کے سب، نہ ایک نہ دو
چاہ ہیں جیے، سب اوس کے گڈھے، نہ ایک نہ دو

کس کے ھیں انتظار میں آنکھیں ؟
جو کھلی ھیں مزار میں آنکھیں

اور تجلی کے اس شعر کو سرقہ قرار دیا ھے:

نہ شوق دیکھو، بس مرگ بھی تجلی سے
کفن میں کھول دیں آنکھیں، سنا جو یار آیا

سمیع عیسی سہا کے اس شعر کو:

دل کو ھاتھ اوس کے جو چھوا، تو یہ کہنے ھیں رقیب:
«لیجیو تم اسے، یارو ذرا دکھلا کر»

مصحفی کے اس شعر سے ماخوذ بتایا ھے:

دل بھی کیا جنس زبوں ھے؟ کہ خریدار اس کے
لیتے ھیں، پر اسے سوچا نہ دکھا لیتے ھیں

چونکہ مصنف نے خاتمے میں صراحت کردی ھے کہ کتاب میں «احوال بعضی از شعرا» پر اقتصار کیا گیا ھے، اسلیے ھم ان شاعروں کا ذکر نہ کرنے کے سلسلے میں اوس پر حرف گیری نہیں کرسکتے ھاں، یہ شکایت ضرور ھے کہ صرف اس بنا پر کہ وہ اس فن میں نامدار نام و شہرت نہ تھا، ایسا حال نہیں لکھا

مایۂ تالیف

خاتمۂ کتاب کے آخر میں، مصنف نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ لکھا ھے:

صد شکر کہ اتمام پذیرفت رسالہ
واضح شد ازان، جملہ فوائد بلاغت

ورق ۱۶۴ ب پر اشرف کا یہ شعر لکھا ہے:

لوٹے چمن میں گل کی، حیران ہوں، بہار، حیف!

اور عندلیب، سو رہے حسینی، ہزار حیف!

ورق ۱۳۳ الف پر مرزا محسن صاحب کا یہ شعر درج

کیا ہے:

کون کہتا ہے کہ مجھ پاس تم آوو، بیٹھو؟

جی لگے آپ کا جن میں، وہیں جاوو بیٹھو

ورق ۱۵۸ ب پر سرقے کی بحث میں مجنوں کا یہ شعر

پیش کرکے:

بیٹھا تھا، مجھکو دیکھ، بہانے سے اوٹھ گیا

حسن سلوک، آہ! زمانے سے اوٹھ گیا

لکھا ہے کہ شگفتہ کا یہ شعر سرقہ ہے:

آنکھیں چرا کے، شب وہ بہانے سے اوٹھ گیا

حرف مروت، آہ! زمانے سے اوٹھ گیا

اس کے بعد مجنوں کا یہ شعر لکھ کر:

بسا ہیں قدح مے کو میں کبھو تجھ بن

رہا مدام مرے جام میں لہو تجھ بن

کہا ہے کہ میر شیر علی افسوس کا یہ شعر بھی سرقے میں

داخل ہے:

ہنس کر کسی سے میں نے نہ کی بات تجھ بغیر

روتے ہی، آہ! کٹ گئی یہ رات تجھ بغیر

اسی بحث میں (ورق ۱۸۶ الف) حشمت کا یہ شعر لکھا ہے:

بہادر عرف مرزا جعفر کے نام کے بعد « مغفور، لازال دولتہ، و اقبالہ » لکھا ہے خاتمے میں ایک موقع پر « دام اقبالہ، مغفور و مرحوم » اور دوسری جگہ صرف « دام اقبالہ » ہے مرزا جعفر نے ۱۲۳۰ھ (۱۸۱۴ع) میں وفات پائی ہے لہذا دعای دوام اقبال کو اس سنہ سے پہلے ہونا چاہیے چونکہ یہ دعا خاتمۂ کتاب میں بھی پائی جاتی ہے، لہذا ضروری ہے کہ کتاب اس سنہ سے قبل ہی ختم ہوچکی ہو، اور دعاے مغفرت کا اضافہ تبییض کتاب کے وقت کیا گیا ہو

(۳) شاہ نصیر کے حال میں تحریر کیا ہے:

« گویند کہ درسال گرسنہ، ناز لاش سر جودیں، کہ گرسنہ بود، بلکھنو آمدہ، در مشاعرہ ہای مرزا قمرالدین احمد خان بہادر، دام اقبالہ، حاضر می شد و شعر خوانی می کرد » (ص ۱۱۴)

مولوی عبدالقادر خاں رامپوری اپنے سفر لکھنؤ واقع سنہ ۱۲۲۹ھ (۱۸۱۴ع) کی روداد میں فرماتے ہیں:

« اس زمان آخر عہد نواب سعادت علی خان بود روزی در محفل مشاعر، کہ دران ایام بخانہ مرزا جعفر می بود، رفتم مرزا محمد حسن متخلص بقتیل و مصحفی و شاہ نصیر دہلوی دران زمرہ سرکردہ شمار می آمدند و شیخ امام بخش ناسخ را دران ایام زور اوروئی در شعر کار بود » (ورق ۴ الف)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ نصیر سنہ ۱۲۲۹ھ میں لکھنؤ میں تھے لہذا ان کا حال بھی سنہ ۱۲۳۰ھ کے لگ بھگ درج کیا گیا ہوگا (۱)

---

(۱) آبحیات کی روایت کے مطابق شاہ نصیر نے لکھنؤ کے دو سفر کیے تھے آخری سفر کے وقت لکھنؤ میں ناسخ کا دور دورہ تھا چونکہ مولوی عبدالقادر بھی سنہ ۱۲۲۹ھ میں نصیر کا لکھنؤ میں قیام اور ناسخ کی شہرت کا تذکرہ کرتے ہیں، اس لیے بڑی حد تک یقین ہے کہ یہ دوسرا سفر مراد ہے

تاریخ تمامیش طلب کرد خرد یکتا
فی الفور خرد گفت که «دستور فصاحت»

اس قطعے میں مادۂ تاریخ «دستور فصاحت» ہے، جس سے سنہ ۱۲۴۹ھ (۱۸۳۴ع) برآمد ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سنہ مسودہ صاف کرنے کے وقت کا تعین کرتا ہے، سال تالیف کو ظاہر نہیں کرتا، اس لیے کہ خود مصنف نے اس قطعے سے پہلے لکھا ہے:

> «مخفی مباد که عرصه بعید و مدت مدید سپری گردید که جمهره سطور این مقاله، و گرده تصویر این رساله، بر صفحه وجود نقش گرفته، بسبب تردد خاطر و تشتت بال، که بوجوه شتی لاحق حال می غریب مآل باید، در محل تعطل افتاده بود و درین تعطل که سالها سال سر آمد، هرگز طبیعت متوجه نشد که نظر ثانی بردارد، تا آن را بنحوی که منظور بود، درست سازد، که دوستی از دوستان مهرب، مسمی به شیخ رمضان علی صاحب سلمه ربه، از باشندگان لکهنو، کمر همت بتبیض آن برداشتند و سعی تمام در باب تصحیح این رساله آن را تمام ساختند»
> (ص ۱۲۵)

اب اس بیان کو سامنے رکھکر کتاب کا جائزہ لیا جائے، تو اس مدعا کے اثبات میں حسب ذیل شہادتیں دستیاب ہوتی ہیں:

(۱) لکھا ہے مرزا محمد حسن قتیل کو «سلمه الله تعالی» کے ساتھ یاد کیا ہے (ورق ۱۲۸ ب) قتیل نے سنیچر کے دن سحر کے وقت ۲۳ ربیع الاول سنہ ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۸ع) کو مرض استسقا سے لکھنؤ میں انتقال کیا ہے (۱)- اس سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ «دستور الفصاحت» ۱۲۳۳ھ سے پہلے لکھی گئی ہے

(۲) دیباچے میں مرزا حاجی کے والد مرزا فخرالدین احمد خان

---

(۱) شمع انجمن ۵۵ ب

ان دونوں شہادتوں سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ
کتاب ۱۲۱۳ھ سے پہلے تالیف ہوچکی تھی

اگر یہ نتیجہ درست ہے، تو ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ
اس کی تالیف کا کام انشا کی دریائے لطافت سے پہلے انجام پاچکا
تھا، جس کا سال اختتام ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷ء) ہے چونکہ مصنف نے
دیباچے میں لکھا ہے کہ

> «ہیچ کتابی از کتب این فن و رسائل این ہنر، کہ بعد
> مطالب و معنی مقصد درین باب می شد، در نظر نداشتم کہ مواد
> آن می نوشتم و از خطا مصون می ماندم»

اس لیے ہم پچھلے دلائل کی کمک پر کہہ سکتے ہیں کہ مصنف
کی نظر میں دریای لطافت کا نہ ہونا اس بنا پر تھا کہ یہ ابھی معرض
وجود ہی میں نہیں آئی تھی

بہر حال نتیجۂ بحث یہ ہے کہ دستور الفصاحت ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ء)
سے پہلے لکھی گئی تھی اوس وقت یہ کسی کے نام معنون
نہ تھی ۱۲۲۹ھ تا ۱۲۳ھ (۱۸۱۵ء) میں مصنف نے اوس پر نظرثانی
کرکے مرزا حاجی کے نام معنون کی اس نظرثانی کے دوران میں
اوس نے جو اضافے کیے، اون کا پتا حاشیے کے بعض مباحث میں
صاف طور پر چل جاتا ہے لیکن ابھی کتاب کا مسودہ
صاف ہوکر شائع نہیں ہوا تھا کہ مرزا حاجی کی بساط ریاست الٹ
جانے سے مصنف بھی پریشان حال ہوگیا اور مسودہ معطل میں پڑا
رہا آخر سنہ ۱۲۴۹ھ میں شیخ رمضان علی لکھنوی نے اس
کو صاف کرنے کا اقرار کیا مصنف نے اس پر پھر نظر ڈالی،
اور چند جگہ اضافے کیے، چنانچہ کتاب کے ورق ۱۸۲ الف پر
مصنف نے اپنا یہ شعر لکھا ہے:

(۴) میر تقی میر کے ذکر میں لکھا ہے کہ «سہ چہار سال شدہ کہ در لکھنؤ وفات یافت» میر صاحب نے سنہ ۱۲۲۵ میں انتقال کیا ہے، جس کی رو سے ان کا حال ۱۲۲۹ھ میں لکھا جانا چاہیے

(۵) مرزا جعفر کو اون کے صاحبزادے مرزا حاجی کے ذکر میں «دام افضالہ» لکھا ہے اور اس موقع پر مرزا حاجی کے نام کے ساتھہ اون کا خطاب بھی مذکور ہے، اس لیے ہمیں یہ حصہ سنہ ۱۲۲۹ اور سنۂ وفات مرزا جعفر کے درمیان لکھا گیا ہے

غرض کہ ان نتائج شہادتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ۱۲۲۹ھ اور ۱۲۳۰ھ کے درمیان تمام ہوچکی تھی

(۶) خاتمے میں خواجہ احسن اللہ بیان کے بارے میں لکھا ہے

> «می گویند کہ تاحال زندہ است بطرف دکھن در سرکار نظام علی خان عز و اعتباری دارد» (ص ۸۱)

بیان نے سنہ ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ع) میں انتقال کیا ہے

قاسم الدین محمد قاسم رامپوری کے تذکرے میں (جو عام طور پر اپنے مولد کے لحاظ سے چاندپوری کہلاتے ہیں) لکھا ہے:

> «چند سال شدہ کہ بر دنیای دنی پشت پا زدہ، ترک این جہان فانی کرد، و در رامپور فیض اللہ خان والا، کہ از مدت مسکن او ہمان بلدہ بود، مدفون گشت» (ص ۴۵)

قاسم کے سال وفات میں اختلاف ہے بعضے ۱۲۰۸ اور دوسرے ۱۲۱۰ھ بتاتے ہیں لیکن انہوں نے اون کا ذکر وفات کے «چند» سال بعد کیا ہے لفظ چند عربی کے لفظ «بضع» کی طرح، تین سے نو تک کے لیے استعمال کیا جاتا ہے لہذا قاسم کا حال ۱۲۱۱ تا ۱۲۱۳ھ میں لکھا جانا چاہیے

(۳) منار الضوابط

ورق ۲۸ ب اور ۳۳ الف پر عبدالباسط کا حوالہ ہے یہ اقتباسات اوس کی کتاب مذکورۂ بالا (ورق ۹ الف و ۱۱ الف) میں پائے جاتے ہیں البتہ بابل کے مسائل کی بنا پر الفاظ میں قدرے اختلاف نظر آتا ہے۔

(۴) میر شمس الدین فقیر

ورق ۴۱ ب پر ان کا حوالہ ملتا ہے لیکن حدائق البلاغہ میں اس کا پتا نہیں چلا

(۵) معیار الاشعار

یہ کتاب خواجہ نصیرالدین طوسی (متوفی سنہ ۶۷۲ھ = ۱۲۷۴ع) کی تصنیف ہے بتایا جاتا ہے ورق ۱۲۲ الف و ۱۲۸ الف پر اس کا حوالہ دیا ہے موخرالذکر مقام پر کتاب کا نام بھی مذکور ہے

(۶) مجمع الصنائع

یہ کتاب نظام الدین احمد بن محمد صالح الصدیقی الحسینی کی تالیف ہے، جو عہد عالمگیر کا ایک صوفی منش فاضل تھا بتایا جاتا ہے ورق ۱۵۹ ب پر اس کا حوالہ دیا ہے، جو نسخۂ مطبوعہ (مطبع حسنی لکھنؤ) کے صفحۂ ۹ پر موجود ہے

(۷) رسالۂ تلاعب

ورق ۱۶۲ ب پر عبدالواسع کے نام سے جو اقتباس دیا ہے، وہ عبدالواسع کے رسالۂ تلاعب (مطبع مصطفائی، لکھنؤ، سنہ ۱۲۶۱ھ) میں صفحۂ ۵۲ پر پایا جاتا ہے

(۸) تذکرۂ ہندی

نکلتا جو حسب سال وفاتش، جو اسکے رجب
ی نعمہ، رحمانۂ او «سالب رجب»
اس مادۂ تاریخ سے سنہ ۱۲۳۶ھ نکلتا ھے
اسی طرح ورق ۱۷۴ الف پر حسب ذیل شعر نظر آتا ھے:
اے نصیرالدین جہاں بخشی، کہ از اقبال ھست
تیغ عالمگیر تو، روز ظفر، ممالک رقاب

یہاں نصیرالدین حیدر بادشاہ اودھ مراد ھیں، جو ۱۲۴۴ھ سے ۱۲۵۳ھ تک حکمراں رھے تھے، اس لیے یقینی ھے کہ ان شعروں کا بعد میں اضافہ کیا گیا ھے

کتاب کے مآخذ

کتاب کے دیباچے یا خاتمے میں مآخذ کے ذکر کا دستور بہت پرانا ھے، لیکن ھمارے مصنف نے اس کی پابندی نہیں کی تاھم حسب ذیل ماخذوں کا پتا چلتا ھے:

(۱) فرھنگ رشیدی

یہ فارسی لغت کی مشہور کتاب اور عبدالرشید مدنی، ساکن ٹھٹھہ (سندھ، متوفی سنہ ۱۰۷۷ھ = ۱۶۶۶ع) کی تصنیف ھے۔ یکتا نے ورق ۲۲ ب و ۲۳ ب پر اس کا حوالہ دیا ھے

(۲) موھبۂ عظمیٰ

ورق ۲۶ ب اور ۴ ب پر مصنف نے خان آرزو (متوفی سنہ ۱۱۶۹ھ = ۱۷۵۵ع) کے جو اقوال نقل کیے ھیں، ان میں کا پہلا قول موھبۂ عظمیٰ (ورق ۲۰ الف) میں موجود ھے دوسرا اقتباس اس کتاب میں نہیں ملا ممکن ھے کسی دوسری تصنیف کا ٹکڑا ھو

کے لفظوں کے استعمال کا حسانی ساسب بھی مقرر کیا ہے
کہا ہے کہ یہ لوگ اسی بولچال میں بیں چوتھائی عربی
و فارسی اور ایک چوتھائی ھندی کے لفظ استعمال کرتے ھیں
(ورق ۵۳ ب)

(۳) میر اور سودا کے کلام کے فرق کو ان الفاظ
میں ظاہر کیا ہے:

«اگرچہ کلام قصاحت نظام میر ...ل سعدی، ظاہر آسان نظر می
آید، ولی ممتنع است ...سر شعرا مقلد او ھستند و مطلق طرزش
نمی یابند بخلاف مرزا محمد رفیع، کہ باوجود کمال پختگی کہ
دارد، مقلدان ھر صاحب فہمی را ممکن»(ص ۲۵)

اکثر ادیبوں اور نقادوں نے ان دونوں جگت استادوں کے
رنگ کا فرق بتایا ہے لیکن نکتہ جو حد مقرر کی
ہے وہ اچھوتی اور واقعی ہے

(۴) میر کے حال میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

«نواب آصف الدولہ مغفور و مرحوم ھم بعد رحلت مرزا، میر
را از شاہ جہان آباد مخر بہ طلب داشتہ، بمنصب عالی ملازم
ساخت» (ایضاً)

حالانکہ تمام تذکرہ نویس یہ لکھتے ہیں کہ میر صاحب
از خود لکھنؤ گئے اور جب آصف الدولہ کے دربار میں رسائی
ہوئی، تو تنخواہ مقرر کی گئی

(۵) لطف اور آزاد دونوں نے میر صاحب کی نازک مزاجی کا
ذکر کیا ہے صاحب «گل رعنا» کو اس قسم کے واقعات سچے
نہیں معلوم ہوتے لیکن نکتہ بھی لطف و آزاد کا ہم خیال
ہے، اور اون کی نازک مزاجی سے متعلق ایک واقعہ لکھا

حاتمۂ کتاب مں شعرا کا ذکر کرتے ہوئے، متعدد مقامات ر تکما نے اس تذکرے کے ٹکڑے نقل کیے ہیں ان میں سے دو حگہ (صفحہ ٦٩ و ٧) لفظ تذکرہ کے ساتھ اور تںںہ مقامات (صفحہ ٧٧ و ٨٥) ر مصحفی کے نام کے ساتھ ان اقتباسات کو ںس کیا گیا ہے

مذکورۂ بالا تمام حوالے، صرف و نحو ہندی کے ماسوا دوسرے مباحث کے اندر پائے جاتے ہیں صرف و نحو ہندی ر کوئی کتاب تکما کے سامنے نہ تھی، اس لیے یہاں کوئی حوالہ نظر نہیں آتا

حند نکات

کتاب میں جا بجا ادبی و تاریخی نکتے بھی مذکور ہیں ان میں سے دو چار کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا مثلاً :

(۱) تکما اسے ناپسند کرتا ہے کہ فصحا کے محاورے کے برخلاف، الفاظ کے تلفظ میں صحیح اعراب یا ادای مخرج کا لحاظ کیا جائے چنانچہ اس کے خیال میں «غدار» کو، جو عام طور پر غین کے زبر کے ساتھ بولا جاتا ہے، بکسر غین، بر وزن ادار، پڑھنا اور زبردستی حلق سے عین اور حای حطی کا نکالنا سامعین کو اپنے آپ پر ہنسانا ہے ہاں، اگر کوئی لفظ عوام کی بولچال میں تلفظ اصلی سے ہٹ جائے، تو اوسے ضرور صحیح طور پر استعمال کرنا چاہیے

(۲) تکما نے اپنے عہد کے شرفا اور مستند شاعروں کے کلام میں عربی اور فارسی الفاظ کے ساتھ ٹھیٹ ہندی

اسی طرح نکات نے یہ بھی لکھا ہے کہ آخر میں ایسا دیوانے ہوگئے تھے، اور اسی حالت میں فوت ہوئے (ص ۱۷)

اس معاصرانہ بیان کے پس منظر، مرزا اوج کی دیوانگی سے اخلاف کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے، اور آزاد نے رنگین کی رباعی اون کا آخری حال جو کچھ لکھا ہے، اوس پر یقین آتا ہے (۱)

(۱) افسوس کے معلوم نہ ہوا کہ اونہوں نے نکات کی ہمدرسی میں حکیم چند ناتھ صاحب لکھنوی سے برسوں طب پڑھی تھی اور مرزا محمد فخر الدین احمد خان بہادر عرف مرزا جعفر کے توسط سے کالکٹے میں مصنفہ اردو دانی ملازم ہوئے تھے نکات نے اوس کا قطعۂ تاریخ وفات بھی لکھا ہے، جس سے ۱۲۲۴ھ برآمد ہوتے ہیں، ورنہ ایک تذکروں میں صرف سال عیسوی ۱۸۰۹ ملتا تھا

(۱۱) اس کتاب سے ہمیں تین مشاعروں: (۱) مشاعرۂ مرزا حاجی، (۲) مشاعرۂ مولوی محب اللہ (۳) اور مشاعرۂ سید مہر اللہ خان غیور کا پتا چلتا ہے، جن میں سے غالباً دوسرے مشاعرے کا ذکر اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا

ماخذ حواشی

اس کتاب کے حاشیوں کی ترتیب میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے، اون کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

---

(۱) صاحب گل رعنا نے بھی (ص ۲۸۸) مرزا اوج کی روایت کو قبول کرتے ہوئے ایسا کے جنون سے انکار کیا ہے

ہے اگر یہ واقعہ صحیح ہے، تو پھر آزاد کے بیان کردہ مضمون کو نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں (ایضاً)

(۶) قیام الدین قائم رامپوری کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے کلام میں مرزا کی تالیف کلمات اور بندش الفاظ اور میر کی برجستگی و بے تکلفی نظر آتی ہے نیز یہ فخر صرف اسی ایک شاعر کو نصیب ہوا ہے کہ اس کا قصیدہ قصیدہ اور غزل غزل کہلانے کی مستحق ہے ورنہ اکثر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ یا تو قصیدہ غزل ہوکر رہجاتا ہے، اور یا غزل قصیدہ بنجاتی ہے اسی طرح قائم کی مثنویاں اور رباعیات اپنے اپنے خصائص کی حامل ہیں

(۷) مصحفی کو ابتدا میں تابع میر سوز لکھا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ جب یہ لکھنؤ پہنچے، وہاں جرأت کا طوطی بول رہا تھا کسی نے ان کی طرف مطلق توجہ نہ کی ناچار یہ جرأت کے مقابلے میں آڈٹے اور بیس سال تک جرأت اور اوس کے شاگردوں کے پورے لشکر سے تن تنہا جنگ کرکے، اہل ادب کو اپنی طرف مائل کیا اور آخر کار جرأت کے برابر، بلکہ اوس سے زیادہ شہرت حاصل کرلی (ص ۹۴) عجب ہے کہ اس سلسلے میں نکما نے انشا کا نام نہیں لیا حالانکہ انتخاب میں «مصحفی و مصحفی» والا معرکہ اونہیں سے پیش آیا تھا

(۹) انشا کی عمر کا ذکر عام تذکروں میں نہیں ملتا؛ مگر نکما نے لکھا ہے کہ اونہوں نے ۶ سال سے کچھ زیادہ عمر پائی۔

مصنف نے دیباچے میں یہ نہیں بتایا ہے کہ انہیں اس کی ترتیب کا خیال کس طرح اور کب پیدا ہوا، اور اس طویل اور وقت طلب کام میں کس کس نے ان کا ہاتھ بٹایا

اس کے واقعی آغاز کا تعین دشوار ہے، تاہم کتاب کے بعض مقامات سے پتا چل جاتا ہے کہ ۱۱۶۴ھ سے کہیں پہلے مصنف اس کی ترتیب میں مشغول تھا

(۱) لطف اللہ خان نثار کے ذکر میں آرزو نے لکھا ہے:

« در ین سنہ کہ ہزار و یکصد و پنجاہ بہ ہجرت است، دو ماہ
میں ادین رحمت ایزدی پیوست » (۴۶۴ ب)

تاریخ محمدی (۵۹۶ ب) میں غرۂ ربیع الاول سنہ ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۶ع) تاریخ وفات مندرج ہے لہذا نثار کا حال جمادی الاولی سنۂ مذکورہ میں لکھا جانا چاہیے

(۲) انڈیا آفس لائبریری کی پہلی جلد کا ایک نسخہ محفوظ ہے جس کے ایک ورق پر جلد طرزِ خوش آرزو کے قلم کی لکھی ہوئی ہیں چونکہ اس جلد کی ترتیب حروف تہجی کے مطابق نہیں ہے اس لیے بجا طور پر اسے مسودہ کہا جاسکتا ہے

اس مسودے میں میرالیاس خان امید کو « لمه ربه » کے الفاظ سے یاد کیا ہے (۳۶۷ الف) تاریخ محمدی (۵۹۶ ب) میں ان کی تاریخ وفات، ہ جمادی الاولی سنہ ۱۱۵۹ھ لکھی ہے لہذا آرزو نے ان کا حال جمادی الاولی سنۂ مذکورہ سے پہلے لکھا ہوگا

(۳) اسی مسودے میں شیخ علی حزین کے متعلق لکھا ہے:

« ہ سال تا زیاد باشد، کہ وارد ہندوستان گشته از تسلط نادر شاہ بر ولایت ایران، درین ملک آمد، و درهنگامیکه شاهنشاه بر هندوستان مسلط گردید، و شاهجهان آباد دهلی بتصرف او

١۔ مجمع النفائس، قلمی

یہ فارسی کے شاعروں کا تذکرہ ہے جسے ہندوستان کے مایۂ ناز نقاد سراج الدین علی خان آرزو اکبرآبادی متوفی سنہ ١١٦٩ھ (١٧٥٦ع) نے تصنیف کیا ہے

دیباچے میں مصنف نے لکھا ہے کہ میرے شاگرد، دلدار مخلص، نے اس کے ختم ہونے کی حسب ذیل تاریخ لکھی ہے:

این تذکرۂ سخنوران گیهان
بمثل چو یوسف سراج الدین خان
بدار، تا آرزو چنین کرد رقم
"گلزار خیال اهل معنی جهان"

چونکہ چوتھے مصرع کے ١١٦٤ عدد ہوتے ہیں اس لیے ١١٦٤ھ (١٧٥٠ــ ٥١ع) میں اس کا اختتام ہونا چاہیے۔ دوسرے شواہد بھی اسی تاریخ کے مؤید ہیں۔ مثلاً میر تقی میر نے نکات الشعراء میں جو غالباً ١١٦٥ھ (١٧٥١ع) کی تصنیف ہے اس کا کئی جگہ حوالہ دیا ہے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے سرو آزاد (ص ٢٢٨) میں جو کئی سال کی کوشش کے بعد ١١٦٦ھ (١٧٥٣ع) میں ختم ہوا تھا، اس کا زیر تالیف ہونا بیان کیا ہے اور خزانۂ عامرہ (ص ١١٧) میں جو ١١٧٦ھ (١٧٦٢ع) کی تصنیف ہے لکھا ہے کہ یہ تذکرہ مذکورۂ بالا سنہ ١١٦٤ھ میں مرتب ہوا ہے

لیکن مصنف نے اس تذکرے کی ابتدا اس تاریخ سے برسوں پہلے کر دی تھی۔ شروع میں یہ منتخب اشعار کی ایک بیاض تھی رفتہ رفتہ اس نے تذکرے کی حیثیت اختیار کر لی

چونکہ انعام ملنے کا واقعہ عمدۃ الملک کے الہ آباد سے واپس ہونے کے بعد کا ہے، لہذا یہ دیکھنا چاہیے کہ عمدۃ الملک الہ آباد کب جاکر کس وقت واپس ہوئے۔ میر ولی اللہ نے تاریخ فرخ آباد میں لکھا ہے کہ عمدۃ الملک ۱۱۵۲ھ (۱۷۳۹ع) میں الہ آباد جاتے ہوئے فرخ آباد تشریف لائے تھے (۸ الف) خزانۂ عامرہ (ص ۷۶) میں بھی ان کے الہ آباد کی صوبہ داری پر مقرر ہونے کا یہی سال تحریر ہے قائم نے مخزن نکات (ص ۳۲) میں انجام مخلص کے تحت ان کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ

« آخر الامر بتربیت اعتمادالدولہ بہادر بحضور آمد سہ سال تمام
بر آں کشید کہ عصا برگ ہاں بصورت جمدھر و فولاد ساختہ
برای رخصت روح او فرستاد »

عمدۃ الملک نے ۲۳ ذی الحجہ ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۶ع) کو دہلی میں شہادت پائی ہے (تاریخ محمدی تحت ۱۱۵۹ھ) قائم کہتا ہے کہ انھیں الہ آباد سے واپس آئے ہوئے پورے ۳ برس نہیں ہوئے تھے اس حساب سے انھیں ۱۱۵۷ھ (۱۷۴۴ع) کے آغاز میں دہلی واپس آنا چاہیے لیکن آزاد نے خزانۂ عامرہ میں لکھا ہے کہ یہ ۱۱۵۶ھ (۱۷۴۳ع) میں بادشاہ کی طلب پر دہلی واپس آئے۔ حاتم کے دیوان زادہ میں (۱۳۱ب) ایک عرضی عمدۃ الملک کے نام مندرج ہے، جس کا سنۂ تالیف ۱۱۵۶ھ بتایا گیا ہے اس سے آزاد کے بیان کی تائید ہوتی ہے، کیوں کہ اگر عمدۃ الملک اس سنہ میں دہلی کے بجائے الہ آباد میں ہوتے، تو اس عرضی کا وہاں بھجوانا کچھ زیادہ قرین قیاس نہیں تھا لہذا اس سال کے بعد حزیں کو انعام دلانا چاہیے چونکہ آرزو نے حزیں کے متعلق یہ لکھا ہے کہ انھیں

ز آمد، طرف آگرہ رفتہ، ...گرسنہ ... ... از رفتن
افواج شاہی بار اعلی آباد ... کسی، حالانکہ ... و
صاحب، ارم ولایت عازم لاہور گشتہ، ... ... رفت ... د
دی کہ عمدہ الملک امیر خان بہادر از الہ آباد ... ...
... ... شاہجہان آباد آمد ... گاہ دیگر ... ...
... ... کہ ... بعد کرد و ... ...
...د، ... الملک ... ... بادشاہ ... ... حالا
... و رفاہ ... ...
... ...ء ... ... » (... ۳۱)

آرزو نے جس وقت یہ الفاظ لکھے ہیں، اوس وقت (الف) ... اپنی سواحضری لکھ چکے ہیں (ب) ... ہندوستان آئے ... برس ... اس سے ... ... ہو ... تھا، (ج) اور اونہیں عمدۃ الملک امیر خان بہادر کی ... ... ۱۲ ... کچھ کہے ... بھی ... ... ہے جس کے ... سے اون کی زندگی آرام سے گزرنے لگی تھی

(الف) ... نے اپنی سواحضری ۱۱۵۴ھ (۱۷۴۱ع) کے آخر میں ختم کی ہے چنانچہ اس کے خاتمے میں لکھتے ہیں:

« از حین ورود شاہجہان آباد ... تحریر، کہ آخر سال اربع و خمسین و مائہ بعد الالف است، سہ سال و کسری گزشتہ کہ در ین مدت اوقات بسر رفتہ، و ... در حال حرکت و ... ... کسور، کہ ... ... اعداد، ... ام و ... ... » (ص ۱۴)

... اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں: پہلی یہ کہ اس کا اختتام ۱۱۵۴ھ کے آخر میں ہوا، اور دوسری یہ کہ اوس وقت تک اونہیں کوئی انعام نہیں ملا تھا، جس کے باعث سے اطمینان خاطر کے ساتھ یہاں زندگی نہیں گزار سکتے تھے لہذا یقین ہے کہ آرزو نے ... کا حال ۱۱۵۴ھ کے گزر جانے کے بعد لکھا ہے

لکھنؤ روانہ ہونے سے قبل ایک جاری رہتا ہے خواجہ محمد علی رائج سیالکوٹی کے متعلق لکھا ہے کہ « باردہ، ساربردہ است کہ برحمت ایزدی پیوستہ » (۳۶۴ب) آزاد بلگرامی نے سرو آزاد (ص ۲۰۴) اور خزانۂ عامرہ (ص ۲۴۴) میں رائج کا سال وفات ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ع) بتایا ہے میں نے ایک کتاب میں « یاد حسرتش بعلی حیدر » مادۂ تاریخ پڑھا ہے اس کا پہلا مصرع پتا نہیں رہا۔ اگر اس جگہ تعمیہ نہیں ہے، تو اس کے اعداد ۱۱۴۹ ہوتے ہیں بہرحال رائج کا تذکرہ ۱۱۶۴ھ، یا ۱۱۶۵ھ یا ۱۱۶۶ھ میں لکھا گیا ہے

شیخ سعد اللہ گلشن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ « بیست و پنج سال پیش ازین بعالم علوی خرامیدند » (۳۸۵ الف) شیخ نے سرو آزاد (ص ۱۹۹) کی روایت کے مطابق ۲۱ جمادی الاولی ۱۱۴۰ھ (۲۸-۱۷ع) کو رحلت کی ہے اس حساب سے ان کا حال ۱۱۶۶ھ (۱۷۵۲ع) میں لکھا جاتا ہے

فغانی کے ذکر میں فرماتے ہیں:

« درین ایام جمع دیوان ذکر اشعار کردہ ام خاتمہ در عرصہ چہار یا شصت غزل گفتہ شد اگر عمر وفا کند، دیگر هم گفتہ می آید انشاء اللہ الی، والاخیر

تا بہ امروز کہ چہارم شہر ربیع الاول سنہ ۱۱۶۶ھ باشد ردیف واو رسیدہ ام اگر ارادۂ ازلی متعلق شدہ، تمام کرد خواهد شد انشاء اللہ بعد برآمدن دهلی و واد هندوستان ظهور خواهد آمد واقع شدہ، والا پیش ازین با تمام نرسید چہ شد بعد

دیگر، مخفی نماند کہ این غزلیات کہ جمع ساختہ کردہ اند، عمر غزلهای معدود گفتہ اند هیچ کس جمع تمام دیوان نکردہ، الا ملا شاہ نکار و این حاضی هرچند با تمام نرسانده، اما از حال کرم مطلق است کہ توفیق آن داد، هرچند در مراحل شصت و هشتم است از عمر یاد داد اللهم (وفقنی) بما تحب و

هندوستان آئے ہوئے دو برس یا اس سے زیادہ گزر چکے ہیں اور بہ آزاد کے بیان کے مطابق (سرو آزاد: ۲۲۵، خزانۂ عامرہ ۱۹۴) سنہ ۱۱۴۷ھ (۱۷۳۴ع) میں سمندر کے راستے سے بندرگاہ ٹھٹھا میں اترے تھے، لہذا اس تاریخ کو سامنے رکھ کر آرزو کے دو برس یا اس سے زیادہ کا حساب لگایا جائے تو تخمینا ۱۱۵۷ھ ہی نتیجہ نکلتا ہے یعنی ان کے انعام پانے اور پھر آرزو کے تذکرے میں ان کا حال لکھے جانے کا یہی سال قرار پاتا ہے چونکہ آرزو نے لفظ «حالا» بھی استعمال کیا ہے، بنا بریں یہ قیاس درست ہوگا کہ ان کا ذکر کرتے وقت، بادشاہ کے حضور سے انعام ملے زیادہ عرصہ گزرنے نہیں پایا تھا اور انعام بھی ۱۱۵۷ھ میں ملا ہے، پس ان کا حال بھی اسی سال کے اندر لکھا جانا چاہیے۔

مصنف میں آرزو نے حزیں کے سفر بنگالہ اور قیام بنارس کا ذکر «در سولا» کہہ کر کیا ہے، جو سرو آزاد (ص ۲۲۵) کے مطابق، ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ع) کے بعد کا واقعہ ہے اس لیے یہ قیاس بیجا نہ ہوگا کہ اس سال کے بعد، کتاب کو مرتب کرتے وقت، تازہ واقعات کا اضافہ کر دیا گیا ہے، جس کی مثالیں خود اس کتاب کے اندر بھی کچھ کم نہیں ہیں

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ ۱۱۶۴ھ کے بعد مصنف نے کہاں کہاں اور کس کس سال میں نئے معلومات کا اضافہ کیا ہے کتاب کے بغور مطالعے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آرزو نے آئندہ تین سال میں جابجا ترمیم کی ہے، اور یہ سلسلہ محرم سنہ ۱۱۶۸ھ (۱۷۵۴ع) میں

ہے، اوس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر ثانی کی تخت نشینی کے بعد اور معین الملک کے انتقال سے قبل راجہ ناگرمل نائب وزیر مقرر کیے گئے، اور «مہاراجہ عمدہ الملک» خطاب ملا لیکن یہاں واقعات کی ترتیب درست نہیں ہے کیونکہ عالمگیر ثانی ۱ شعبان ۱۱۶۷ھ (۳ جون ۱۷۵۴ع) کو تخت نشین ہوا تھا، اور معین الملک، خزانۂ عامرہ (ص ۹۸) کے بیان کے مطابق، محرم سنہ ۱۱۶۷ھ (نومبر ۱۷۵۳ع) میں گھوڑے سے گر کر فوت ہوا ہے بہرحال یہ یقینی امر ہے کہ ناگرمل عالمگیر ثانی کے عہد میں نائب وزیر بنایا گیا تھا چنانچہ مولوی قدرت اللہ شوق رامپوری نے جام جہاں نما (۵۴ الف) میں، عالمگیر ثانی کے سال اول جلوس میں لکھا ہے کہ

> «اگر ل در عہد محمد شاہ خدمت دیوانی خالصہ داشت، و در عہد احمد شاہ در ابتداء بہ ہم ران رتبہ رسید، و دریں وقت نیابت وزارت باو مفوض گشت»

ان امور کے پیش نظر یہ یقینی ہے کہ آرزو نے میر تقی کا حال شعبان ۱۱۶۷ھ (جون ۱۷۵۴ع) کے بعد لکھا ہے

لیکن یہاں یہ امر واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۶۶ھ اور ۱۱۶۷ھ کے سابق الذکر دونوں واقعات اور میر تقی کا حال میری رائے میں اصل نسخے کے حاشیوں پر بڑھائے گئے ہوں گے بعد میں اس نسخے کے کاتب نے اون کو متن میں شامل کر لیا ہے اسکا ثبوت یہ ہے کہ پہلے دونوں اضافوں کے ساتھ الفاظ «منہ عفی عنہ» کاتب نے متن میں نقل کر دیے ہیں، جو ہمیشہ مصنفات کے ساتھ حاشیوں پر لکھے جاتے ہیں میر کا حال اگرچہ متن میں اس لفظ کے ساتھ نقل نہیں کیا گیا ہے، مگر یہ ۳، ۴ ورق میں کے خط نے مختلف عمدہ تعلیق میں کسی دوسرے نے لکھے

بر صفحہ ۸ حاشیہ عدہ ‹‹

اس عبارت کا دوسرا پیراگراف ۲۴ ربیع الاول ۱۱۶۶ھ کو بڑھایا گیا ہے، اور تیسرا ۶۸ ویں سال کی عمر میں آرزو کی پیدائش کا سال ‹‹ بول عیب ›› سے ظاہر ہوتا ہے، جس کے اعداد ۱۰۹۹ ہیں اگر ان دونوں عددوں کو جمع کیا جائے، تو ۱۱۶۷ حاصل جمع ہوگا چونکہ اس تیسرے پیراگراف کو ‹‹ دیگر ›› کے لفظ سے شروع کیا ہے، اسلیے غالبا اسے دوسرے کے بعد لکھا جانا چاہیے، اور کچھ بعید نہیں کہ ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۳ع) ہی میں بڑھایا گیا ہو

سرو آزاد (ص ـ ۲۲) میں آرزو کا سنۂ پیدائش سنہ ہای صدی یازدهم، اور خزانہ عامرہ (ص ۱۱۷) میں ۱۱۰۱ھ ہی دیا ہے ان دونوں صورتوں میں یہ ٹکڑا ۱۱۶۸ھ (۱۷۵۴ع) تا ۱۱۶۹ھ (۱۷۵۵ع) میں بڑھایا ہوگا مگر میری رائے میں اس قسم کے تمام کام آرزو نے دهلی میں انجام دیے ہوں گے جو ان کا وطن ہوچکا تھا آخر محرم سنہ ۱۱۶۸ھ میں دهلی چھوڑکر لکھنؤ پہنچے۔ پر ابتداء تلاش معاش اور بعد ازاں موت نے اسی مہلت کب دی ہوگی کہ تذکرے میں تغیر و تبدل کرے؟

میر تقی میر کے ذکر میں لکھا ہے:

‹‹از چند سال بخطاب معلی القاب عمدہ الملک مہاراجہ بہادر مگر راند مہاراجہ که در عهد فرخند مہد حضرت فردوس آرامگاہ، و بعد ازاں در زمان خلافت و آوان سلطنت احمد شاہ بادشاہ، مربع نشین خار نالس دیوانی خالصہ شریفه و دیوانی تن و ازاں باز برتبه عالیه مرتبه نیابت الوزارت کامروای نامداران عالم و صاحب السیف و القلم شدند ›› (۲۰۳ الف)

میر نے اپنی سوانحعمری (ص ۷۵ و ۷۶) میں جو کچھ لکھا

۳ - نکات الشعرا (نکات)، قلمی

یہ استاد شعرای ہند، میر محمد تقی میر، متوفی سنہ ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ع) کی تصنیف ہے، جس میں ۱۰۳ اردو گو شاعروں کے مختصر حالات اور منتخب کلام مندرج ہے

میر صاحب نے کسی جگہ تصنیف کا سال صراحۃً نہیں بتایا ہے البتہ آندرام مخلص، متوفی ۱۱۶۴ھ (۱۷۵۱ع) کے حال میں لکھتے ہیں کہ « قریب یکسالست کہ درگذشت » (ص ۸) اس سے ڈاکٹر اسپرنگر (۱) یہ قیاس کرتا ہے کہ اس کا سنۂ تالیف ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۲ع) ہے مولوی عبدالحق صاحب نے بھی اسے تسلیم فرمایا ہے، اور یہ لکھا ہے کہ چونکہ گردیزی نے اپنا تذکرہ میر صاحب ہی کے جواب میں لکھا ہے، اس لیے اس سنہ کی صحت کی پوری تصدیق ہوجاتی ہے (۲)

کتاب کے مطالعے سے اس کے آغاز و انجام پر حسب ذیل روشنی پڑتی ہے :

۱ - جعفرعلی خان زکی کے ذکر میں میر نے لکھا ہے :

« بادشاہ محمدشاہ، بر او فرمایش مثنوی حقہ کردہ بود دو سہ شعر موزون کرد دیگر سرانجام ارو نیافت اکنون شیخ محمد حاتم، کہ بوسہ آمد، باتمام رسانید و آں وی حالی از مرہ نیست » (ص ۱۳۶)

حاتم نے « دیوان زادہ » میں اس مثنوی کے عنوان پر لکھا ہے کہ « حسب الحکم محمد شاہ بادشاہ، معرفت جعفرعلی خان صادق »

---

(۱) فہرست کتابخانہای شاہ اودھ ص ۱۷۵
(۲) مقدمہ نکات، طبع ثانی، صفحہ ح

ہیں اس خط کے لکھے ہوئے اشعار اور الفاظ کتاب کے
دوسرے حاشیوں پر بھی جا بجا نظر آتے ہیں، جس سے میں یہ قیاس
کرتا ہوں کہ یہ کتاب کے مصحح کا خط ہے میر کا حال
وغیرہ پہلے کاتب نے نہیں لکھا تھا مصحح نے نئے ورق داخل کرکے، وہ
مصرع جو سابق الذکر شاعر کا آئندہ صفحے پر تھا، اور اوسکی ترک چھوڑ کر
میر کے حال کے شروع میں لکھدی ہے، اور اسطرح آخری صفحے
پر جگہ نہ رہنے کے باعث کچھہ میر کے شعر حاشیے پر بھی لکھے ہیں
اس کتاب کے دو نسخے کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں محفوظ
ہیں جس نسخے کا حواشی میں حوالہ دیا گیا ہے، وہ خاتمے کے
بیان کے مطابق ۱۱۷۸ھ (۱۷۶۴ع) میں میر تقی کے مربی، مہاراجہ
عمدہ الملک بہادر، کے لیے جسپت رائے کھتری نے گوشہ میں نقل
کیا تھا یہ $\frac{۱۸ \times ۲۲}{۴}$ سائز کے ۵۲۱ اوراق پر مشتمل ہے، اور ابھی
تک طبع نہیں ہوا ہے

۲- گلشن گفتار، مطبوعہ

یہ خواجہ خان حمید اورنگ آبادی کی تصنیف اور فارسی زبان
میں اردو کے ۳۰ شاعروں کے حالات پر چھوٹی سی کتاب ہے،
جسے بجا طور پر اردو کا سب سے پہلا تذکرہ کہا جاسکتا ہے،
کیونکہ دیباچے میں مصنف نے «گلشن بزم گفتار ہے» اسکا
مادۂ تاریخ لکھا ہے، جس سے ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۲ع) برآمد ہوتے ہیں
یہ تذکرہ سید محمد صاحب، ایم-اے، نے، حیدرآباد سے ۳ بہمن
۱۳۳۹ ف کو ایک مفید دیباچے اور حواشی کے ساتھہ چھوٹے سائز
کے ۶۸ صفحوں پر چھاپ کر شائع کردیا ہے

تو اوس کا سال اتمال ۱۱۶۲ھ قرار پائے گا، اور اس صورت میں میر صاحب نے اوس کا حال ۱۱۶۲ھ سے قبل یا اسی سال، اتمال سے پہلے، لکھا ہوگا

بعض مقامات پر میر صاحب نے خان آرزو کے تذکرے کا حوالہ دیا ہے آرزو کا یہ تذکرہ ۶۴ -- ۱۱۵۷ھ (۱۰ -- ۱۷۴۴ع) میں تمام ہوا تھا اسی طرح دکنی شاعروں کے حال میں سید عبدالولی عزلت سورتی کے حوالے نظر آتے ہیں خود ان کے ذکر میں میر صاحب نے لکھا ہے کہ یہ تازہ وارد ہندوستان ہیں آزاد بلگرامی نے سرو آزاد (ص ۲۳۶) میں اور عاشقی نے نشتر عشق (۴۵۶ الف) میں تحریر کیا ہے کہ ان کا دھلی میں ورود ۲ جمادی الاولی سنہ ۱۱۶۴ھ (۷ اپریل ۱۷۵۱ع) کو ہوا تھا

ان دونوں باتوں کو پیش نظر رکھکر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ میر صاحب نے اس سنہ و ماہ کے بعد تذکرہ مکمل کیا

مخلص، متوفی ۱۱۶۴ھ، کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کو مرے ایک سال کے قریب ہوا مخلص کی وفات کا مہینہ ہمیں معلوم نہیں ہے البتہ یہ ہمارے علم میں ہے کہ احمد شاہ، بادشاہ دھلی، کے جلوس کا چوتھا سال تھا احمد شاہ ربیع الثانی سنہ ۱۱۶۱ھ میں تخت نشین ہوا تھا لہذا اس کا چوتھا سنۂ جلوس، ربیع الثانی ۱۱۶۴ھ سے شروع ہوکر ربیع الثانی ۱۱۶۵ھ پر ختم ہونا چاہیے اس لیے ہم یقین کے ساتھ کہ سکتے ہیں کہ ربیع الثانی ۱۱۶۵ھ کے لگ بھگ نکات الشعرا لکھا جا رہا تھا اور

یہ مثنوی نظم کی گئی ہے (۱۸۹ الف) اگر لفظ «اکنون» خود میر صاحب ہی کا لکھا ہوا ہے، اور کاتبوں نے اپنی طرف سے اس کا اضافہ یا کسی دوسرے لفظ کی جگہ اس کی نسبت کا ارتکاب نہیں کیا ہے، تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ نکات الشعرا کی یہ عبارت محمد شاہ، متوفی ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ع)، کی زندگی میں یا اوس کے انتقال سے کچھ بعد لکھی گئی تھی چونکہ حاتم کے منتخب کلام میں میر صاحب نے صرف ایک شعر (۱) اوس غزل کا دیا ہے، جو ۱۱۶۱ھ کے کسی مشاعرے کی طرح میں لکھی گئی تھی، اس بنا پر قرین قیاس یہ ہے کہ زکی اور حاتم کا حال اسی سنہ میں تحریر کیا ہے اگر میر صاحب نے حاتم کا حال زیادہ بعد زمانے میں لکھا ہوتا، تو اوس کی بعد کی کہی ہوئی غزلوں کے شعر بھی چنے، جو دلی کے مشاعروں میں برابر پڑھی جاتی رہی تھیں

۲ ـ دلاور خان بیرنگ کو میر صاحب نے زندہ بتایا ہے (ص ۱۵۱) گردیزی نے لکھا ہے کہ «سالی چند ازین پیش، مراحل راہ مرگ پیمود»

اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ گردیزی نے بیرنگ کا حال آخر ۱۱۶۵ھ میں لکھا ہے، اور «چند» سے صرف ۳ سال مراد ہیں،

---

(۱) وہ شعر یہ ہے،

دلوں کی راہ خطرناک ہو گئی ہے اتنا،
کہ چند روز سے موقوف ہے پیام و سلام

یہ شعر دیوان زادے کے قلمی نسخہ کتابخانہ رامپور میں ورق ۱۷ ب پر موجود ہے

(۱۳ نومبر ۱۷۵۲ع) کو ختم ہوا تھا

اس تذکرے کی بعض عبارتوں سے اس کے آغاز، اور ختم تالیف کے بعد کے اضافوں پر حسب ذیل روشنی پڑتی ہے

میر ناصر سامان، ولی اللہ اشتیاق سرہندی، اور اسد یار خان انسان کو لکھا ہے کہ اب کے انتقال کو چند سال ہوئے

شعر عشق (۳۱۷ الف) میں سامان کا سال وفات ۱۱۴۷ھ (۱۷۳۴ع) اور اشتیاق کا (۸۷ ب) ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ع) اور تاریخ محمدی (۵۹۶ الف) میں انسان کا سنۂ وفات ربیع الاول ۱۱۵۸ھ (۱۷۴۵ع) مندرج ہے

«چند» کا لفظ ۳ سے ۹ تک کے اعداد پر بولا جاسکتا ہے اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ گردیزی نے ہر جگہ «چند» سے تین سال مراد لیے ہیں، تو ان مرحومین کے سالہای وفات کے پیش نظر، ان کا خیال ۱۱۵۰ھ، ۱۱۵۳ھ اور ۱۱۶۱ھ میں لکھا جانا چاہیے اور اگر یہ کہا جائے کہ گردیزی کی مراد ہر جگہ نو ہے، تو پھر ان کا خیال علی الترتیب ۱۱۵۶ھ، ۱۱۵۹ھ اور ۱۱۶۷ھ میں لکھا گیا ہوگا اور اگر سنہ ۱۱۶۵ھ سے حساب کیا جائے، تو پھر علی الترتیب «چند» کا اطلاق ۱۸، ۱۲ اور ۷ برس پر ہوگا ان میں سے آخری استعمال تو صحیح رہتا ہے، مگر دو پہلے قطعاً درست نہیں، یہ حساب کی روسے اور یہ ہمارے روز مرہ کے اعتبار سے اس بنا پر میرا خیال یہ ہے کہ گردیزی نے «چند» سے نو سال مراد لیے ہیں،

یہ) میر انسان خاں کا تخلص انسان تھا اگر تخلص کے لحاظ سے اس کا ذکر کیا جاتا، تو حرف الف میں جانا چاہیے تھا، اور اگر نام کے اعتبار سے ذکر ہوتا، تو حرف ی میں جانا حرف یا میں کسی طرح مذکور نہ ہونا چاہئے تھا اور کے والی سمجھے میں اور وصل الکلمات میں یہ سب شعر نا کار ہی کے نام سے لکھے ہیں

چونکہ حسب بیان ذکر میر (ص ۲۷ و ۷۳) میر صاحب نے، شعبان ۱۱۶۵ھ (جون ۱۷۵۲ع) میں، نواب بہادر کے مقتول ہوجانے کے بعد، اسے سو دلیے ماہوں، جناب آرزو، کی ہمسائگی چھوڑی ہے، اس لیے بعید نہیں کہ اس تاریخ سے قبل ہی تذکرہ ختم کرچکے ہوں، ورنہ تذکرے میں، اونھیں « استاد و پیر و مرشد بندہ » کے لفظوں سے یاد نہ کرتے

بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ میر صاحب نے تقریباً ۱۱۶۱ھ میں یا اس کے کچھ بعد اپنا تذکرہ لکھنا شروع کیا تھا اوس وقت تك اس موضوع پر کسی کتاب کا لکھا جانا میر صاحب کے علم میں نہ تھا سنہ ۱۱۶۳ھ میں وہ اس کام میں مشغول تھے مخلص کی وفات کے ایك برس بعد تك بھی یہ کام ختم نہیں ہوا تھا، اور آرزو کے متعلق اونھوں نے جو عمدہ تعریفی کلمات استعمال کیے ہیں وہ شعبان ۱۱۶۵ھ کے قبل کے لکھے ہوے ہیں، جب کہ وہ آرزو کے یہاں یا اون کے پڑوس میں رہا کرتے تھے

۲ تذکرۂ ریختہ گویان (گردیزی)، قلمی

یہ سید فتح علی خان گردیزی دھلوی، متوفی ۵ شعبان ۱۲۲۴ھ (۱۶ ستمبر ۱۸۰۹ع)، کا مرتب کیا ہوا، ۹۷ اردو گو شاعروں کا تذکرہ ہے (۱)، جو خاتمے کی تصریح کے مطابق ۵ محرم ۱۱۶۶ھ

---

(۱) مولوی عبدالحق صاحب نے نسخہ طبوعہ کے دیباچے میں ۹۸ شاعر بتائے ہیں لیکن در اصل نا کبار کے ذکر میں مصنف نے لکھا تھا، کہ « اس شعر جوش گا قزلباش خان مرحوم است » اور اس کے بعد نا کبار کا و شعر لکھا تھا اس کو مولوی صاحب نے قزلباش خان کا ذکر خیال کرکے عنوان قرار دے لیا، اور اس طرح ۹۸ شاعر شمار کرلیے اولاً تو اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ نا کبار کا شعر قزلباش خان کو پسند تھا ثانیاً گردیزی کا تذکرہ حروف تہجی پر مرتب ہے ثانی

اون کی رہائی سال انداس کا ذکر نہ سیا ہو، تا تصوریت ذرائع،
اون کی عمر کا صحیح اندازہ لگتا ہو مرزا صاحب کا سال ولادت
۱۱۱ھ (۱۶۹۸ع) سے ۱۱۱۳ھ (۱۷۰۱ع) تک بتایا جاتا ہے اگر
علی الاقل ۱۱۱ھ ہی کو اختیار کرلیا جائے تو اون کا حال ۱۱۷ھ
(۱۷۰۶ع) میں لکھا جانا چاہیے

آخر میں یہ سوال باقی رہتا ہے کہ کیا ۱۱۵۶ھ میں گردیزی کی
اتنی عمر تھی کہ وہ کوئی تذکرہ مرتب کرنے کا اہل ہوتا اس کے متعلق
یہ عرض ہے کہ سمر عشق (۱۷۹ الف) میں لکھا ہے کہ اوس نے
۹۵ برس کی عمر پاکر ۵ شعبان ۱۲۲۴ھ (۱۶ ستمبر ۱۸۰۹ع) کو رحلت
کی ہے، اور «اصحاب سلف» مادۂ تاریخ وفات ہے اگر یہ بات
صحیح ہے، تو ۱۱۵۶ھ میں اوس کی عمر ۲۷ برس کی ہوگی یہ عمر
اس قسم کا کام انجام دینے کے لیے بالکل موزوں ہے خود
میر صاحب کی عمر تذکرہ ختم کرتے وقت ۳ برس کی تھی (۱)

اس تذکرے کا ایک قلمی نسخہ، جس میں دیباچہ اور ایک دو
تراجم ساقط ہیں غالباً سید محسن علی، مصنف سراپا سخن، کا
لکھا ہوا، کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں موجود ہے انجمن ترقیٔ
اردو نے اسے بھی چھاپ کر شائع کردیا ہے

۵ ـ وصل الکلمات (وصل) قلمی

یہ شاہ محمد حمزہ مارہروی، متوفی ۱۱۹۸ھ (۱۷۸۴ع)، کا کشکول
ہے، جس میں مذہبی، تصوفی، تاریخی اور ادبی معلومات کا
عظیم الشان ذخیرہ جمع کیا گیا ہے کتاب ۲ جلدوں میں منقسم
ہے، اور ہر مبحث «کلمۃ اللہ» یا صرف «کلمہ» سے شروع

(۱) ملاحظہ ہو مقدمہ کتاب ہذا، مرتبہ آسی لکھنوی و طبع نولکشور برس لکھنؤ

اور اس کا آغاز ۱۱۵۶ھ کے قریب کیا ہے

۵ محرم ۱۱۶۶ھ کو تذکرہ ختم کر کے، بعد میں بھی گردیزی نے کچھ اس میں بڑھائی ہیں چنانچہ دلاور خاں بیرنگ کو لکھا ہے کہ چند سال ہوئے کہ اس کا انتقال ہو گیا یہ شخص نکات الشعرا کی ترتیب کے وقت زندہ تھا اگر یہ تسلیم کیا جائے، کہ ختم نکات تک زندہ تھا، تو پھر اس کا یہ مطلب ہوگا کہ گردیزی نے اس کا حال کم از کم ۱۱۶۸ھ میں لکھا ہے

عمدہ الملک امیر خاں انجام کو لکھا ہے کہ آج سے چھ سال قبل رحمت ایزدی سے جاملے انہوں نے ۲۳ ذیحجہ سنہ ۱۱۵۹ھ (۲۷ دسمبر ۱۷۴۶ع) کو شہادت پائی ہے ظاہر ہے کہ ۵ محرم ۱۱۶۶ھ کو انہیں شہادت پائے، ۵ برس ۱۱ دن ہوئے تھے اس صورت میں کسی طرح انہیں «شش سال پیش ازیں» نہیں کہا جا سکتا لہذا یہ عبارت ۱۱۶۶ھ کے آخر یا ۱۱۶۷ھ کے آغاز میں لکھی جانی چاہیے

مرزا جانجاناں مظہر کے حال میں لکھا ہے:

«از تو حساب الی تو یا هذا، که عمر شریفش به شصت
خطوه رسیده است، از الله مستی توکل و ابروا اسیر برد»

اس عبارت میں «خطوۂ شصت» قابل غور ہے اس فقرے کے لغوی معنی ہیں، «ساٹھواں قدم» چونکہ گردیزی عام طور پر عمر نہیں لکھتا، اس لیے یقیناً اوس نے سوچ سمجھ کر مرزا مظہر صاحب کی عمر کا اندازہ لکھا ہوگا مرزا صاحب دہلی میں مقیم تھے، اور خود گردیزی بھی وہیں رہتا تھا، اور اون کا ہم مشرب اور مداح تھا پس کوئی وجہ نہیں کہ اس نے خود

سعرای ریحتہ کہ ابی صنف نگردید ، و سا اس رماں ھیج اسای ار
ماحرای سوی افرای سحوراں اس فں سطاری ناام برساند سار
اس فقیر مولف محمد قام الدین، قائم، بعد کرسس سام و سعی عام
دواوین اس اعر فراهم آورده، ناره ابیات ار هرکدام بر سبیل
یادگار در ذیل اس بیاض، کہ بمحزن نکات موسوم اسب بقید قلم
در آورد »

ظاہر حال مصنف کے اس بیان کو کسی طرح تسلیم نہیں کیا جاسکتا
ھے کہ ایک ریختہ گو شاعروں کے متعلق ایک سطر بھی کسی نے نہیں لکھی
ھے، کیوں کہ ۱۱۶۵ھ کے آخر تک خاکسار کا « معشوق چہل سالۂ خود »، میر
کا « نکات الشعرا » اور گردیزی کا « تذکرۂ ریختہ گویاں » مرتب ہوچکے
تھے اور یہ نہ باور کیا جاسکتا ھے کہ اُسے ان تذکروں کا علم نہیں ہوا،
کیوں کہ وہ اوس زمانے میں دھلی کے اندر موجود تھا مگر تذکرے کے
مختلف بیانوں پر غور کرنے سے عیاں ہوجاتا ھے کہ قائم کا یہ دعوی صحیح ھے
یعنیٔ جب وہ اپنا تذکرہ لکھ رہا تھا، تو اوس وقت تک مذکورۂ بالا تذکرے
شائع نہیں ہوئے پائے تھے اس دعوی کے وجوہ حسب ذیل ہیں :

(۱) قائم نے شاہ ولی اللہ اشتیاق کے متعلق لکھا ھے کہ « مدت ہفت
سال شد کہ بدار البقا انتقال نمود » (ص ۱۸)

اشتیاق نے، بشدر عشق (۸۷ ب) اور صبح گلشن (ص ۲۵) کی روایت
کے مطابق ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ع) میں رحلت کی ھے لہذا قائم نے ان کا حال
یقیناً ۱۱۵۷ھ (۱۷۴۴ع) میں لکھا ھے

(۲) اس شبہ کی تائید اس واقعے سے بھی ہوتی ھے کہ میر نے ظاہر
۱۱۶۲ھ میں اور گردیزی نے ۵ محرم ۱۱۶۶ھ سے قبل، دلاور خاں کا ذکر
بیرنگ تخلص کے ماتحت کیا ھے گردیزی نے اور کچھ نہیں لکھا، مگر میر
نے یہ صراحت کردی ھے کہ یہ پہلے ہمرنگ تخلص کرتے تھے، فی الحال

ہوتا ہے اس کی ایک جلد کتبخانۂ عالیۂ رامپور میں اور دوسری جلد خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ، میں موجود ہے

رامپور کے نسخے کے آخر میں « تم وصل الکلام » لکھا ہے، جس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ وصل الکلام اس کا نام ہے مگر موجودہ سجادہ نشین خانقاہ مذکورہ نے اپنی ایک گرامی تحریر میں بتایا ہے کہ اس کتاب کا نام « وصل الکلمات » ہے یہی نام اون کے تذکرے میں برمرۂ تصنیفات میں نے بھی دیکھا ہے

شاہ صاحب نے اس کشکول میں شعرای فارسی و اردو کے حالات بھی لکھے ہیں کتاب کے ورق ۳۱۶ ب سے ۳۲۷ ب تک گیارہ ورق، اردو کے شاعروں کے حالات پر مشتمل ہیں شاہ صاحب نے صرف دو چار جگہ میر کے نکات الشعرا سے اور دو چار جگہ اپنی معلومات سے کچھہ لکھا ہے، بقیہ حالات گردیزی کے تذکرے سے خود اوسی کے لفظوں میں نقل کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ورق ۳۴۸ ب پر شعبان ۱۱۹۷ھ (جولائی ۱۷۸۳ع) کا ذکر، سال حال کے لفظوں میں پڑھنے کے باوجود، میں نے اس کو « تذکرۂ گردیزی» کے بعد جگہ دی ہے

۶ ـ مخزن نکات (مخزن) مطبوعہ

یہ قیام الدین محمد قائم، قائم تخلص، چاندپوری المولد، رامپوری المدفن، متوفی ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۳ع) کا مرتب کردہ شعرای اردو کا تذکرہ ہے، جس میں ۱۱۸ شاعروں کے حالات ۳ طبقوں میں تقسیم کرکے لکھے گئے ہیں

خواجہ اکرم نے اس کی تاریخ «مخزن نکات» سے نکالی ہے، جس سے ۱۱۶۸ھ (۱۷۵۴ع) برآمد ہوتے ہیں (ص ٦٦) لیکن کتاب کے دیباچے میں مصنف لکھتا ہے :

« مخفی و محتجب نماند کہ الی الآن در ذکر و بیان اسمار و احوال

مرادآباد رفته بود. چون در آنجا با فوج علی محمد روهیله برای جنگ
عیان آمد، همانجا مع خان مذکور بحراب عام کشته شد» (ص ۲۶)

واقعہ یہ ہے کہ نواب سید علی محمد خان بہادر کے ۳ شوال ۱۱۶۲ھ (ستمبر ۱۷۴۹ع) کو فوت ہوجانے کے بعد، صفدر جنگ نے روهیلوں کی قوت توڑنے کے لیے، قطب الدین خان کو روهیل کھنڈ کی ریاست کا پروانہ بادشاہ سے دلاکر مرادآباد روانہ کیا تھا. اون کے ساتھ صرف چند سو آدمی تھے. روهیلوں نے مقابلہ کر کے اونھیں فوج کے ساتھ قتل کر دیا. اس واقعے کی صحیح تاریخ نہیں ملی، لیکن مختلف کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ذیحجہ ۱۱۶۲ھ (نومبر ۱۷۴۹ع) میں والیء فرخ آباد کی روهیل کھنڈ پر فوج کشی سے قبل یہ معرکہ پیش آیا تھا.

میر نے «نکات الشعرا» میں اور گردیزی نے اپنے «تذکرۂ ریختہ گویان» میں بھی حشمت کے متعلق یہی لکھا ہے کہ وہ قطب الدین خان کے همراه روهیلوں کی جنگ میں مارا گیا. مگر اونھوں نے زمانے کا تعین نہیں کیا. قائم اس کے برخلاف یہ کہتا ہے کہ دوسال ہوئے جو حشمت، قطب الدین خان کے همراه مرادآباد جاکر، جنگ میں کھیت رہا. جس کے یہ معنی ہیں کہ آخر ۱۱۶۴ھ (۱۷۵۱ع) یا آغاز ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۱ع) میں اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر اوس نے یہ حال لکھا ہے.

بعض بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قائم نے ۱۱۶۸ھ کے بعد بھی جابجا اضافے کیے ہیں، جو ۱۱۶۹ھ (۱۷۵۵ع) سے ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ع) تک کے زمانے کو ظاہر کرتے ہیں.

(۱) آرزو کے ذکر میں خان آرزو کو دعا دی ہے کہ «خدا سلامتش دارد» (ص ۱۴)، اور بعد ازاں میر کے حال میں اون کا ذکر بصیغۂ ماضی کیا ہے، اور لکھا ہے کہ «در خدمت خان آرزو، کہ خالوی او بود، لختی دانش

اس کو ترک کر کے ہمرنگ اختیار کیا ہے چونکہ اس دیوان کے اندر میر نے لفظ «حالا» استعمال کیا ہے، اس لیے ہم ایسے دوران تالیف کا واقعہ ماننے پر مجبور ہیں

قائم نے اس شخص کا تذکرہ ایسے الفاظ میں کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہنوز «ہمرنگ» تخلص کرتا ہے اس سے میں قیاس کرتا ہوں کہ اوس نے دلاور خان کا حال تبدیل تخلص سے قبل لکھا تھا اگر یہ قیاس درست ہے، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم ایسے میر کے تذکرے سے قبل کا نہ مانیں، اور کچھ بعد نہیں کہ یہ ۱۱۰۷ھ کے قریب ہی شروع کیا گیا ہو

(۲) رسوا تخلص تومسلم کا ذکر میر (ص ۱۲۱) اور گردیزی (ص ۶۴) نے باصطلاح اموات کیا ہے گلزار ابراہیم (ص ۱۳۶) میں لکھا ہے کہ محمد شاہ کے عہد میں فوت ہوا خمخانہ (ج ۳ ص ۳ م) کے مصنف فرماتے ہیں کہ اکبر شاہ ثانی (۱۸۰۶ -- ۳۷ع) کے عہد میں تھا یہ رائے تو یکسر غلط ہے، کیونکہ میر اور گردیزی برسوں قبل اس کو مردہ لکھ چکے ہیں البتہ گلزار کی روایت قابل غور ہے

قائم نے اس شخص کے متعلق لکھا ہے کہ «مدت چند ما ہست کہ بہمین احوال از جہان رفت» (ص ۶۳) اگر گلزار کی روایت صحیح ہے، تو پھر اس کا یہ مطلب ہوگا کہ رسوا نے ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ع) کے قبل انتقال کیا تھا قائم نے اس کا تذکرہ مرنے کے چند ماہ بعد کیا ہے اس سے ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ کم از کم ۲۹ ربیع الآخر ۱۱۶۱ھ (مارچ ۱۷۴۸ع) میں محمد شاہ کے انتقال سے قبل قائم نے یہ حال لکھا ہے

(۳) قائم نے محمد علی حشمت کے متعلق لکھا ہے کہ

«ثانی بر بس دو سال، برفاقت قطب الدین علی خان   حشمت تخلص

۱۱۷۲ھ (۳۱ مارچ ۱۷۵۹ع) سے قبل انجام کو پہنچ چکا تھا قائم نے ان کے والد کے متعلق لکھا ہے کہ

«والد سر بمن خواجه محمد ناصر، که یکی از اولیای روزگار و مشایخ کبار است، به سبب مریدی و فروتنیء وی افتخارها دارد»

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی تک میر درد کے والد بقید حیات تھے، لہٰذا قائم نے میر درد کا حال رجب ۱۱۷۲ھ میں لکھا ہوگا اور چونکہ نالۂ درد (ص۲) میں درد نے لکھا ہے کہ صحیفۂ واردات کے تمام کرتے وقت میری عمر ۳۹ سال کی تھی، اس لیے ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ قائم نے ان کا حال ۳۹ سال کی عمر میں ۱۱۷۲ھ میں لکھا ہے

(۴) نول رائے وفا کے ذکر میں لکھا ہے کہ

« میں برادرش زاده ، کالارای دیوان مدار المهام امیر الامرا نواب نجیب الدوله بهادر است » (ص ۲۷)

نجیب الدولہ کو منصب امیر الامرائی، خزانۂ عامرہ (ص ۵۳) کے مطابق ۱۱۷۰ھ (۵۷ ۱۷۵۶ع) میں احمد شاہ ابدالی نے عطا کیا تھا اس کی مراجعت کے بعد عماد الملک نے انھیں برطرف کرکے خود یہ منصب سنبھالا بعد ازاں پانی پت کی مشہور جنگ (جمادی الآخرہ ۱۱۷۴ھ مطابق جنوری ۱۷۶۱ع) کے بعد، احمد شاہ ابدالی نے پھر انھیں کو یہ عہدہ عطا کیا صاحب حدیقۃ الاقالیم نے ۱۱۷۰ھ میں نجیب خاں کو نجیب الدولہ خطاب ملنے اور ۱۱۷۴ھ (۶۱ ۱۷۶۰ع) میں «مدار المہام امیر الامرا» کا خطاب و منصب عطا ہونے کی تصریح کی ہے (ص ۱۳۷)

ان کی امیر الامرائی کا ابتدائی زمانہ کم ہے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس مختصر سے عرصے میں انھوں نے دیوان وغیرہ بھی مقرر کر لیے ہوں، اور قائم انھیں وفا کے ذکر میں امیر الامرا لکھ بھی دے اغلب یہ ہے کہ

الدوحہ » (ص ۱۴)

خان آرزو کا انتقال ۲۳ ربیع الثانی سنہ ۱۱۶۹ھ (۲۶ جنوری ۱۷۵۶ع) کو ہوا ہے لہذا یقینی امر ہے کہ میر کا حال یا اوس کا یہ حصہ اس ماہ و سال کے بعد لکھا گیا ہے

(۲) محتشم علی خان حشمت مخلص کو کہا ہے کہ « قبل از بیست هفت سال بمرگ دفعه از جهان رفت » (ص ۲۷) خان آرزو فرماتے ہیں کہ ان کا انتقال نجم الدولہ کے مرنے سے دو تین برس پہلے ۱۱۶۳ھ (۱۷۴۹-۵۰ع) میں ہو گیا تھا (مجمع النفائس: ۱۳۵ الف) دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی یہی سال وفات لکھا ہے اس صورت میں قیاس کا یہ ٹکڑا ۱۱۷۰ھ (۱۷۵۶-۵۷ع) کے لگ بھگ لکھا جاتا ہے

(۳) خواجہ میر درد کے حال میں اون کی تصنیفات کے منجملہ «صحیفۂ واردات » کا نام بھی لکھا ہے یہ کتاب خود خواجہ صاحب کے بیان کے مطابق ۱۱۷۲ھ (۱۷۵۹ع) میں لکھی گئی ہے خواجہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

> « و بیشتر از این رسالہ، یعنی اکثر واردات در حضور اقدس جناب ابرالمحمدین حضرت قبلہ گاہی دام برکاتہ در سنہ یکہزار و یک صد و هفتاد و دو هجری تحریر یافته بود و در همین سال تاریخ دوم ماہ مبارک شعبان المعظم روز سه شنبه بین العصر و المغرب رحلت آنجناب شده است» (علم الکتاب ص ۹۱)

شمع محفل (ص ۳۲) کے آخر میں فرماتے ہیں:

> « خاتمه از ابتدای ورود صحیفه واردات بحضور پرنور در سال رحال آن زبده الواصلین خواجه محمد ناصر اعنی یکہزار و یکصد و هفتاد و دو شده بود »

ان اقتباسوں سے معلوم ہوتا ہے کہ واردات کا زیادہ حصہ ۲ شعبان

اس کے بعد عماد الملک نے ربیع الآخر ۱۱۷۳ھ (نومبر ۱۷۵۹ع) میں عالمگیر ثانی کو قتل کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی کی آمد آمد سن کر، سورج مل جاٹ کے پاس پناہ لی (۱)، اور ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ع) تک، جو خزانۂ عامرہ کا سال تالیف ہے، وہیں مقیم رہے (۲) تاریخ فرخ آباد سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً اسی سال فرخ آباد میں بھی تشریف فرما ہوئے نواب احمد خاں نے بڑی خاطر مدارات کی اور گزر اوقات کے لیے سیر حاصل جاگیر مقرر کر دی (۳) مولوی ولی اللہ لکھتے ہیں کہ شاہ عالم بادشاہ کے الہ آباد سے دہلی واپس جانے تک فرخ آباد ہی میں قیام رہا جب یہ خبر ملی کہ بادشاہ اس نواح سے گزریں گے تو اس خوف سے کہ کہیں بادشاہ اپنے باپ کے قتل کا انتقام نہ لے لیں وہاں سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے، اور پنجاب وسندھ وغیرہ ہوتے ہوئے مکہ معظمہ چلے گئے حج سے واپسی کے بعد کالپی میں ٹھہرے، اور وہیں ۱۲۱۵ھ (۱۸ ع) میں انتقال کیا (۴) انھیں مولوی ولی اللہ نے بادشاہ کی الہ آباد سے روانگی کا سنہ ۱۱۸۴ھ (۱۷۷ ع) بتایا ہے (۵) جس کا یہ مطلب ہے کہ عماد الملک کا فرخ آباد میں قیام ۱۱۷۶ھ سے ۱۱۸۴ھ تک رہا تھا

ظاہر یہ ناممکن ہے کہ سودا عماد الملک کے ساتھ ۱۱۷ ھ میں فرخ آباد گئے ہوں، کیونکہ انھیں تذکرہ نویسوں نے شاہ عالم بادشاہ کا استاد بتایا ہے، جو ۱۱۷۳ھ (۶ ۱۷۵۹ع) میں تخت نشین ہوئے تھے اگر یہ ۱۱۷ھ (۵۷ ۱۷۵۶ع) میں فرخ آباد چلے گئے ہوتے، تو یہ استادی شاگردی کا رشتہ بعید الوقوع تھا شیر عشق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دہلی سے

(۱) مقالات الشعرا (۱ ب) میں، جو ۱۱۷۳ھ کی تالیف ہے، ان کا ابدالی کے ڈر سے بھاگ کر سورج مل کے پاس پہنچنا اور وہیں قیام بتایا ہے چونکہ اس رسالے میں مصنف مقالات وہاں موجود ہے، اس لیے اوس کی شہادت پر اعتماد کیا جا سکتا ہے
(۲) خزانہ عامرہ ۵۴ (۳) تاریخ فرخ آباد اردو ۲۹۲ (۴) تاریخ فرخ آباد ۱۲۷ ب
(۵) ایضاً ۱۲۱ ب

۱۱۷۴ھ کے بعد اوس نے وفات کا حال لکھا ہے، جب کہ نجیب الدولہ اطمینان کے ساتھ اس عہدے پر کام کر رہے تھے، اور «مدار المہام امیر الامرا» دونوں لفظوں کے مستحق ہو چکے تھے

(ہ) مہربان خان رند کے حال میں (ص ۵۵) لکھا ہے کہ

«دریں ایام میرزا محمد رفیع سودا، سلمہ اللہ تعالی، رفاقت وزیر الممالک نواب غازی الدین خان بہادر در بلدہ فرخ آباد رسیدند خان موصوف از نواب وزیر درخواستہ برای موصوف زار رفاقت خود گرفت»

ظاہر ہے کہ یہ ٹکڑا سودا کے فرخ آباد جانے کے بعد لکھا گیا ہے چونکہ اس میں قائم نے سودا کا فرخ آباد جانا، نواب غازی الدین خان کے ہمراہ بتایا ہے، اس لیے یہ دیکھنا چاہیے کہ نواب کس زمانے میں فرخ آباد گئے مولوی ولی اللہ، تاریخ فرخ آباد (۶۷ الف) میں لکھتے ہیں کہ غازی الدین خان (۱) ۱۱۷۰ھ (۵۷-۱۷۵٦ع) میں میرزا ہدایت بخش اور میرزا بابر کے ساتھ فرخ آباد آئے نواب احمد خان نے بڑی شان و شکوہ کے ساتھ استقبال کیا، اور بہت کچھ نذر گزرانا آزاد بلگرامی نے بھی خزانۂ عامرہ (ص ۵۳) میں یہی واقعہ لکھا ہے مگر اس کے بعد یہ بھی فرماتے ہیں کہ فرخ آباد سے اودھ پر چڑھائی کی، اور نواب سعداللہ خان کے بیچ میں پڑ کر صلح کرا دینے کے بعد، نواب ۱۱۷۰ھ کو فرخ آباد واپس ہوئے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نواب سنۂ مذکورہ سے قبل ان کا فرخ آباد میں ورود ہوا تھا بعد ازاں اس تاریخ کو صوبۂ اودھ سے لوٹ کر آئے

(۱) شیخ چاند مرحوم نے «سودا» (ص ۵) میں لکھا ہے کہ عماد الملک شاہ درانی کے مشورے سے ۱۱٦۷ھ میں شاہزادوں کے ہمراہ دو آبے میں روپیہ وصول کرنے آئے لیکن یہ صحیح نہیں ہے تمام تاریخیں متفق ہیں کہ یہ واقعہ درانی کے ۱۱۷۰ھ کے حملے کے بعد کا ہے

ان مقامات کے ماسوا عاصمی اور درد وغیرہ کے حالات دوسری تاریخوں تک رہنمائی کر سکے ہیں اگر ہمارے پاس دوسرے ذرائع سے معلومات مہیا ہو جائیں

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قائم نے پہلے اپنا تذکرہ خاص کی صورت میں مرتب کیا تھا اس خاص کے آغاز کے بارے میں سب سے پہلی تاریخ ۱۱۵۷ھ (۱۷۴۴ء) ملتی ہے اوس وقت تک اردو کو شاعروں کا کوئی تذکرہ مرتب ہوا تھا ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۴-۵۳ء) میں احمدشاہ کے نزول ہو جانے اور عالمگیر ثانی کے تخت نشین ہونے کے بعد اس خاص نے تذکرے کی شکل اختیار کرلی، اور مصنف نے اسکا تاریخی نام ، مخزن نکات ، رکھا، جس سے ۱۱۶۸ھ برآمد ہوتے ہیں اس تاریخ کے بعد بھی اوس نے جابجا اضافے کیے، جس کا سلسلہ ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ء) تک جاری رہا کتاب کا دیباچہ، نجر نام کے آغاز مصنف خاص کے وقت کا ہے، اور خاتمہ جس میں مصنف نے اقلاب لطیف کا ذکر کیا ہے، ۱۱۶۸ھ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے

یہ تذکرہ انجمن ترقی اردو کی طرف سے عرصہ ہوا چھپ کر شائع ہو چکا ہے کتبخانے میں اسکے پہلے دو طبقوں کا اردو ترجمہ قلمی شکل میں موجود ہے میرا خیال یہ ہے کہ محسن علی محسن مصنف سراپا سخن اس کے مترجم ہیں اس ترجمے میں مترجم نے بھی معمار طور پر کچھ اضافے کیے ہیں

۷- مقالات الشعراء قلمی

یہ ۱۵۹ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے قیام الدین حیرت ولد شیخ امانت الله اکبرآبادی نے، ریاض الشعرای واله،

روانگی، احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں دار السلطنت کی دوسری لوٹ کے بعد واقع ہوئی تھی احمد شاہ کا دہلی میں دوسری بار داخلہ شعبان ۱۱۷۴ھ (مارچ ۱۷۶۱ع) میں ہوا تھا مقالات الشعرا کے مصنف نے بھی اس سال کے حملے کو دوسرا حملہ قرار دیا ہے وہ لکھتا ہے:

«درین ہنگام، کہ بعد تکرار و لشکر کشی و هجوم و هدم و بستن و بسیار آس مکانہ... » (ورق ۲ ب)

لہذا سودا کو ۱۱۷۴ھ کے بعد دہلی کو خیرباد کہنا چاہیے سودا کے دیوان میں نواب عماد الملک کی ہجو کا قطعہ بھی پایا جاتا ہے، جس کے مادۂ تاریخ ہوا ہے وصل دیا و... ۱۱۷۶ھ برآمد ہوتے ہیں حالانکہ عماد الملک ۱۱۷۴ھ میں دہلی سے فرخ آباد گئے ہیں، اس سے اشارہ یہ ہے کہ سودا احمد شاہ کے دوسرے حملے کے بعد عماد الملک کے اس دہلی چھوڑ... اور وہاں سے اون کے ساتھ ہی ۱۱۷۶ھ میں فرخ آباد چلے گئے اس صورت میں قائم نے ان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ ۱۱۷۶ھ کے بعد کا اضافہ ہوگا

سنہ ۱۱۷۶ھ کا یہ اضافہ تنہا نہیں ہے درد کے بارے میں لکھا ہے

«جامعہ معنوی ساقی نامہ مع دیگر ابیات بر صفحہ روزگار ازو یادگار است» (صفحہ ۴۹)

یہ الفاظ اون اشخاص کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں جو اس دنیا سے رحلت کر چکے ہوں مگر درد ۱۱۹۹ھ تک زندہ تھے، گلزار ابراہیم اور گلشن ہند (ص ۱۳) کے مطابق ۱۱۷۶ھ میں انتقال کیا ہے لہذا یہ حصہ بھی سنہ ۱۱۷۶ھ کے بعد لکھا جانا چاہیے

چون رسید بر فت سوی جنان تا رجب تا که ماه شعبان بود
حسرت از سال رحلتش ها تف دادحسرم «ندیم رضوان بود»

اس مادے سے ۱۱۷۳ھ (٦٠-١٧٥٩ع) برآمد ہوتے ہیں، اور شعر اول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رجب تا شعبان سنۂ مذکورہ میں ان کی وفات ہوئی تھی لہذا ان مہینوں تک کار ترتیب کا جاری رہنا ظاہر ہوتا ہے

مقالات الشعرا سے ۱۱۷۴ھ (٦١-١٧٦٠ع) نکلتے ہیں اسپرنگر نے اسی کو سال تالیف قرار دیا ہے مگر مصنف اسے ''نقصان پنج شش ماہ'' سال تالیف کو ظاہر کرنیوالا بتاتا ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ کتاب ۱۱۷۳ھ ہی میں ختم ہو چکی تھی، اور جب اوس نے ''مقالات الشعرا'' نام رکھا ہے، تو اوس وقت ۱۱۷۴ھ کے شروع ہونے میں ۵ یا ٦ مہینے باقی تھے

خواجہ محمد ناصر عندلیب نے ۱۱۷۲ھ (٥٩-١٧٥٨ع) میں وفات پائی ہے حسرت نے انکا ذکر اسپے افطوں میں کیا ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بقید حیات تھے اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ترتیب کا آغاز ۱۱۷۲ھ سے قبل ہوا ہے

اپنے متعلق حسرت نے لکھا ہے کہ میرے والد کا نام شیخ امان اللہ اور اکبرآباد وطن ہے، ۴ سال کی اس وقت عمر ہے، اور دیوان کشن جی، طمسب ٹھاکر سورجمل، والیء بھرتپور، کے بچوں کی اتالیقی کی خدمت پر متعین ہوں، اور بھرتپور میں قیام ہے (۳۹ الف) مرزا محمد جان کو ناموی سے، جنھوں نے عرصے سے اکبرآباد ہی میں سکونت اختیار کرلی تھی، فارسی پڑھی ہے (۲۹ الف) اور محمد نعیم نثار سے، جو بے بدل منشی اور شاعر تھے،

مجمع النفائس آرزو، اور سفینۂ بنسوں رائے بن سنگھوائی کی مدد سے مرتب کیا ہے

دوسرا الذکر کتاب کا مصنف، احمدشاہ ابدالی کے سنہ ۱۱۷۰ھ میں دلی پر حملہ آور ہونے کے بعد نقل وطن کر کے مع اہل و عیال اکبر آباد چلا آیا تھا، اور اس نقل و حمل کے زمانے میں بھی وہ تذکرے کو درست کرتا رہا تھا۔ قریب ایک برس اور چند مہینے اوس کی خدمت میں رہا (۴۵ ب) غالباً اسی زمانے میں ۱۱ سنہ ہالسوں دیکھ کر قریب کو تذکرہ مرتب کرنے کا خیال پیدا ہوا ہوگا مگر وہ دیباچے میں یہ لکھتا ہے کہ جب ہندوستان میں احمدشاہ ابدالی کی پہلی بار پھیلائی ہوئی قتل و غارت کی آگ بجھی، خوش نصیبانہ مجھے مذکورۂ بالا تذکروں کے دیکھنے کا موقع ملا دل میں آیا کہ عہد اورنگ زیب عالمگیر سے زمانۂ عالمگیر ثانی تک جو شاعر گذرے ہیں، اون کے حالات پر مشتمل ایک کتاب ترتیب دوں۔ کچھ دنوں تک یہ تمنا دل میں کھٹکتی رہی

«درین ہنگام که سه تکرار و تکصد و هفتاد و سه هجری و شعلهٔ اگری آتش ہنگامه مسطر رکرب باقی است، نسیم قبول بر غنچه امید ار مہب الطاف مولی ورزید، و نکہت انتظام این گلدستهٔ بهار نشام مشام آرزو را معطر گردانید ترتیب این رساله به حروف تہجی نهاد و به مقالات الشعرا، که مضمن تاریخ تالیف است مضاف نیز مسماه، رسم ساخت» (۲ ب و ۳ الف)

محمد نعیم دار کے ذکر میں لکھا ہے

«در اولا که خبر وفاتش شنید ام از المحیٔ عم، سر است عین بر مذاق طبعت ناگوار است اخیر تاریخ وفاتش که از دوور ما مطلع شده، حسن سانه

اور قطعۂ تاریخ بھی بعد کو اضافہ کیے گئے ہیں (ص ۵۱۹)

اس تذکرے کو بھی انجمن ترقیء اردو نے کتابخانۂ آصفیہ (حیدرآباد) کے واحد نسخے سے مرتب کرکے شایع کر دیا ہے

۹ تذکرۃالشعرا، قلمی

یہ میر علاءالدولہ اشرف علی خاں کا تالیف کردہ تذکرۂ شعرای فارسی ہے (۱) جو خود مصنف کے بیان کے مطابق ۱۱۷۸ھ (۶۴-۱۷۶۳ع) میں زیر تالیف تھا ولادت کے حال میں لکھا ہے:

«در حین تالیف تذکرہ، در سنہ یکہزار و یکصد و ہفتاد و ہشت در سن ہفتاد و ہشت سالگی عرض استہال موصل بحق گردید (۵۳۳ الف)

میرزا عبدالرضا متین، متوفی ۱۱۷۴ھ (۶۱-۱۷۶۰ع)، کو لکھا ہے:

چہار سال بعد از تحریر تذکرہ بروضہ رضوان خرامید (۳۵۷ الف)

اس سے بھی مذکورۂ بالا سنہ کی تائید ہوتی ہے نیز خان آرزو کو میر شمس الدین فقیر کے ذکر میں «رام بہاءہ» کے الفاظ سے یاد کیا ہے جو ۱۸ جمادی الاولی ۱۱۸۰ھ (اکتوبر ۱۷۶۶ع) کو فوت ہوے ہیں لہذا اس تذکرے کو اون کی حیات میں تالیف ہونا چاہیے ۱۱۷۸ھ میں وہ یقیناً زندہ تھے اس لیے مذکورہ سنہ کی مزید تائید ہوجاتی ہے

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس تذکرے کا ایک نسخہ محفوظ ہے، جو علی سرہندی کے حال سے نواب یحیی خاں کے ذکر تک ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شروع سے تقریباً نصف اور آخر سے چند اوراق کم ہوگئے ہیں یہ مسودہ معلوم ہوتا ہے، کیونکہ عبارت مختلف معمولی خطوط میں ہیں اور حواشی دونوں جگہ لکھی ہوئی ہے عنوانات جگہ جگہ سادہ چھوڑے گئے ہیں ورق ۱۲۲ الف اور ۱۹۵ب پر دو تحریریں ہیں، جن کے آخر میں «مکین» درج ہے یہ میرزا فاخر مکین کی بعد میں

(۱) میر علاءالدولہ کے بیٹے، میر فخرالدین حسن، فخر تخلص، کے ذکر میں میر حسن نے بھی اس تذکرے کا ذکر کیا ہے

نظم و نثر پر اصلاح لی ھے

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس تذکرے کا ایک مخطوطہ محفوظ ھے، جو چھوٹے سائز کے ۸۲ ورقوں پر ۱۲۲۸ھ(۱۸۱۳ع) میں معمولی اور پر اغلاط نستعلیق خط میں لکھا گیا ھے اس نسخے میں ۱۵۹ شاعروں کا ذکر ھے اسپرنگر کے نسخے میں ۱۶ درج ھیں(۱) وہ شاعر، جس کا ذکر ھمارے نسخے میں نہیں ھے، جی لال احسان تخلص ھے

۸- چمنستان شعرا (چمنستان) مطبوعہ

یہ لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی کا مرتبہ تذکرہ ھے جس میں ۲۱۴ ریختہ گویوں کے حالات اور منتخب کلام مندرج ھے

دیباچے سے معلوم ھوتا ھے کہ ۱۱۷۵ھ (۱۷۶۱ع) میں اس کا اختتام ھوا ھے یہی سال اس کے نام سے بھی برآمد ھوتا ھے میر علی اکبر رمال کے ذکر میں مصنف نے ایک رباعیہ نقل کیا ھے (ص ۱۵۸)، اور وہاں ۲ رمضان ۱۱۷۵ھ (۳۱مارچ ۱۷۶۲ع) تاریخ لکھی ھے تجلی کی تاریخ وفات غرۂ شوال ۱۱۷۵ھ (۲۶اپریل ۱۷۶۲ع) تحریر کی ھے (ص ۳۲۴) ان دونوں مقامات سے ھم یہ نتیجہ نکال سکتے ھیں کہ ۱۱۷۵ھ کے آخر تک کام جاری رھا ھے

شفیق نے اپنے سوانح لکھتے ھوے (ص ۳۹۴) بتایا ھے کہ صفر ۱۱۵۸ھ (فروری ۱۷۴۵ع) میں میری ولادت ھوئی ھے اور اب اٹھارہ سال کی عمر ھے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ھے کہ مصنف نے ابتدا حال ختم کتاب کے ایک سال بعد لکھا ھے اسی طرح رنگین کی تاریخ وفات

(۱) مگر سہو طباعت سے بجائے ۱۶ کے ۱۵ چھپ گئے ھیں ملاحظہ ھو فہرست کتابخانہ ہاے شاہان اودھ ۱۵۲

اب اس کے سال آغاز کا مسئلہ باقی رہتا ہے کتاب کے مختلف مقامات سے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے سب سے پہلے «رموز العارفین» مصنفۂ ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۴ع) کا ذکر ہے، جیسا کہ نواب صدر یار جنگ بہادر نے ارشاد فرمایا ہے اسکے ماسوا، احسن اور سودا کے حال میں لکھا ہے کہ یہ دونوں نواب شجاع الدولہ بہادر کی سرکار میں ملازم ہیں، جسکے یہ معنی ہیں کہ یہ حالات شجاع الدولہ کی زندگی میں لکھے گئے شجاع الدولہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ (آخر جنوری ۱۷۷۵ع) کو فوت ہوئے ہیں لہذا یہ حالات اس تاریخ سے پہلے لکھے گئے ہونگے اسی طرح نواب محمد یار خان بہادر، متوفی ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ، کو «خدا قائم دارد» لکھا ہے گویا انکا ذکر بھی اس ماہ و سال سے پہلے لکھا ہے

اب یہ طے کرنا چاہیے کہ نواب شجاع الدولہ اور نواب محمد یار خان بہادر کے انتقال سے کتنا پہلے کام شروع کیا میرزا مظہر کے بارے میں میر حسن لکھتے ہیں:

«الحال طرف شہر جہاں آباد اسقامت دارد و ہماں جا وعظ می فرماید»

میرزا مظہر، علیہ الرحمہ، کے ایک خط میں اون کے سفر روہیلکھنڈ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس خط کو شاہ نعیم اللہ بہڑائچی نے معمولات مظہریہ (۱) میں نقل کیا ہے میرزا صاحب اپنے مرید میر علی کو لکھتے ہیں،

«آنچہ از عالم بندہ معاش وسیدہ اید، بجانب ایں فقیر را طاقت حرکت و دماغ سیر و سیاحت ہرگز نماند برای پرداخت یاران طریقہ کہ از اطراف ہجوم کردہ اند، آیندہ ام بعد دو ماہ بدہلی مرسوم کہ معلمان آنجا ہستند، و از ہر طرف فوج قصد دہلی می کند تا ایں ہمہ دنیاداران ایں حدود را فقیر معرفی ندارند چنانچہ معلوم

(۱) معمولات مظہریہ ۱۱۳، نظامی کانپور سنہ ۱۲۷۵ھ

معلوم ہوتی ہیں سودا کا کلیات دیکھنے والوں کو علم ہے کہ اس تذکرے پر مکین نے جو اصلاحیں دی تھیں، اون کی تردید میں سودا نے «عبرة الغافلین» نامی رسالہ لکھا ہے چونکہ مولف تذکرہ اون اصلاحوں کے خلاف تھے، اس لیے ممکن نہ تھا کہ وہ صاف شدہ نسخے میں بھی اونھیں باقی رکھتے اس بنا پر اغلب یہی ہے کہ زیر نظر نسخہ مسودہ ہو

۱ تذکرۂ شعرا (حسن) قلمی

یہ تذکرہ ۳۰۳ اردوگو شاعروں کے حالات اور منتخب کلام پر مشتمل ہے، جسے میر حسن دہلوی، متوفی عشرۂ محرم سنہ ۱۲۰۱ھ (۱۹ اکتوبر ۱۷۸۶ع)، نے فارسی زبان میں لکھا ہے مخدومی نواب صدر یار جنگ بہادر مطبوعہ نسخے کے مقدمے میں سال تصنیف کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

> «تذکرۂ ہذا میں میر صاحب نے جو فہرست اپنی تصانیف کی لکھی ہے، اس میں مثنوی رموز العارفین ہے، گلزار ارم نہیں ہے رموز العارفین کا سال تصنیف سنہ ۱۱۸۸ھ ہے اور گلزار ارم کا سنہ ۱۱۹۲ھ رموز العارفین کی نسبت لکھا ہے کہ و مشہور ہو چکی ہے اس سے واضح ہے کہ تذکرہ سنہ ۱۱۸۸ھ اور سنہ ۱۱۹۲ھ کے مابین لکھا گیا» (ص۲، طبع ثانی)

خود میر حسن نے خاتمۂ کتاب میں یہ لکھا ہے کہ «در تاریخ یکہزار و یکصد و نود و یك ہجری باتمام رسید» (صفحہ۲۰۸، طبع مذکور) اس سے یہ قیاس کرنا بجا ہے کہ کتاب کی الف و ترتیب کا کام ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ع) میں ختم ہو گیا تھا البتہ بعد میں بھی مصنف نے اضافے کیے ہیں، جن میں سے ایك شاہ فصیح کی تاریخ وفات ہے، جو ۱۱۹۲ھ (۱۷۷۸ع) میں واقع ہوئی تھی

دلی کا رخ کیا تھا، مگر نواب مجب الدولہ بہادر نے فرخ آباد کی تسخیر کی طرف توجہ کر دیا آغاز ١١٨٤ھ (١٧٧ع) میں یہ مہم مرہٹوں نے شروع کر کے قلعۂ شکوہ آباد روہیلوں سے لینے کے بعد صلح کر لی اسی سال غالباً رجب میں نواب مجب الدولہ بہادر کا انتقال ہو گیا، اور مرہٹے دھلی کی طرف بڑھے چنانچہ سنہ ١١٨٥ھ میں ضابطہ خان دھلی چھوڑ کر چلے گئے، اور اس پر مرہٹوں کا قبضہ ہو گیا دھلی پر قبضہ کر کے مرہٹوں نے شاہ عالم کو الہ آباد سے بلا کر تخت نشین کیا، اور اب ضابطہ خان پر یورش کر کے سکر تال میں اونھیں شکست دی

اس سے یہ قیاس کرنا صحیح نہیں کہ ١١٨٤ھ میں میرزا صاحب آنولے یا سنبھل میں تھے جوکہ اونھوں نے ٨ سے ١ شوال تک آنولے میں قیام ظاہر کیا ہے، اور بظاہراً اسی زمانے میں مرہٹوں نے فرخ آباد کی مہم سر کی ہے اس لیے یہ سفر شوال ١١٨٤ھ (جنوری ١٧٧١ع) میں واقع ہونا چاہیے اور اس رسالے میں اونکا یہ لکھنا درست ہے کہ قصد دھلی کا قصد کر رہا ہے، لہذا میں دو مہینے کے سفر کے بعد دھلی واپس جانا چاہتا ہوں

اب اگر میر حسن نے ان کے حالات سفر کا ذکر کیا ہے تو اس حصے کی تالیف شوال ١١٨٤ھ یا اس کے قریب قریب ہونی چاہیے اس کی تائید نعیم کے ذکر سے ہوتی ہے میر حسن نے اوس کا حال اس انداز سے لکھا ہے، کہ ہمیں اوس کی زندگی کا یقین ہوتا ہے مصحفی نے اپنے «تذکرۂ ہندی گویاں» (٨٥ ب) میں لکھا ہے کہ سکر تال کی لڑائی کے بعد نعیم کا انتقال ہوا مولوی قدرت اللہ شوق نے «تکملۃ الشعرا» میں بتایا ہے کہ ١١٨٥ھ (١٧٧١ع) میں

باد بداربد که روز ملاقات ان قصه را مفصل ناسما گفته ام که
حانساماں و بحسی، یعنی فتح حاں و سرداران، را در تمام عمر حود
گاهی ندیده ام، و دوندے خان را، که ارادهٔ ملاقات فقر داشت، منع
کردم که نیاید، و حافظ رحمت خاں، که بس فقر حاضر شده بود،
صحبت او نا فقر نادرست افتاد، و پسران علی محمد خان را هرگز نمی
شناسم. ربط کجا و سازش معلوم »

اس حط سے مقام کتاب پوری طرح معین نہیں ہوتا لیکن ایک
اور حط، بنام میر محمد معین صاحب، میں فرماتا ہے،

«امروز، که دهم شوال است، قریب غریب حضرت خانصاحب
یعنی والد بزرگوار شما، که جامع هزاران صفات بودند، بر ارتحال
ازین عالم داعی یادگار گذاشتند که بس، در آن ماه حاضرم، و بعد و قف
سه شبانه روز فردا مراجعت به سنبهل خواهم نمود» (ایضاً ۱۱۵)

ان دونوں خطوں کے پڑھنے سے ہم اس نتیجے تک پہنچ جاتے ہیں
کہ (الف) میرزا مظہر رحمۃاللہ علیہ کا یہ سفر نواب دوندے خاں کی
حیات میں واقع ہوا تھا، (ب) اوس زمانے میں چاروں طرف سے
فتنہ و فساد دھلی کا رخ کر چکا تھا اس لیے میرزا صاحب دو ماہ کے
بعد اپنے متعلقین کی خبر گیری اور حفاظت کے خیال سے دھلی واپس
جانا چاہتے تھے، (ج) اور ۸ سے ۱ شوال تک آنولے میں قیام کرکے
گیارھویں تاریخ کو سنبھل کی طرف سفر کرنے کا قصد تھا

اخبار الصنادید میں نواب دوندیخاں بہادر کی تاریخ وفات، ۳ محرم
۱۱۸۵ھ (۱۸ اپریل ۱۷۷۱ع) بتائی گئی ہے لہذا میرزا صاحب کا سفر
روھیل کھنڈ اس سنہ کے شروع ہونے سے قبل کا واقعہ قرار پاتا ہے

جس فتنے کا میرزا صاحب نے اپنے مکتوب میں حوالہ دیا ہے
اوس سے مرہٹوں کی دلی پر چڑھائی مراد ہے انھوں نے ۱۱۸۳ھ
(۱۷٦۹ع) میں بہت بڑے لشکر کی صورت میں دریای چنبل عبور کرکے

مصحح کی تاریخ وفات ہے، جو سنہ ۱۱۹۲ھ میں واقع ہوئی تھی

اس تذکرے کا ایک قلمی نسخہ کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں موجود ہے اس میں جابجا سادہ صفحات یا دس دس پانچ پانچ سطروں کی سادہ بیاضیں باقی ہیں پر آخری خال دوسرے خط کا لکھا ہوا ہے، جس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ خود مصنف کا نسخہ ہے کہیں کہیں مطبوعہ نسخے سے متن میں اختلاف بھی ہے یہاں صرف مصحفی کے متعلق ایک جملے کے اختلاف کا ذکر مناسب ہوگا مطبوعہ نسخے میں عبارت یوں ہے:

«از نجبای امروهه مولدش اکبر پور که قصبه ایست متصل دهلی، وطن بزرگانش از قدیم الحال در شاهجهان آباد به سبد تجارت بسر می برد»

ہمارے قلمی نسخے میں یہ عبارت اس طرح ہے:

«از نجبای امروهه مولدش اکبر پور که قصبه ایست متصل الحال در شاهجهان آباد به سبد تجارت بسر می برد»

مطبوعہ نسخے کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصحفی جس اکبر پور نامی قصبے میں پیدا ہوا تھا، وہ دھلی کے متصل ہے اور قلمی نسخہ اس کے برخلاف یہ بتاتا ہے کہ قصبۂ مذکور امروھے کے پاس واقع ہے یو پی کے ڈسٹرکٹ گزیٹر (ج ۱۶ ص ۱) میں قصبۂ اکبرپور کا ذکر امروھے کے ساتھ کیا گیا ہے، اور ھندوستان گزیٹر میں دھلی کے قریب کسی اکبر پور نامی قصبے کا ذکر نہیں ملتا اس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ راہ ور کے اس نسخے کی عبارت صحیح ہے اور مطبوعہ نسخے میں کاتبوں نے کر بیونت کر دی ہے

اس نسخے کے ۱۵۸ اوراق، خط عمدہ نستعلیق مگر کہیں کہیں غلط اور تمام صفحات مجدول ہیں

رحلت کی ہے چونکہ سکرتال کی جنگ بھی اسی سال کا واقعہ ہے، اس
بنا بر ان دونوں بیانوں میں کوئی تناقض نہیں پایا جاتا، اور ہم یہ
کہہ سکتے ہیں کہ میر حسن نے اوس کا حال ۱۱۸۵ھ سے قبل لکھا ہے،
جو بعید نہیں کہ ۱۱۸۴ھ ہی کا واقعہ ہو، جب کہ اوس نے میرزا مظہر کا
حال لکھا تھا

مزید شاہد میں میر حسن کے اوس جملے کو پیش کیا جا سکتا
ہے، جو مصحفی کے بارے میں لکھا ہے، کہ «الحال در شاہجہاں آباد
بہ پیشۂ تجارت بسر می برد» میری رائے یہ ہے کہ میر حسن نے جس
زمانے میں یہ فقرہ لکھا ہے، مصحفی دلی سے نکل کر ٹانڈے اور وہاں
سے لکھنؤ نہیں گئے تھے اگر لکھنؤ کا سفر اختیار کر چکے ہوتے، تو
ناممکن تھا کہ مصنف اس کا ذکر نہ کرتا مصحفی نے لکھنؤ کا یہ سفر
۱۱۸۵ھ میں سکرتال کی جنگ کے بعد اختیار کیا تھا اس بنا پر یقین
ہے کہ ان کا حال بھی ۱۱۸۴ھ کے لگ بھگ لکھا گیا ہے اسی سلسلے میں
میر شمس الدین فقیر کے متعلق یہ فقرہ قابل توجہ ہے:

> «در دولا بطرف کربلائے معلی سفر نہ کردہ بود، ہماں جا بجوار رحمت
> ایزدی پیوست»

فقیر کا انتقال اس سفر سے واپسی پر ۱۱۸۳ھ (۱۷۶۹ع) میں ہوا
ہے «در دولا» ایسے واقعے کے متعلق استعمال کیا جا سکتا ہے جو حال
ہی میں ظہور پذیر ہوا ہو اگر یہ صحیح ہے، تو پھر ان کا حال بھی
۱۱۸۴ھ کے قریب لکھا ہوگا

ان دلائل کے پیش نظر میں یہ قیاس کرتا ہوں کہ میر حسن
نے ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰ع) میں یا اس سے کچھ پیشتر تذکرہ شروع کر کے
۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ع) میں ختم کر دیا تھا بعد کے اضافوں میں صرف شاہ

۱۱ جام جہاں نما، قلمی

یہ مولوی قدرت اللہ شوق رامپوری، متوفی ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ع)، کی تصنیف ہے، اور فارسی زبان میں عالم کی تاریخ ہے

خاتمۂ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ع) میں اس کی تالیف ہوئی تھی مگر دہلی اور روہیلوں کے حالات میں حاشیہ اضافے بھی کیے گئے ہیں حاشیہ دوسری جلد کے ورق ۳۷ ب پر ۱۱۹۲ھ، ۷۱ ب پر ۱۱۹۳ھ، ۷۵ ب پر ۱۱۹۵ھ ۷۶ الف پر ۱۱۹۶ھ، ۷۸ الف پر ۱۲۰۳ھ، ۸۲ الف پر ۱۲۰۸ھ، ۸۷ الف پر ۱۲۱۲ھ ۸۸ ب پر ۱۲۱۳ھ، ۹ الف پر ۱۲۱۸ھ، ۹۴ ب پر ۱۲۲۱ھ، اور ۹۵ الف پر ۱۲۲۳ھ پائے جاتے ہیں موخرالذکر کو شوق نے «اکنون» سے تعبیر کیا ہے

علاوہ ازیں، مولوی غلام طیب بہاری کو لکھا ہے کہ ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ع) میں راہ پور کے اندر انتقال کیا بمبرد اور ملا حسن فرنگی محلی کی وفات ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ع) میں بتائی ہے

اس تاریخ کا ایک قلمی نسخہ کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں محفوظ ہے نسخ عبدالرحمن ولد شیخ بھو، ساکن محلہ گوجر ٹولہ، نے ۱۲۷ھ (۱۸۵۳-۵۴ع) میں اسے رامپور میں لکھا ہے جلدساز نے اس نسخے کو دو جلدوں میں تقسیم کر دیا ہے اوراق کی تعداد ۴۳۳ اور سائز درمیانی ہے خط نستعلیق اور کتابت پر اغلاط ہے

۱۲ طبقات شعرا (طبقا) مطبوعہ

یہ شوق کا تذکرۂ شعرائے اردو ہے، جس کا خلاصہ علی گڑھ سے شائع ہو چکا ہے اصل تذکرہ جناب میرزا فرحت اللہ بیگ صاحب انجمن ترقیء اردو کے لیے مرتب فرما رہے ہیں

شیخ چاند مرحوم نے سودا کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ اس

کماں مس بھی حگه حگه ہی ںہ « اکوں » یا « الحال » کے سابھه مذکور ھے، اور مصںف کا دعوی بھی ھے که کماب بھوڑے عرصے مس بصںف هو گئی بھی، اس لیے یه قیاس کرنا بیجا نه هوگا که اسی ایك سال کے اندر کار بالیف سے مںلا فارع هو گیا بھا

دیباچے سے معلوم هوبا ھے که ۲ سال کی عمر میں ایك دیوان فارسی اور اوسی رمانے میں فارسی گو شاعروں کا تذکره مسمی به «گلدستۂ معانی» بھی مںلا نے لکھا بھا امرعبق (۳۶۵ الف) میں اس تذکرے کا نام «نظم معانی» بتایا ھے اور کہا ھے که یه سال بالیف کو ظاهر کرتا ھے چونکه اس سے ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ع) مستخرج هوتے هیں، اس لیے بعید نہیں که مںلا کی ولادت ۱۱۴۱ھ (۱۷۲۸ع) کے قریب هوئی هو اگر یه صحیح ھے، تو گلشن سخن کی تالیف کے وقت اوس کی عمر ۵۳ سال کی هوگی

نتایج الافکار (ص ۱۴) میں مںلا کی وفات بارهویں صدی هجری کے آخر میں بتائی ھے

کتب خانۂ عالیۂ رامپور میں اس تذکرے کا ایك قلمی نسخه پایا جاتا ھے، جسے نہایت بدخط اور غلط نویس کاتب نے نقل کیا ھے انجمن ترقیء اردو کے لیے اس نسخے کی نقل تیار کی گئی ھے امید یه ھے که انشاءالله اسے جلد چھاپا جائےگا

۱۵ گلزار ابراهیم (گلزار)، قلمی

یه نواب امین الدوله علی ابراهیم خان بہادر نصیر جنگ خلیل تخلص، کی تالیف ھے، جس میں ریخته گو شاعروں کے حالات فارسی زبان میں لکھے گئے هیں

میں ختم ہوئی تھی، لہذا اسے اس سنہ کے بعد شروع ہونا چاہیے
چونکہ میرزا مظہر اور سودا، متوفی ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۱ع) کو متوفی اور
میر بھی میر کو لکھنؤ میں مقیم بتایا ہے، اور میر ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ع)
کے قریب وہاں گئے ہیں، اس لیے قیاس یہ ہے کہ اسی سال میں
اس کا آغاز ہوا

رھیں کو، جو «عقد ثریا» کی ترتیب کے وقت (۱۱۹۹ھ) زندہ
تھا، لکھا ہے کہ اس کے انتقال کو دو برس ہوئے خواجہ میر درد،
متوفی ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ع) کے انتقال کو چند سال بتائے ہیں بیدار، متوفی
۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ع) کو زندہ لکھا ہے قائم، متوفی ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۳ع) تا
۱۲۱۰ھ (۱۷۹۵ع) کو کہتا ہے کہ چند سال پہلے فوت ہو گئے شاہ عالم
بادشاہ دہلی کو لکھا ہے کہ ۴۰ سال سے تخت دہلی پر متمکن ہیں انہوں
نے ۱۱۷۳ھ (۱۷۵۹ع) میں تخت پر قدم رکھا ہے اس حساب سے
چالیسواں سال ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ع) میں ہونا چاہیے حکیم عطاءاللہ عمیق کو
زندہ بتایا ہے، اور اونکا قطعۂ وفات چیری صاحب نقل کیا ہے، جس سے
۱۲۱۳ھ برآمد ہوتے ہیں اس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ ۱۲۱۳ھ
کے بعد اس کی تکمیل ہوئی ہے

۱۴ گلشن سخن، قلمی

یہ میرزا کاظم مخاطب بہ مردان علی خان لکھنوی متخلص بہ مبتلا، مخلص، ابن
محمد علیخان بہادر کی تصنیف اور اردوگو شاعروں کے حالات اور منتخب
کلام پر مشتمل ہے

دیباچے میں مصنف نے «آج پھولا ہے سخن کا گلشن» مادۂ
تاریخ لکھا ہے، جس سے ۱۱۹۴ھ (۱۷۸۰ع) برآمد ہوتے ہیں چونکہ

حاشیے پر لکھا ہے:

«ما قدرت اللہ، قدرت تخلص، می گفتند کہ این ہر دو اشعار، کہ نسبت بہ ما عالم اداہ ہی کنند، گفتہ کسی از شاگردان ... است، کہ در بلد برسا آباد بودہ» (۲ الف)

محولۂ بالا شعر یہ ہیں:

صبح تو جام سے گزرتی ہے ۔۔ شب دلارام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے ۔۔ اب تو آرام سے گزرتی ہے

(۲) رضا علی آشفتہ پر حاشیہ ہے:

«رضا علی آشفتہ از لاہور ... برسوراست و برادر روا پوچھوا ہی، در تخلص، بود ... بار برسور اسرار ہی گفت» (۱۸ ب)

(۳) احسن اللہ بیان پر حاشیہ ہے:

«حلقا نہ خواجہ احسن اللہ بیان، کہ امام بمار خاوران دران درحسب، ...ر است کہ مطلعش این است

مرزا قصر کی خلق ہر گئی ۔۔ خوش جائے جنگ کے ویران کر گئی
مرزا عمگیں ہوں، جہاں آباد ہوں ۔۔ کہ سالے جڑوں کے برں آباد ہرں»
(۲ الف)

خود حاشیوں پر اور بعض جگہ نئے ناموں اور اشعار کا اضافہ بھی کیا گیا ہے: چنانچہ

(۱) ورق ۵۶ الف پر حرف «دال» کے شروع میں حاشیے پر یہ اضافہ پایا جاتا ہے

«دائم تخلص، اسمش دائم خان، پسر و جدار محمد خان و برادر خورد فوجدار قائم خان، کہ در عہد نواب وزیر الممالک شجاع الدولہ بہادر عمر اقتدار داشت، و در وقت نواب آصف الدولہ بہادر بدار وعگی فیلخانہ کلاں ... بود و دائم اکثر بموزونیت طبعت گاہی فکر شعر ریختہ ہی نمود، و در لکھنؤ ہی گزراند این چند بیت برسل یادگار آن ستودہ اطوار درین تذکرہ نوکر خامہ بدرت نگارگشت»

مصنف نے دیباچے میں سال اختتام ۱۱۹۸ھ (۱۷۸۴ع) بتایا ہے
سال آغاز متعین نہیں ہے لیکن میر سوز کے حال میں ۱۱۹۰ھ (۱۷۷۶ع)
کو سال حال بتایا ہے اس لیے بعید نہیں کہ اسی سال اس کو شروع
کیا ہو حاتم کے ذکر میں ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ع) لکھا ہے راجہ سنہ محاسن
نہ معلوم (نا مخطط) کے بیان میں لکھا ہے کہ «در سنۂ ۱۱۹۹ھ ارا
آنم در بنارس ملاقی شد» (۱۹۲ ب) اس سے میں یہ قیاس کرتا ہوں
۱۱۹۸ھ میں کتاب ختم کرنے کے بعد بھی حالات کے اضافے کرتے رہے
جو ۱۱۹۹ھ کے بعد تک جاری رہے تھے

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس تذکرے کا جو نسخہ ہے، اوس کے
اوراق کی تعداد ۳۱۰ ہے، اور دو کاتبوں نے اوس کی کتابت کی ہے
جن میں سے ایک کا خط بہت شکستہ ہے اس نسخے میں متعدد
حواشی بھی نظر آتے ہیں، جو سب کے سب ایک ہی خط میں ہیں
اور اوس کاتب کے لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں جس نے راجہ سنہ
حال ۱۶ سطروں میں اضافہ کیا ہے چونکہ آخری اوراق بھی اوسی کے
نوشتہ ہیں، اور اوس نے خاتمۂ کتاب میں لکھا ہے:

«تمام شد گلزار ابراهیم، تذکرہ الف رباب علی ابراهیم خان بہادر
نصیر جنگ، جعل الله تعالی له الجنه»

اس لیے یہ سمجھ لینا تو نہیں کہا جا سکتا کہ یہ حواشی خود مصنف
قلم کے ہونگے البتہ یہ گمان غالب ہے کہ جس نسخے سے ہمارا نسخہ
نقل کیا گیا ہے، وہ مصنف کا ترمیم کردہ آخری نسخہ ہوگا

چونکہ یہ حواشی مفید ہیں، اسلیے یہاں اون کا نقل کرنا نامناسب
نہیں

(۱) شاہ عالم بادشاہ دہلی، آفتاب تخلص، کے حال کے تحاذ

کے حاسیے ۱ر بھی حق مخلص کے ساتھ ان کا ذکر کیا ھے مگر وھاں صرف ایك سعر لکھا ھے

(۴) عاس مخلص کے بعد حسب ذیل اضافه مس مس کیا ھے:

«عاجز ا ں س دیال لقب» سرہ س، درو سی اسب در بلد ارس»

(۵) ورق ۱۶۱ کے حاسیوں ۱ر ہدوی لاھوری کے ۱۹ سعر اور درج ھیں اسی طرح مدرب دھلوی کے اسعار بھی ۱۶۵ الف و ب اور ۱۶۶ الف ۱ر تحریر ھیں دونوں کے ۱۵ شعر ۱۹۴ ب اور ۱۹۵ الف ۱ر بڑھائے ھیں واقف دھلوی کے ۱۱ سعر د ں مس اور ے حاسیے ۱ر مندرج ھیں

(۶) ولی ۱ر حاسیه ھے

«کسی در وصف ولی گفته»

«...ر ساعراں هندی ... رداسب ولی تکسوردہ ...»

رامپور کے نسخے میں صانع بلگرامی، عجائب رای عاسق اور امیر حسرو کا ذکر نہیں ھے بیر کیه ر س دھلوی کے حال سے کافر دھلوی تك کی عبارت کاتب نے سہواً ترك کرکے، اس طرح لکھا ھے:

«کر ں دھلوی اسمس میرعلی ھی آ»

مطبوعه نسخے میں ماسی رامجس کا تذکرہ معموم مخلص کے ساتھ کیا گیا ھے، اور ۲۳ سعر انتخاب کیے ھیں لیکن رامپور کے نسخے میں یه حصه دوبارہ مفصل کے ساتھ لکھا گیا ھے، اور انتخاب بہت طویل ھے خاتمه مخط مخلص کے مانجب لکھا ھے۔

«مخلص مخلص، وسوم به رامجس کھوری براد مرف ہر حلف لاله گ کا س مخلص عاجز، وطن لاھور، ... دھلی مسر معموم (یہاں حاسیے ۱ر نسخے کا وں لکھه کر «معم» تحریر کیا ھے) مخلص ی کرد الحال به مخلص محط آشنا سدہ ار دل برشگاں سموم عشق

اسکے بعد ۳ شعر اوسی صفحے پر اور ۴ شعر ۵۶ ب پر «لمعۂ دائم»
کے عنوان کے ماتحت درج کیے ہیں

(۲) راغب اور رفعت کے درمیان میں لالہ جواہر سنگھ رام مخلص،
کا اضافہ کیا ہے، جو حسب ذیل ہے

«رام مخلص، اسمش لالہ جواہر سنگھ کهتری [illegible] ادب رفیع [illegible] والی
لاهور، خلف لالہ گنگا سن مخلص [illegible] را [illegible] خورد [illegible]
مخلص به خط، از سالکان سرکار [illegible] الدوله [illegible] بود
بعد ازان [illegible] داروغگی [illegible] بود [illegible]
[illegible] رسا و [illegible] دار [illegible] اداکار [illegible]
بذکر [illegible] »

اس کے بعد ۶۷ اشعار نقل کیے ہیں

(۳) ورق ۱۴۷ ب کے حاشیے پر ایک نام کا اضافہ ہے، جس کی
عبارت یہ ہے:

«عیش مخلص، نامش [illegible] پادشاه در اوائل عیش مخلص [illegible]
بعد ازان [illegible] مخلص قرارداد [illegible] خود [illegible] امام مولی
با شاهان [illegible] نواب آصف الدوله بهادر که صدها [illegible] از
[illegible] حرف با [illegible] در آن [illegible] کس [illegible] و [illegible]
ساخته، خود هم آخرالامر [illegible] کاری برداشت، و بعد مدت صحبت
نواب [illegible] از آنجا در بلده عظیم آباد و کلکته افتاده، در صحبت [illegible]
گهسیٹا عیش مخلص [illegible] می برد [illegible] ازان [illegible] دکن گشته، از دست
[illegible] اسکر علی بهادر رحم الله [illegible] خورد [illegible]
را [illegible] آورد ، در قصبه [illegible]
جند [illegible] رحم الله [illegible] رنگ [illegible] در [illegible]
مدون گشت چون طبع [illegible] داشت، دیوان اشعار [illegible] داده،
این چند شعر از زادهای طبع اوست»

اس کے بعد حاشیوں پر ان کے ۱۱ شعر نقل کیے ہیں ورق ۵۶ ب

کے سحص کی طرف منسوب کرنا ہوگا، کیونکہ اس میں محیط الاسرار،
محیط معرفت، اور محیط اعظم کے اقتباسات پائے جاتے ہیں، جو علی الہرست
١٢١٦ھ (١٨٠١ع)، ١٢١٨ھ (١٨٠٣ع) اور ١٢٢٠ھ (١٨٠٥ع) کی تصنیف ہیں
چونکہ بالعموم میں کے اندر مصنف کے ماسوا کوئی سحص اضافے
کرنے کی جرات نہیں کرتا، یا کم از کم میرے علم میں اس کی کوئی
ایسی مثال نہیں ہے کہ مابعد کے کسی عالم نے اپنا نام ظاہر کیے بغیر
ایسا کیا ہو، اس لیے میں مصنف کے ١٢٠٨ھ میں فوت ہو جانے کی
طرف سے مشتبہ ہو جاتا اگر لطف نے گلسں ہند، مصنفۂ ١٢١٥ھ
(١٨٠١ع) میں علی ابراھیم خاں کو مرحوم نہ لکھا ہوتا جونکہ یہ تاریخ
وفات یقینی معلوم ہوتی ہے، اس لیے مجھے اس اضافے کروانے پر افسوس
اور حیرت کا اظہار کرنا پڑتا ہے

گلزار ابراھیم کو انجمن ترقی اردو نے سائع کر دیا ہے اس نسخے
میں ٣٢٠ سعرا کا ذکر ہے، جن میں سے ٣ کتب خانۂ عالیۂ رامپور
کے نسخے میں مذکور نہیں، اور ٢ ساعر نسخۂ رامپور کے متن میں
اور ٢ حاسیوں پر ایسے مذکور ہیں، جن کے حال سے مطبوعہ نسخہ خالی
ہے اس حساب سے ٣١٩ ساعر ہمارے نسخے کے متن میں مذکور
ہوئے ہیں، اور کل سعرا کی تعداد ٣٢١ ہوتی ہے

١٦ گلسں ہند (لطف) مطبوعہ

یہ میرزا علی لطف، متوفی ١٢٢٨ھ (١٨١٣ع)، کی تصنیف اور گلزار
ابراھیم کے ٦٨ ساعروں کے حالات کا ترجمہ مع اضافات ہے اس کا
اختتام، خود دیباچے کے مطابق ١٢١٥ھ (١٨٠١ع) میں ہوا ہے مگر
مکرمی قاضی عبدالودود صاحب (پٹنہ) کا خیال ہے کہ حصۂ نظم میں اس

> و سلکاں سرکار عمارالدولہ سٹر حاسس ہادر بودہ اسب در ۱۱۹۹ھ
> با رادہم آیم در ارس ملاقی سد اد اواں سر رشہ داری ر ٹ صاع
> ارس ما ر گست و اشعارس لہ وسب و بح وی، کہ وی الحقیقت
> «دح گسح» اسب، وسوم بہ «حمسہ عسقیہ» صـ مـ کرد وی اول
> ہر ور انحا مسمی بہ «محطعس»، و وی دوم سسی و او رسوم
> بہ «محطدرد»، وسر ی مـ وی را صاحباں مسمی بہ «محطعم»، و
> حہارم مـ ری «حسں محسی»، و حم مسوی ادھو ال و کام کدں
> سمی بہ «حسں و عسں» اسب و بح وی دیگر در اصرف دارد ںکی
> ار انحملہ برحمہ بھگوب گتا مسمی بہ «محطالحقائں»، و دوںم وی
> برحمہ بھگب مالا وسوم بہ «محطالاسرار»، و سر می وی رحمہ
> بو ھی ر بودہ حدراودی باٹک مسمی بہ «گلس رف»، و حہارم
> مسوی برحہ حر گ باسسٹ مسمی بہ «محط معروف» و ںحم وی
> «محطاعطم» برحمہ بوبھی حم سا کھی ـ ر بر احرال گرر و الک
> محل اول با بہ گرر و گر بدسگہ، محل دھم و برحی احوال ماہرداس
> محاطب بہ اد ، صداب دارد و ر سحہ دگر رحمہ ا رار سہلی
> عرق کلملہ دمنہ سمی بہ «محط داش» صسف ود ، دادسحوری
> داد برحی ار اسعار آبدارس درں بدکر اباب می باا»

اس کے نعد عرلاب و مثنویات کے مـ حب اسعار ورق ۱۹۸ الف سے سروع ھو کر ۲۹۶ ب بر حم ھوئے ھیں

صاحب گلزار کی تاریخ وفات، ڈاکٹر اسپرنگر (ص ۱۸) اور بلوم ھارٹ نے حرأت کے اس مصرع تاریخ کی بنا پر: «او، آہ، مثا مطلع دیوان عدالت» ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۳ع) بتائی ھے مخدومی مولوی عبدالحق صاحب نے بھی، گلشن ھند کے مقدمے میں اسی سنہ کو دھرایا ھے (۱) اگر یہ سنۂ وفات صحیح ھے، تو نسخۂ رامپور کے اس اضافے کو کسی مابعد

---

(۱) گلشن ھند کے ۲ نسخوں میں حال کا دلچسپ تاریخ وفات بتایا جاتا ھے مگر وہ ناقص الالفاظ اور غلط ھے الفاظ دونوں نسخوں میں یہ ھیں «او آ ـ طلع دیوان عدالت»

اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے

اس سلسلے میں سب سے پہلے دیباچے کے اس بیان پر غور کرنا چاہیے کہ:

«تا آنکہ میرزا محمد حسن، قتیل تخلص، از ساحت لشکر نواب ذوالفقار الدولہ نجف خان بہادر بہ شاہجہاں آباد گزر انگندہ بسوی تالیف تذکرہ اصرار نگوشم دادہ، اسامی چند از اہل قلم بتحریر می در آورد، مسودہ احوال بعضی را بنا بر بے خبری بدست تو نرسانیدہ، یاد آوردن ایشان بر دستیاری ناخن داد در ایام دوری آن آشنای صادق چون شمع بی سوختم و مسودہ سرگرشت هر یک را از ردہ وردہ بر آمد کاغذ بی نگاشتم» (ورق ۱ ب)

اس سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ مصحفی نے قتیل کے ورود دہلی کے زمانے میں نہ صرف خود انہیں کی فرمائش سے اس کام کو شروع کیا بلکہ دو چار شاعروں کے حالات ان کی رسائی نوٹ بھی کیے اب یہ دیکھنا ہے کہ قتیل کس زمانے میں دہلی آئے یہ تو خود مصحفی نے بتا دیا ہے کہ یہ نواب ذوالفقارالدولہ مرزا نجف خان بہادر کے لشکر سے آئے تھے جسکا مصحفی کے دوسرے بیان کے مطابق شاہدرے کے قریب دہلی کے باہر پڑاؤ تھا (ص ۵۴ مطبوعہ) مسٹر بیل نے، مفتاح التواریخ (ص ۳۰۹) میں لکھا ہے کہ نجف خان ۳ ہزار سوار اور پیادوں کی جمعیت کے ساتھ شاہ عالم کی ملازمت میں داخل ہوا، اور ۱۱۸۵ھ (۱۷۷۱ع) میں بادشاہ کے ہمراہ دہلی آیا اس عرصے میں بہت سے کارہای نمایاں انجام دینے کے صلے میں «ذوالفقارالدولہ نواب نجف خان بہادر غالب جنگ» خطاب اور اسکے بعد عہدۂ امیرالامرائی سے معزز و ممتاز ہوا، اور ۸ جمادی الآخرہ ۱۱۹۶ھ (اپریل ۱۷۸۲ع)

سال کے بعد بھی اضافے معلوم ہوتے ہیں

یہ تذکرہ اولاً ۱۹۰۶ء میں مولوی عبداللہ خاں کے اہتمام سے جداگانہ اور بعد ازاں ۱۹۳۴ء (۱۳۵۲ھ) میں انجمن ترقیٔ اردو کی طرف سے گلزار ابراہیم کے ساتھ چھپ کر شائع ہوچکا ہے

۱۷ عقد ثریا (عقد) قلمی

یہ شیخ غلام ہمدانی مصحفی، متوفی ۱۲۴۰ھ (۱۸۲۴ء)، کا مرتب کیا ہوا فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے دیباچے کے بیان کے مطابق مصنف نے ۱۱۹۹ھ (۸۵-۱۷۸۴ء) میں ختم کیا تھا لیکن خواجہ میر درد، متوفی ۱۱۹۹ھ، کو لکھا ہے کہ ان کے انتقال کو چند سال ہوئے میر بلگرامی کو لکھا ہے کہ ۱۲۰۲ھ (۸۸-۱۷۸۷ء) میں دہلی کے اندر فوت ہوئے، اور مصحح کا حال ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۷ء) میں داخل تذکرہ کیا ہے

محمد علی فروغ کو لکھا ہے کہ اس نے چند سال قبل بنارس میں وفات پائی شمر عشق اور روز روشن (ص ۵۲۱) میں اس کا سال ولادت ۱۱۴۰ھ (۱۷۲۷ء) لکھا ہے اور موجزالذکر میں ستر سال کی عمر میں وفات پائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ فروغ نے ۱۲۱۰ھ (۱۷۹۵ء) میں انتقال کیا تھا اگر یہ صحیح ہے، تو اس کا حال بھی ۱۲۱۲ھ یا اسکے بعد لکھا گیا ہوگا کتابخانۂ عالیۂ رامپور کے نسخے میں کرنا دیال مضطر کے حال میں ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ء) مذکور ہے اس بنا پر قیاس کیا جاتا ہے کہ مصحفی نے بعد میں بھی اضافے کیے ہیں

مصنف نے اس کے آغاز کی طرف کوئی کھلا ہوا اشارہ نہیں کیا مگر کتاب کے پراگندہ ٹکڑے جمع کرنے سے سال آغاز کا تخمینی

ماہ و سال سے قبل کا یکم وجہ ہونا چاہیے

شیخ ظہور الدین حاتم کے بارے میں کہا ہے:

«بقولش تاریخ ولادتش حرف «ظہور» باشد از حالا یک شاہجہان آباد است ہشتاد و سہ سال عمر دارد»

لفظ ظہور کے مطابق شاہ حاتم کا سال پیدائش ۱۱۱۱ھ (۱۶۹۹ع) ہے لہذا ۱۱۹۴ھ (۱۷۸ع) میں ان کی عمر ۸۲ سال کی ہونا چاہیے چونکہ مصحفی نے سال پیدائش جانتے ہوئے یہ عمر لکھی ہے، اس بنا پر ہم اسے محض اندازہ نہیں کہہ سکیں گے، اور اس حساب میں یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہونگے کہ ۱۱۹۴ھ یا ۱۱۹۵ھ میں اوس نے حاتم کا حال لکھا ہے

غالباً اسی سال لطف علی بیگ آذر کا حال بھی لکھا ہے کیونکہ ایک تو اوس کے تذکرے «آتشکدہ» کا ذکر نہیں کیا ہے، جو ریٹس میوزیم کے نسخے کے مطابق ۱۱۹۳ھ (۹ـ۱۷۷ع) کے قریب ختم ہوا ہے، اور دوسرے یہ کہ اس میں مصحفی نے اوس کی عمر ۶ برس کے قریب بتائی ہے، اور بعد جواب لکھا ہے جان بہادر عبدالمقتدر نے آتشکدہ پر نوٹ لکھتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ آذر ۱۱۳۴ھ (۲۲-۱۷۲۱ع) میں پیدا ہوا تھا اس حساب سے ۱۱۹۴ھ میں اوس کی عمر ۶ برس کی ہونا چاہیے، اور یہی سال اوس کے داخل تذکرہ ہونے کا قرار دینا مناسب ہوگا

چونکہ مصحفی نے مرزا جانجاناں مظہر، متوفی محرم ۱۱۹۵ھ کا حال اون کی وفات پر لکھا ہے، اس بنا پر گزشتہ دلائل کو سامنے رکھنے کے بعد بالکل یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۱۹۵ھ اور

کو فوت ہو گیا

نشتر عشق (۵۴۸ب و بعد) میں لکھا ہے کہ قتیل ۱۱۷۲ھ (۵۸-۱۷۵۷ع) میں پیدا ہوئے، ۱۴ برس کی عمر میں اسلام قبول کیا اور دو برس تک اسلام کو مخفی رکھ کے، سترھویں سال کی عمر میں اس کا اظہار کر دیا۔ اس کے بعد اعزا و اقربا سے کنارہ کش ہو کر «در اطراف شاہجہان آباد بہ لشکر ذوالفقار الدولہ نواب نجف خان مرحوم می گشت»

اس سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ انکے نواب نجف خان کے لشکر میں گشت لگانے کا آغاز ۱۱۸۹ھ (۱۷۷۵ع) میں ہوا

آگے چل کر نشتر عشق میں لکھا ہے کہ «الحال از مدت سی و شش سال بلکھنؤ بسر می دارد» یہ مطلب مصنف نشتر عشق نے ۱۲۳۱ھ (۱۸۱۸ع) میں ان کا حال لکھتے ہوئے تحریر کی ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے که ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۲ع) تا ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ع) میں قتیل لکھنؤ آئے تھے، اور سابق ولاحق نتائج کو ملانے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ بین ۱۱۸۹ اور ۱۱۹۷ھ کے درمیان یہ ایک مشہور شاعر و فاضل کی حیثیت سے مذکورۂ بالا لشکر میں بود و باش رکھتے رہے تھے۔ چونکہ مصحفی نے ان کی فرمائش سے تذکرہ شروع کیا ہے لہذا اس کا آغاز ان دونوں سنوں کے درمیان کے کسی سال میں ہونا چاہیے

نواب صمصام الملک میر عبدالحی خان صارم مخلص کے متعلق لکھا ہے کہ «حالا از سرکار نواب آصفجاہ ثانی مخاطب صمصام الملک و دیوانی دکن بلندرتبگی دارد» نتائج الافکار (ص ۲۶۶) میں ان کی رحلت بارھویں صدی کے آخر میں، اور محبوب الزمن (۲۱۶) میں ۱۵ جمادی الاولی ۱۱۹۶ھ تحریر ہے۔ مصحفی نے ان کا حال زندگی میں لکھا ہے، لہذا اس

۱۱۹۹ھ (جنوری ۱۷۸۵ء) کے بارے میں کہتا ہے کہ «بلبل الست کہ درد مہجوری اش سفا داده». میر حسن، متوفی عشرۂ محرم ۱۲۰۱ھ (۱۹ اکتوبر ۱۷۸۶ء)، کو احقر اور خاکسار کے حال میں الفاظ «رحمہ اللہ تعالیٰ» سے یاد کیا ہے

ان اقتباسوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صفر ۱۲۰۰ھ (دسمبر ۱۷۸۵ء) میں یا اس کے لگ بھگ اس تذکرے کا کام شروع کیا جا چکا تھا

تذکرے کے دوسرے بعض ٹکڑوں سے پتا چلتا ہے کہ ۱۲۰۹ھ کے بعد بھی اس میں اضافے کیے گئے ہیں۔ چنانچہ راجہ جسونت سنگھ پروانہ تخلص کے ذکر میں لکھا ہے کہ ان کے فارسی اشعار دربار دہلی کی معرفت دہلی میں میرے پاس پہنچے تھے، جنھیں میں نے تذکرۂ اول میں داخل کر لیا تھا۔ جب دہلی سے لکھنؤ وارد ہوا، تو یہ بڑے تپاک سے ملے اور اگرچہ میر حسن مرحوم ہی میر اور ہما کے معتقد تھے، مگر فقیر سے ملاقات کے بعد کلی طور پر ادھر رجوع ہو گئے، اور بڑے انہماک اور توجہ سے اردوگوئی شروع کی اب کہ دس بارہ سال کی مشق ہے، بہت پختہ گو ہو گئے ہیں

اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصحفی نے لکھنؤ آنے کے دس بارہ برس بعد یہ عبارت لکھی ہے خود انھوں نے ریاض الفصحا میں محمد جان شاد کے ذیل میں لکھا ہے:

> «در ایامی کہ فقیر ہمراہ غلام علی خان ولد بھکاری خان، کہ مشارالیہ از بنگالہ بہ وکالت جہاندانی، سال بیست شاہانہ برائے بندگان عالی وزیرالممالک نواب آصف الدولہ بہادر و سر ہیسٹن گورنر بہادر آوردہ بود، در سنہ یک ہزار و یکصد و نود و ہشت صر ب سفر کشیدہ از شاہجہان آباد در لکھنؤ رسید»

۱۱۹۹ھ کے درمیان کی یہ تالیف ہے، جس میں ۱۲۱۳ھ تک مصنف نے اضافے کیے ہیں

انجمن ترقیءاردو نے اسے شائع کر دیا ہے، مگر کوئی سطر غلطی سے پاک نہیں ہے کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس کا ایک نسخہ محفوظ ہے، جو ۱۲۵۵ھ (۱۸۴۲ع) میں سید سلامت علی بلگرامی اور سید اکبر علی جرآبادی نے اوسط سائز کے ۹۴ ورقوں پر نقل کیا ہے اس میں ہر شاعر کے کلام کا انتخاب بھی مندرج ہے، جو نسخۂ مطبوعہ سے حذف کر دیا گیا ہے

۱۸- تذکرۂ ہندی گویاں (تذکرہ) قلمی

یہ مصحفی کا پہلا اردوگو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے مصنف نے «عقد ثریا» کے بعد فارسی زبان میں لکھا ہے خاتمے میں تحریر کیا ہے کہ ۱۲۰۹ھ (۹۵-۱۷۹۴ع) میں اسکی ترتیب سے فراغت ہوئی مگر یہ جملہ

«فرصت را غنیمت شمردہ، مسودۂ منسوس این تذکرہ را، کہ از چند سال طاق نسیان افتادہ بود، صاف نمودہ درست ساختہ»

خود اشارہ کرتا ہے کہ کتاب ۱۲۰۹ھ سے قبل تمام ہوچکی تھی، اس سنہ میں صرف مسودہ صاف کر کے شائع کیا گیا ہے

کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا آغاز ۱۲۰۴ھ (۱۷۸۹ع) کے قریب ہوا ہے، کیونکہ مصنف نے دیباچے میں صراحت کردی ہے کہ فارسی تذکرے سے فارغ ہوکر یہ کام شروع کیا اور یہ تذکرہ ۱۱۹۹ھ میں ختم ہوا تھا، لہذا اسی سال یا آیندہ سال اردو تذکرے پر کام شروع کرنا چاہیے

شاہ حاتم، متوفی ۱۱۹۷ھ، کو لکھا ہے کہ «دو سہ سالست کہ در شاہجہان آباد ودیعت حیات سپردہ» خواجہ میر درد، متوفی ۲۴ صفر

تھا، دستیاب ہوا کاتب الحروف سید حسن علی محسن، مولف تذکرہ
سراپا سخن، نے نقل اس کی بے کم و کاست لکھی تاریخ سوم شہر
رجب سنہ ۱۲۷۱ھ کو بفضل الٰہی سے تمام ہوا

گزرے ایک روز حضور نواب صاحب کے یہ عاجز حاضر
ہوا فرمایا کہ تذکرہ بیان مصحفی نے خود بھائی صاحب کو
دیا تھا فقط»

اس نسخے میں ۲۷ ورق اور ملحقہ فہرست کی رو سے ۱۹۲ (۱)
شاعروں کا تذکرہ کیا گیا ہے کتاب میں غلطیاں بھی کافی ہیں،
جو محسن جیسے پڑھے لکھے کاتب سے بعید معلوم ہوتی ہیں

انجمن ترقی اردو نے جو نسخہ شائع کیا ہے، اوس میں ۱۹۳
شاعروں کا ذکر ہے

۱۹- ریاض الفصحا (ریاض) قلمی

یہ مصحفی کا تیسرا تذکرہ ہے، جس میں ۲۶۴ اردو گو شاعروں
کے حالات فارسی زبان میں درج ہیں حسب تصریح دیباچہ، لالہ چنی
لال جوہر کی فرمایش پر ۱۲۲۱ھ میں اس کا آغاز، اور بتاریخ خاتمہ،
۱۲۳۶ھ (٦ ١٨ع) میں اتمام ہوا ہے

کتب خانۂ عالیہ رامپور میں اس کا جو نسخہ محفوظ ہے، اوس
کے سرورق پر تاریخ آغاز کتابت غرۂ محرم سنہ ۱۲۷ھجری روز چہار
شنبہ اور تاریخ اتمام کتابت، ۲۷ محرم ۱۲۷ھ (اکتوبر ۱۸۵۳ع) درج

(۱) ڈاکٹر اشپرنگر نے اپنی فہرست (ص ۱۸۳) میں لکھا ہے کہ مصحفی نے اس تذکرے
میں ۳۵ ریختہ گویوں کے حالات لکھے ہیں اسپرنگر کے نسخے کا سائز اوسط، صفحات
کی تعداد ہر ورق ۲ اور فی صفحہ ۱۴ سطریں تھیں اس تعداد اوراق اور تعداد شعرا کے
پیش نظر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ اسپرنگر نے ریاض الفصحا کو، تذکرۂ ہندی خیال کر لیا تھا، جس
کے مطبوعہ نسخے میں ۳۲۱ شعرا کا ذکر ہے

اب اگر ان کے سال ولادت ۱۱۹۸ھ (۸۴-۱۷۸۳ء) پر ۱۲ برس بڑھائے جائیں تو ۱۲۱۰ھ (۹۶-۱۷۹۵ء) حاصل جمع ہوگا۔ امر متعرض کہ سکتا ہے کہ یہ نتیجہ ہے بہت ممکن ہے کہ سن پیدائش کے لحاظ سے ۱۲۰۸ھ میں یا اس کے ایک سال بعد ۱۲۰۹ھ میں یہ تذکرہ لکھا ہو، اور ایسے تخمیناً ۱۲۱ برس لکھا ہو مگر ہمیں قسمت سے تذکرے میں میاں جعفر علی حسرت کے متعلق ایک ایسا حوالہ مل گیا ہے جو ہمارے مدعا کے اثبات کے لیے کافی ہے۔ مصحفی کہتا ہے کہ قسمت:

«اصلاح شعر از میاں جعفر علی حسرت می گرفت و در حین حیات او با فقیر هم از ته دل اعتقادی و رجوعی داشتند حالا که حسرت نماند بالکل حال شوره فقیر دارد»

حسرت نے ۱۲۱۰ھ (۹۶-۱۷۹۵ء) میں رحلت کی ہے لہذا اس حصے کو اسی سنہ یا اس کے کچھ بعد کا ہونا لازم ہے

نواب الٰہی بخش خاں معروف کے حال میں مصحفی نے صاف اعتراف کر لیا ہے کہ:

«در ایامی که فقیر تذکره را تمام رسانده از شاهجهان آباد به لکهنو گذر افگند شاگردیء این فقیر یاری دارد»

کتب خانۂ عالیہ رامپور میں اس تذکرے کا جو قلمی نسخہ ہے، وہ سید محسن علی محسن، مصنف سراپا سخن کا ملکیہ ہے کاتب مذکور حاشیے میں لکھتے ہیں:

«یہ تذکرہ جلد اول ان مصحفی مرحوم کا، کہ جب تک الحروف کو اسکی تلاش تھی، وجہ جناب قدس مآب نواب عاشور علی خان صاحب بہادر، دام اقبالہ، سے نواب محسن علی خان بہادر تذکرہ ... حاصل ہے، کہ مہر بھی نواب ممدوح کی اوس پر ہے، اور ایسا ہے کہ میاں صاحب کے شاگرد ... طاہر محمد طاہر کے ہاتھ کا لکھا ہوا

رامپور کے اندر مذکورہ بعض شعرا کے ذکر سے یہ مطبوعہ نسخہ خالی ہے اسلئے میری دانست میں نسخۂ رامپور مسودۂ اول کی نقل ہے، جس کے متعدد شعرا کو مصحفی نے نظر ثانی کے وقت خارج کر دیا ہوگا

۲- مجموعۂ نغز (نغز) مطبوعہ

یہ حکیم قدرت اللہ قاسم متوفی ۱۲۴۶ھ (۱۸۳ء) (۱)، کا تذکرہ ہے، جسے خاتمۂ کتاب کی تصریح کے مطابق مصنف نے فارسی زبان میں ۱۲۲۱ھ (۱۸۰۶ء) میں لکھا ہے مطبوعہ نسخے کی رو سے اس میں ۶۹۳ اردو گو شاعروں کے حالات مذکور ہیں

کتاب میں بعض قرائن ایسے ہیں جن کی مدد سے اسکے آغاز کا تعین کیا جا سکتا ہے مثلاً بقا کے ذکر میں حالیہ صیغے استعمال کئے ہیں، جسکا مطلب یہ ہے کہ بقا کی زندگی میں اوس کا حال لکھا ہے بقا کا سال وفات ۱۲۰۶ھ (۱۷۹۱ء) ہے، لہذا اس سنہ سے پہلے آغاز تالیف ہونا چاہیے میر حسن، متوفی ۱۲۰۱ھ، کو ہر جگہ مرحوم لکھا ہے، لہذا اس سنہ کے بعد کام شروع ہونا چاہیے گویا ۱۲۰۱ھ اور ۱۲۰۶ھ کے درمیان مصنف نے کام شروع کیا ہے

مولانا محمود خانصاحب شیرانی نے اس تذکرے کو مرتب کر کے پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے ۱۹۳۳ء میں شائع کیا ہے

۲۱- مخزن الغرائب قلمی

یہ ۳۱۴۸ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے فارسی زبان میں

(۱) سخن شعرا (ص ۳۶۹) اور شمیم سخن (ص ۱۸۵) میں یہی سال تحریر ہے گلدستۂ نازنیناں (ص ۲۷۲) میں، جو ۱۲۶۰ اور ۱۲۶۱ھ کے درمیان لکھی گئی ہے، تحریر ہے کہ ان کی وفات کو پندرھواں سال ہے اس سے بھی مذکورہ بالا سال ہی کی تائید ہوتی ہے

ہے خط کی روش سے مندرجۂ ذیل تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بھی
محسن کے قلم کا نوشتہ ہے مذکورہ تحریر ورق ۱ الف کے حاشیے پر
پائی جاتی ہے، اور اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

> «کاتب الحروف محسن علی نے اشعار فارسی کسی کے نہیں لکھے کہ
> غرض اشعار ہندی سے ہے دو ایک جا پر جو لکھ دیے ہیں،
> فقط واسطے بیان اوزان کے ہیں»

اس بیان میں کاتب نے صرف فارسی اشعار گرادینے کا اقرار کیا
ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ اس میں مطبوعہ کے مقابلے میں اردو اشعار
بھی بہت سے ساقط ہیں

اس نسخے کا سائز اوسط، اور تعداد اوراق ۵۵ ہے۔ بعض جگہ
حاشیوں پر بھی شعرا کے حالات نقل کیے ہیں جو سہو کتابت کی تلافی
ہے

اس نسخے میں جابجا صفحات کے حصے سادہ چھوڑے گئے ہیں،
جو یا تو معمول عنہ میں جان بوجھ کر سادہ رکھے گئے ہونگے، اور یا
اوسکے ناقص ہونے کے باعث سے کاتب نے آئندہ تکمیل کے خیال سے
ناتمام رکھی ہیں بصورت اول بعید نہیں کہ وہ خود مصحفی کا
مسودہ ہو چونکہ اس عبارت کے اندر مطبوعہ کے مقابلے میں جگہ
جگہ الفاظ، فقرے اور جملے بدلے ہوئے ہیں اس بنا پر یہ امکان حد یقین
تک جا پہنچتا ہے

انجمن ترقی اردو نے ۱۹۳۴ع میں اسے شائع کیا ہے اس
میں ۳۲۱ شاعروں کا ذکر ہے، اور یہ اوس نسخے کی نقل ہے، جسے
رمضان بیگ طپاں نے ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۱ع) میں لکھا تھا چونکہ اس نسخے
کے بہت سے شاعر، رامپوری نسخے میں مذکور نہیں ہیں، اور نسخۂ

حان عاسقی عظیم آبادی نے فارسی زبان میں مرتب کیا ہے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو آغاز شباب سے چیدہ اشعار جمع کرنے کا شوق تھا رفتہ رفتہ ۲ ہزار اشعار کی ایک بیاض اوس نے مرتب کر لی ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ع) میں کول (علی گڑھ) کی چھاونی میں مصنف کا ورود ہوا اور میر محمد جعفر بریلوی متخلص، سے ملاقات ہوئی ایک دن اونھوں نے والہ داغستانی کے تذکرۂ «ریاض الشعرا» کا ذکر کیا مصنف نے اون سے مستعار لیکر اس تذکرے کا مطالعہ کیا، تو اندازہ ہوا کہ اس میں رطب و یابس بہت ہے، نیز عاشقانہ کلام کا انتخاب بھی اچھا نہیں یہاں سے خود اونھیں تذکرہ مرتب کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور اس مقصد کے حصول کی خاطر تاریخ و تذکرے کی کتابیں اور دواوین شعرا جمع کرنا شروع کر دیے:

> «القصه در سنه یکهزار دو صد و بست و چهار هجری به سوید این روبه دلکشا مصروف گردید، تا سنه المعجمه بعد تحریر در آورد زیرا که هر روز علائق روزگار و کار و بار کار بسته، که تفصیل بیان آن خارج از حمل است، تا هفت سال از این خیال باز داشت، و این ارادد در وقف و التوا افتاد بعد انقضای مدت مذکور، در سنه یک هزار و دو صد و سی و سه هجری باوجود موانع و کم فرصتی باز متوجه و مصروف نگارش گردید تا اختتام رساند
>
> هنگام تحریر سال در سنه صدر «نشر رنگ خان» باد تاریخ نامه بود و الحال این تاریخهای نظم و در صوری و نوی هم رسانده تاریخ
>
> «جمله یکهزار و چار صد و هفتاد اسامی» (ایضا) «در سال یکهزار و دو صد و سی و سه حواله قلم کرد» قطعه

در سرورده ماه رجب، روز سه شنبه، وقت شب چون گشت ختم این نسخه جامع کمال عاسقی گفتار نام سکرچی، تالیف بی، حان تاره شد دل گفت سال ختم او «عالی خیال عاسقی»

شیخ احمد علی خادم سندیلوی نے مرتب کیا ہے

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ع) میں مصنف کو اس کی ترتیب و تالیف سے فراغت ہوئی ہے اسپرنگر نے اپنی فہرست (ص ۱۴۶) میں لکھا ہے کہ یہ تذکرہ نواب صفدر جنگ (متوفی ۱۱۶۷ھ) کے نام معنون ہے، اس لیے اس کا اہتمام اس سنہ سے قبل عمل میں آیا ہوگا مگر ڈاکٹر اتھے نے، فہرست کتبخانۂ انڈیا آفس (نمبر ۳۹۵ کالم ۳۱۶) میں اس کو غلط فہمی پر محمول کیا ہے

کتبخانۂ عالیۂ رامپور میں اس کی جلد اول کے دو نسخے ہیں مگر دونوں ناتمام ہیں، اس بنا پر اس کے آغاز و اختتام وغیرہ کے بارے میں کچھ کہنا دشوار ہے البتہ جرءات کے حال میں (۱۳۸ ب) اور غلام فخرالدین خان حسرت کے ذکر میں (۱۳۹ الف) ۱۲۱۷ھ (۱۸۰۲ع) کو سال رواں بتایا ہے اتھے نے ایک دو اور مقامات پر بھی اسی سال کا حوالہ دیکھا ہے

اشپرنگر نے اپنے نسخے کے شعرا کی تعداد تخمیناً لکھی ہے، جو خود اوس کے الفاظ میں ۳۶۱ سے کم ہیں اس سے بھی مذکورۂ بالا تعداد کی، جو عبدالمقتدر مرحوم اور اتھے نے بیان کی ہے، ایک حد تک تائید ہوتی ہے

مخدومی نواب صدر یار جنگ بہادر کے کتاب خانے میں اسکا مکمل نسخہ موجود ہے (۱)

۲۲ــ نشترِ عشق، قلمی

یہ ۱۴۷ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے حسین قلی

(۱) مصنف کے حال اور کتاب کے دوسرے نسخوں کے لیے ملاحظہ ہو فہرست کتابخانہ بانکی پور، جلد ۸، صفحہ ۱۵۳

محرر تذکرۂ ہذا» لکھ بھی دیا تھا، مگر تصحیح کے وقت یہ فقرہ قلمزد کر دیا گیا ہے بہرحال یہ امر حد میں کو پہنچ جاتا ہے کہ اس نسخے کا کاتب وہی مرزوب ہے، جس کے قطعات تاریخیہ خود کتاب میں جابجا ملتے ہیں

نسخے کے متن میں اور حاشیوں پر دوسرے خط کی تصحیحات ہیں، جو غالباً خود مصنف کے قلم کی ہیں

مصنف نے اپنے حالات «عاشقی» تخلص کے ماتحت (۴۰ الف) لکھے ہیں بعض واقعات زندگی اندرون (۹۶ ب)، حیا (۱۳۴ ب و ۱۳۵ الف)، حیران (۱۸۵ الف) خوشدل (۲۴۵ ب)، رضا (۲۶۴ ب)، شوق (۳۰۷ الف) اور عشقی (۳۶۵ ب) کے حالات کے ذیل میں بھی پائے جاتے ہیں

۲۳ روزنامچۂ قلمی

یہ مولوی سید القادر خان سمگین راہ وری، متوفی رجب سنہ ۱۲۶۵ھ (۱) (مئی سنہ ۱۸۴۹ع) کی خود نوشت سوانحعمری ہے، جسے موصوف نے فارسی زبان میں مرتب کیا ہے چونکہ اس کی ترتیب واقعات تاریخوار ہے، اس لیے اسے روزنامچہ کہا گیا ہے

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس کا ایک جدیدالخط غلط لکھا ہوا نسخہ ہے، جو مخدومی نواب صدر یار جنگ بہادر کے کتابخانے کے نسخے سے محمد فاروق صاحب نے ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (دسمبر ۱۹۱۶ع) میں فلس کیپ سائز کے ۱۸۱ ورقوں پر نقل کیا ہے اصل نسخہ اول و آخر سے ناقص ہے، اس بنا پر اس کا واقعی سال تالیف بتانا ممکن

---

(۱) اصحاب یادگار، ۲۷۱

اس کے بعد خاتمۂ کتاب میں لکھا ہے،

«در سنہ یکہزار و دو صد و سی و سہ ہنگام تحصیلداری حکام سکندرآباد معاملہ ضلع علی گڑھ صورت اتمام پذیرفت»

اس فصل سے ظاہر ہے کہ کتاب ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ع) اور ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۷ع) کے درمیان لکھی گئی ہے

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس کا جو نسخہ محفوظ ہے، وہ اوسط سائز کے ۱۵ سطری مسطر کے ۷۸۹ ورقوں پر بخط نستعلیق لکھا گیا ہے حاشیے میں کاتب لکھتا ہے:

«تمام شد تذکرہ سرالعشق، من تالیف جناب فیض مآب، حسن علی خان صاحب، دام اقبالہ، مخلص اسمعی، بتاریخ ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۲۳۶ ہجری، روز جمعہ، از قلم شکستہ رقم عاصی پر معاصی، خوشہ چین خرمن جود و نوال و سخنوری رکن الدین خان بلوچ خادم شعر تخلص بہ مجرب، ساکن قصبہ برن عرف بلند شہر، عفی اللہ عنہ، بمقام خورجہ معاملہ ضلع علی گڑھ»

گویا یہ نسخہ مصنف کی زندگی میں، تصنیف سے ۲ برس ۸ مہینے ۲۴ دن بعد خورجہ میں مصنف کے شاگرد نے لکھا ہے۔

جیسا کہ کاتب نے خود بھی لکھا ہے وہ شاعر ہے، اور مجرب تخلص کرتا ہے اس کے لکھے ہوئے فارسی قطعات تاریخ اس کتاب کے اوراق ۱۷ الف، ۷۸ الف، ۱۲۲ ب، ۱۶۱ الف، ۱۹۱ الف ۳۶۳ ب ۴۴۵ ب، ۴۸۵ ب، ۴۹۴ ب، ۵۴۷ الف، ۵۶۵ ب، ۵۷۴ ب، ۵۸۴ ب ۵۹۶ الف، ۶۰۱ ب، ۶۰۳ ب ۶۰۵ ب ۶۱۴ الف، ۶۳۹ الف، ۶۵۱ الف، ۶۸۶ الف، ۶۹۲ الف، ۷۰۹ ب، ۷۰۲ الف، ۷۲۱ الف، ۷۲۲ ب، ۷۴۲ الف اور ۷۸۶ ب پر پائے جاتے ہیں

ان میں سے اول الذکر قطعے کے ساتھ کاتب نے «مخدوم بخش مجرب

اشرف صاحب کی فرمائش پر کسی کاتب نے ۵ رجب ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ع) میں لکھا ہے

۲۵۔ نتائج الافکار (نتائج)، مطبوعہ

یہ ۵۲۸ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے محمد قدرت اللہ خان قدرت گوپاموی نے، حسب صراحت دیباچہ، ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ع) میں شروع کیا۔ خاتمۂ کتاب سے پتا چلتا ہے کہ ۱۲۵۷ھ (۱۸۴۱ع) کے آخر میں مسودہ مکمل کر کے، ۲۱ شعبان ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ع) کو مصنف نے صاف کیا تھا۔ آخر میں جو قطعات تاریخ مندرج ہیں، اون میں سے دو سے ۱۲۵۷ھ اور چھ سے ۱۲۵۸ھ ظاہر ہوتے ہیں

کتاب کے اندر ۱۲۵۷ھ کو سال اتمام قرار دیا گیا ہے، اس لیے کہ محمد حسن علی کے ذکر میں قدرت نے لکھا ہے: «بعد اتمام این کتاب، در سنہ ۱۲۵۸ھ مرحلہ پیمای سفر آخرت گشتہ» (ص ۱۳۸)

خاتمۃ الطبع کے رو سے کتاب، مدراس کے مطبع کشن راج میں ۲۹ جمادی الثانیہ سنہ ۱۲۵۹ھ (۲۸ جولائی سنہ ۱۸۴۳ع) کو چھپ کر شائع ہوئی ہے یہی سنہ ایک قطعۂ تاریخ طباعت میں بھی ظاہر کیا گیا ہے

۲۶۔ مدائح الشعرا، قلمی

یہ تذکرہ اقبال الدولہ، نواب عباس حسین خان بہادر، مہجور، فارسی ولد نواب نصیرالدولہ، نصیرالدین علی خان بہادر، صمصام جنگ، ابن نواب امین الدولہ، علی ابراہیم خان بہادر نصیرجنگ خلیل تخلص، مصنف گلزار ابراہیم، کی تصنیف ہے، جس میں ۶۷ اردو گو شاعروں کے مختصر حالات درج ہیں نمونۂ کلام کو مصنف تذکرہ نے خود مخمس، مسدس،

ہیں۔ البتہ آخر میں مصنف نے ایک دو جگہہ ۱۸۳۱ع (۱۲۴۷ھ) کو لفظ «اکنوں» سے تعبیر کیا ہے

یہ روزنامچہ بہت دلچسپ، کارآمد اور شروع ۱۹ ویں صدی عیسوی کے متعدد اہم واقعات تاریخی کے چشمدید حالات پر مشتمل ہے علاوہ ازیں مختلف مقامات کے علما و ادبا کے حالات اور متعدد علمی ولسانی مباحث بھی اس میں جستہ جستہ مذکور ہیں، جس کے سبب سے اس کی افادی حیثیت دوبالا ہو گئی ہے، اور یہ اس قابل ہے کہ تصحیح کے ساتھہ شایع کیا جائے

۲۴۔ گلشن بیخار (شیفتہ) قلمی

یہ تذکرہ نواب مصطفی خان شیفتہ، متوفی ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ع) نے آغاز ۱۲۴۸ھ (جون ۱۸۳۲ع) میں شروع کیا اور آخر ۱۲۵۰ھ (اپریل ۱۸۳۵ع) میں دو سال کی کوشش کے بعد ختم کیا ہے چونکہ مصنف کا مقصود عمدہ اشعار جمع کرنا تھا، اس بنا پر اس میں گنے چنے شعرا بار پا سکے ہیں جن کی مجموعی تعداد ۶ ہے (۱)

یہ تذکرہ پہلی بار مطبع لیتھو گرافک دھلی اخبار آفس میں مولوی محمد باقر (والد شمس العلما محمد حسین آزاد دھلوی) کے اھتمام سے ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ع) میں چھپ کر شایع ھوا دوبارہ دلی کے اردو اخبار پریس میں ۱۲۵۹ھ (۱۸۴۳ع) میں طبع ھوا اول الذکر ایڈیشن کا ایک نسخہ کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں، اور دوسرے ایڈیشن کا رضا اکاڈمی رامپور کے کتابخانے میں محفوظ ہے

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں ایک قلمی نسخہ بھی ہے، مگر یہ مطبوعہ نسخے کی نقل ہے، جسے حافظ نصیرالدین خلف حافظ محمد

(۱) فہرست کتابخانہ بانکی پور ۸، ۱۵۹

سے نہیں ہے کہ اس سنہ سے چند سال قبل کار ترتیب انجام کو پہنچا، اور اس کے چند سال بعد، جب کہ دہلی میں مرزا محمدسلیم بہادر، بہادرشاہ ثانی کے لقب سے اور لکھنؤ میں بر ادر امجد علی شاہ کے لقب سے برسرحکومت تھے، یہ دیباچہ لکھا گیا پر ناحال ۶ ربیع الثانی ۱۲۵۸ھ (۱۷ مئی ۱۸۴۲ء) کو تخت نشین ہوئے تھے، بنا بریں یہ دیباچہ بھی اس سال کے بعد لکھا گیا ہوگا

شیخ امام بخش ناسخ، متوفی سنہ ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ء) کو مطلوم اور وصل کے ذکر میں (ورق ۷۴ الف) مغفور لکھا ہے اور شاہ اجمل کے متعلق لکھا ہے کہ

"ا... آنکہ در سنہ ۱۲۶۰ھ ازجہد دنیا سرائے فانی براہ آباد ادیم جاردانی انتقال نمود" (۱۰ الف)

اس سے پتا چلتا ہے کہ ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ء) کے بعد تک مصنف نے کتاب میں اضافے کئے ہیں لہذا دیباچے کو بھی اس سنہ کے بعد لکھا جانا چاہیے

کتاب کے پہلے صفحے پر لکھا ہے:

"تذکرہ ہذا از الف تا یاء از حسن خان صاحب مہجور، ناسخ فارسی، عنایت کردہ جناب مخدومی برادری محمد حسن صاحب سلمہ اللہ تعالی، از بلدہ فارس بر ذائقہ انگریزی"

اس تحریر کا انداز سید محسن علی محسن، مصنف سراپا سخن کے خط سے ملتا ہوا ہے بعید نہیں ہے کہ انہوں نے مذکورہ تذکرہ مرتب کرتے وقت اس نقل کو حاصل کیا ہو

کتاب کا خط نستعلیق ندیما، غلطیوں سے پر، اور کاغذ چند ابتدائی اوراق تک انگریزی اور بقیہ دیسی ساخت کا ہے

مربع یا مثلث کر کے پیش کیا ہے

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تذکرے کی ترتیب سے پہلے، مصنف پانچ دیوان، دو خیالی افسانے، ایک مجموعۂ مثنویات، اور ایک مجموعہ ادعیہ و نقوش و نسخہ جات مرتب کر چکا تھا

دیباچے میں زمانۂ تالیف سے متعلق حسب ذیل جملے ملتے ہیں:

«الله الحمد که در زمان سعادت توامان بادشاه محمد اکبر بادشاه غازی، ولیعهد اعلی حضرت، جنت آرامگاه، شاه عالم بادشاه غازی، خلد الله ملکه، که هنگام ارقام این اوراق بر تخت جهانبانی جلوه افروز کارم سلطانی بودند، در سنه یکهزار و دوصد و پنجاه (١) هجری نبوی ریاض روضه رضوان انتقال فرمود، و حضرت ظل‌الله، جهان پناه، میرزا محمد سلیم بهادر بر تخت جهان افروزی ممکن گشته

و باوران وزارت وزیر الممالک، نواب نصیرالدین حیدر خان بهادر، که این عالی جناب بر بعد مرور سه سی چند از مجر بر این نکره دلبند بعالم بقا شتافت، و بعده عمو من و بعد عمو این فردوس، برادر جناب بهادر، بر مسند وزارت لکهنو رونق [افروز] گشت

و در زمان حکومت کوین وکٹوریه مسرور نداز مجموعه انشای اتباد» (٢ الف و ب)

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تذکرے کی ترتیب کے وقت دہلی میں اکبر شاہ ثانی، لکھنؤ میں نصیرالدین حیدر اور انگلستان میں ملکہ وکٹوریہ حکمرانی کر رہے تھے اکبر شاہ ثانی نے جمادی الثانیہ ١٢٥٣ھ (ستمبر ١٨٣٧ع) میں اور نصیرالدین حیدر نے ربیع الثانی ١٢٥٣ھ (جولائی ١٨٣٧ع) میں چند ماہ کے فرق سے انتقال کیا ہے ملکہ وکٹوریہ ٢ جون سنہ ١٨٣٧ع (١٢٥٣ھ) کو تخت نشین ہوئی تھیں اس

(١) اکبر شاہ ثانی کا سال وفات ١٢٥٣ھ (١٨٣٧ع) ہے کتاب میں ١٢٦ھ مصنف یا کاتب کا سہو معلوم ہوتا ہے

ہوئی ہے اسی صفحے سے نئے ہندسے ڈالے گئے ہیں، جن کی کل تعداد ۳۳ ہے آخر میں ۵ صفحوں کا غلط نامہ ہے

یہ کتاب اب عام طور پر دستیاب نہیں ہوتی

۲۸۔ طبقات شعرای ہند (طبقات) مطبوعہ

یہ تذکرہ بھی مولوی کریم الدین پانی پتی کی تصنیف ہے، جو تذکرۂ حکیم قدرت اللہ خان، گلشن بیخار اور دتاسی کی تاریخ ادب اردو کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے کتاب کے سر ورق پر لکھا ہے:

«تاریخ شعرای اردو کا، شری ایف فیلن صاحب بہادر اور مولوی کریم الدین نے گارسن دتاسی کی تاریخ سے سنہ ۱۱۴۸ عیسوی میں، ترجمہ کیا اور شروع سے تھا شاعروں اردو کے اشعار اور حال بھی دیوان ملاحظہ سے تحقیق کر کے اوس میں مندرج کیا گیا»

اسی صفحے پر انگریزی میں بھی کتاب اور مصنف کا نام لکھا ہے، اور اس انگریزی عبارت میں بھی تصریح کی ہے کہ کتاب خاص طور پر دتاسی کی تاریخ سے ترجمہ کی گئی ہے

دیباچے اور خاتمے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۴۷ع (۱۲۶۳ھ) میں مصنف نے اس کام سے فراغت حاصل کی تھی کتاب کے اندر بھی جگہ جگہ انہیں ہجری اور عیسوی سنوں کو «سال رواں» بتایا ہے مگر سرورق پر سنہ ۱۸۴۸ع میں ترجمے کا ختم ہونا ظاہر کیا ہے غالباً کتاب ۱۸۴۷ع کے آخر میں اختتام پذیر ہوئی ہوگی، اور ۱۸۴۸ع میں چھاپنا شروع کیا گیا ہوگا اسلیے آخری سنہ کو طباعت کا سال قرار دینا زیادہ موزوں ہوگا

کتاب خود مصنف نے مطبع العلوم مدرسۂ دہلی میں سید اشرف علی کے اہتمام سے طبع کرائی تھی اس اڈیشن کا ایک نسخہ پبلک

۲۷ گلدستۂ نازنینان (گلدسته) مطبوعہ

یہ تذکرہ مولوی کریم الدین ابن سراج الدین پانی پتی کی تصنیف ہے، جس میں ۳۸ ریختہ گو شاعروں کے مختصر حالات اور طویل انتخابات درج ہیں

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذی الحجہ ۱۲۶۰ھ (دسمبر ۱۸۴۴ع) میں یہ کتاب ختم ہوئی اور صفر ۱۲۶۱ھ (فروری ۱۸۴۵ع) میں چھپنا شروع ہوا خاتمے میں ۲۳ رجب ۱۲۶۱ھ (۲۹ جولائی ۱۸۴۵ع) کو چھاپے کا اختتام لکھا ہے چونکہ کتاب کے اندر دو ایک جگہ ۱۲۶۱ھ کو "اس زمانہ" کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھپتے وقت بھی کتاب میں اضافے کیے ہیں

مصنف نے آغاز تالیف کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا مگر ناسخ، متوفی ۱۲۵۴ھ، کے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ

> "دو تین برس ہوئے کہ اس جہان فانی سے طرف عالم جاودانی کے رحلت کی"

اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ۱۲۵۶ھ یا ۱۲۵۷ھ میں کتاب زیر تالیف تھی لیکن یہاں یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ مصنف کو ناسخ کے سال وفات کی صحیح اطلاع نہ ملی ہو اور اس نے "دو تین برس" صرف تخمینے سے لکھ دیے ہوں

کتاب کے شروع میں شاہ ظفر، اونکے ولیعہد، اور زمرے کے کلام کا انتخاب مندرج ہے جو ۲ صفحوں پر ختم ہوا ہے اس کے بعد ایک صفحے پر فہرست مضامین ہے بعد ازاں کتاب کا سرورق ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطبع رفاہ عام میں اس کی طباعت

مختلف شاعروں کے اشعار جمع کر کے، خود ہر شاعر کے بارے میں ایک یا دو تعارفی سطریں بھی لکھ دی ہیں

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے دس سال کی مدت کے بعد ۱۲۶۹ھ کے آغاز (۱۸۵۲ کے اختتام) میں اس کو ختم کیا تھا مگر اسی دیباچے میں ذکر کی ہوئی ایک منظوم تاریخ سے ۱۲۶۷ھ (۱۸۵۰-۵۱ع) برآمد ہوتے ہیں اس صورت میں یا تو یہ ماننا پڑےگا کہ کتاب کا اختتام ۱۲۶۷ھ میں ہو چکا تھا، اور ایندہ دو سال حک و اضافے میں گزرے، یا یہ کہ ۱۲۶۷ھ میں کام کے ختم ہو جانے کے گمان پر تاریخ پہلے سے کہلی گئی تھی

یہ کتاب ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۱ع) میں منشی نولکشور نے اپنے لکھنؤ کے مطبع میں، جو رکاب گنج میں راجہ بختاور سنگھہ کے مکان کے اندر واقع تھا، ۲۰۴ صفحوں پر چھاپ کر شائع کی تھی اس چھاپے کا ایک نسخہ ہمارے یہاں موجود ہے اس کی ایک قلمی نقل بھی کچھہ عرصہ ہوا خریدی گئی ہے، جو ۷ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ (۲۰ ستمبر ۱۸۶۳ع) کو اتوار کے دن ہوشنگ‌آباد میں تیار کی گئی تھی اس نسخے کے کاتب نے شاعروں کے حالات ترک کر دیے ہیں، جس کے سبب سے اس کا فائدہ محدود ہو گیا ہے

مختصر سیر ہندوستان، مطبوعہ

حکیم وحیداللہ بن سعداللہ بداونی کی تالیف ہے، جس میں بادشاہوں وزیروں، عالموں، صوفیوں، طبیبوں اور شاعروں کے حالات فارسی زبان میں مندرج ہیں

دیباچۂ کتاب کے مطابق «تاریخ نو» سے اسکا سال تالیف ظاہر

لائبریری، رامپور، میں اور اوس کی نقل کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں موجود ہے شروع میں شعرا کی فہرست ۲۶ صفحوں پر دی ہے اس فہرست کے بعد نئے نمبر شمار ڈال کر تذکرے کا آغاز کیا ہے، جو ۴۰۵ صفحوں پر ختم ہوتا ہے

۲۹- تاریخ فرخ آباد قلمی

یہ سید ولی اللہ فرخ آبادی کی تصنیف ہے، جس میں والیان فرخ آباد، رؤسا، علما، شعرا اور فقرا کے حالات لکھے گئے ہیں

کتاب کے اندر تاریخ تصنیف کا ذکر نہیں آتا ہے البتہ سید شاہ محمد زاہد دہلوی کے فرزند، چھوٹے صاحب، کے متعلق لکھا ہے کہ اونہوں نے ۲۸ صفر ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ع) کو وفات پائی اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس سال کے بعد کتاب ختم ہوئی ہوگی

اس تاریخ کا ایک عمدہ قلمی نسخہ حافظ احمد علی خاں صاحب مرحوم کے کتابخانے میں، اور اوس کی پراغلاط نقل کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں موجود ہے میں نے جو اقتباسات حاشیوں میں لکھے ہیں وہ حافظ صاحب مرحوم کے نسخے پر مبنی ہیں

۳- سراپا سخن (سراپا) مطبوعہ

یہ تذکرہ سید محسن علی محسن، (۱) ولد سید شاہ حسین حقیقت لکھنوی (۲) کا مرتبہ ہے، جس میں انسانی اعضا کے عنوانوں کے ماتحت

---

(۱) تذکرہ سمسخن (ص ۴۲) میں محسن کا ذکر اون شاعروں کے ذیل میں کیا ہے، جو ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ع) سے پہلے انتقال کر چکے تھے

(۲) یہ وہی حقیقت ہیں جن کے متعلق مصحفی نے اپنے تذکرہ ہندی گویاں (ص ۸۶) میں لکھا ہے کہ

جانے ہیں سب کہ ایک دن سے یاں مصحفی کے تذکرے کا شور ہے
تذکرہ یہ جو حقیقت نے لکھا ہے حقیقت مصحفی کا چور ہے

۳۳۔ گلستان سخن (گلستان)، مطبوعہ

یہ تذکرۂ شعرای اردو صاحب عالم مرزا قادر بخش صابر دہلوی کی تالیف ہے دیباچے میں لکھا ہے کہ یکم شعبان ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۴ع) کو اس کا آغاز ہوا، اور چونکہ اس کا اختتام برس دن سے پہلے کسی طرح ممکن نہیں تھا، اس لیے نظام الدین ممنون کا مجوزہ تاریخی نام «گلستان سخن» رکھا گیا، جس سے ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۵ع) برآمد ہوتے ہیں خاتمے میں فرماتے ہیں کہ آخر ماہ شوال ۱۲۷۱ھ میں اتمام پایا اس حساب سے تالیف میں ایک برس دو مہینے صرف ہوئے

کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ دراصل اس تذکرے کے مصنف امام بخش صہبائی ہیں اس قسم کی رائیں حسن ظن اور صاف دلی سے بعید اور پچھلے بزرگوں پر بغیر کسی دستاویزی شہادت کے سخت نکتہ چینی کا موجب ہیں، اس لیے میں اس کے ماننے پر آمادہ نہیں ہوں

سرورق کے مطابق اس کی طباعت ۱۲۷۱ھ ہی میں دہلی کے مطبع مرتضوی میں حافظ محمد غیاث الدین کے اہتمام سے ہوئی تھی

کتابخانۂ عالیۂ رامپور کے نسخے کے شروع میں، مولوی مہدی علی خان مرحوم، تحویلدار کتابخانہ، نے شعرا کی فہرست اپنے قلم سے لکھ کر شامل کر دی ہے اس میں متعدد جگہ امیر مینائی مرحوم کے قلم سے اضافے بھی ہیں، اور فہرست کے سرورق کے بالائی گوشے میں خط امیر مینائی مرحوم یہ بھی لکھا ہے کہ «اسمای متحد میان این تذکرہ و تذکرۂ گلشن بیخار ۶۶»

۳۴۔ سخن شعرا (سخن)، مطبوعہ

یہ تذکرۂ شعرای اردو، مولوی عبدالغفور خان بہادر نساخ، متوفی

ہوتا ہے، جو ۱۲۶۷ھ (۱۸۵۰ع) ہے لیکن کتاب کے آخر میں اصل کتاب کے اختتام کے بعد چند منظوم تاریخیں چھپی گئی ہیں، جن میں سے ایک راجہ بھرتپور کے سال انتقال ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ع) کو ظاہر کرتی ہے اور سید حسن عرف میرن صاحب ابن مولانا سید دلدار علی صاحب مجتہد کو لکھا ہے کہ «در وقت تالیف این اوراق ازین جہان فانی بعالم جاودانی انتقال فرمودند»

میرن صاحب نے ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۶ع) میں وفات پائی ہے اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے کتاب کے اندر بعد میں بھی اضافے کیے ہیں

طباعت کتاب، مطبع [illegible] حیدری، [illegible] میں عمل میں آئی ہے اور «تمت بالخیر» کے بعد مالک مطبع کے والد مرزا محمد ابراہیم بن حاجی محمد مہدی ملتانی صدیقی کی تاریخ وفات ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۶ع) درج ہے

۳۲- تاریخ جدولیہ (جدولیہ)، مطبوعہ

یہ کتاب مسمی جامع علی بن [illegible] مولوی شیخ امام علی فاروقی سندیلوی کی تصنیف ہے جس میں بالفاظ مؤلف:

> «بادائی آفرینش [illegible] جدول کے، جس [illegible] ہر [illegible] اور [illegible] تاریخ [illegible] اور جو وقائع اہم [illegible] ہوں، [illegible] ۱۲۶۹ھ [illegible] ۱۸۵۳ع [illegible] کر کے نام [illegible] رکھا»

ان مضامین میں سے اٹھارویں کے اندر [illegible] کے مختصر حالات لکھے ہیں کتاب کی طباعت مطبع [illegible] میں ۱۲۷۰ھ میں شروع ہوکر ۱۲۷۲ھ میں تمام ہوئی تھی۔ آخر [illegible] اور صفحات ۹۱ ہیں

و عین الاخبار میں چھپی تھی اس اڈیشن کا ایک نسخہ کتابخانۂ
عالیۂ رامپور میں موجود ہے

۳۶۔ انتخاب یادگار، مطبوعہ

یہ تذکرہ منشی امیر احمد امیر مینائی، متوفی ۱۳۱۸ھ (۱۹ء) نے
مرتب کیا ہے، جس میں رامپور کے وطنی اور دربار رامپور کے متوسل
شاعروں کے حالات اور منتخب کلام درج ہے شروع میں والیان
ریاست رامپور کے حالات اور منتخب کلام جدا جدا صفحوں کے ساتھ
لکھا ہے، جس کے باعث کتاب دو حصوں میں منقسم ہو گئی
ہے

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ۱۲۸۹ھ میں شروع کر کے
۱۲۹ھ (۱۸۷۳ء) میں ختم کی گئی تھی آغا علی تقی صاحب کی تقریظ
سے ظاہر ہوتا ہے کہ «ہنگام تمامی ۱۲۰ شعرا کے نام تھے مگر
چھپنے میں تاخیر ہوئی آواب الدولہ نواں، گوبند لال صبا، شیخ امیراللہ
تسلیم وغیرہ ملازمین میں شامل ہوئے، لہذا چھپنے کے وقت تک ۱۵ م
شعرائے نازک خیال کے نام اس تذکرے میں داخل ہوئے»

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۲۹ھ کے بعد بھی اضافے کیے گئے
ہیں چنانچہ منیر شکوہ آبادی کے ایک تاریخی قطعے سے ۱۲۹۲ھ(۱۸۷۵ء)
برآمد ہوتے ہیں، جو مدعای ماسبق کی دلیل ہے

کتاب کا چھاپا تاج المطابع، رامپور، میں ۲۴ ذیحجہ سنہ ۱۲۹۷ھ کو تمام
ہوا تھا اس کا سائز اوسط اور صفحات کی تعداد ۱۶۸ اور ۶ ۴ ہے

۳۔ جریدہ لعلوم (جریدہ ، مطبوعہ

یہ منشی درگا پرساد نادر سرہندی کا مرتبہ تذکرۂ شعرای اردو

سنہ ۱۳۰۶ھ، کا مرتب کردہ ہے، جسے موصوف نے بارہ برس کی مسلسل کوشش کے بعد ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۴ع) میں انجام کو پہنچا کر، "سخن شعرا" تاریخی نام رکھا ہے

لیکن کتاب کے بغور مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ع) تک مصنف نے حاشیے میں معلومات کا اضافہ کیا ہے حاشیہ نسیم کا سال وفات ۱۲۸۲ھ (۱۸۶۵ع) آزردہ و غالب کا سنۂ وفات ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۹ع) اور سنہ ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ع) خود مصنف نے کتاب کے اندر لکھا ہے تمکین کے متعلق حاشیے پر لکھ دیا ہے کہ اسے ۱۲۸۸ھ میں انتقال کیا ہے داغ کا تذکرہ حالیہ ضمون میں کر کے تحریر کرتے ہیں کہ ۱۲۸۸ھ میں انکا انتقال ہو گیا

خاتمۃ الطبع میں مندرج ہے کہ نولکشور کے لکھنوی پریس میں رمضان ۱۲۹۱ھ (اکتوبر ۱۸۷۴ع) میں اس کا چھاپنا تمام ہوا ہے کتاب کا باب معمولی کتابی اور صفحات کی تعداد ۵۸۲ ہے

۲۵- تذکرہ سخن (تذکرہ) مطبوعہ

یہ تذکرہ مولوی عبدالحی صفا بدایونی نے اردو زبان میں اون ریختہ گو شاعروں کے متعلق لکھا ہے، "جو سنہ ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ع) تا اوس کے بعد رونق افزای عالم هستی تھے اور جن حضرات نے کہ سنہ ۱۲۸۸ھ سے پہلے اس دار فانی کو خیرباد کہا، اون کا کلام و حال درج تذکرہ ہوا البتہ دیباچے کو شعرای ماسبق کے کلام سے زینت دی گئی ہے (ص ۱)"

دیباچے کی تصریح کے مطابق، ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۲ع) میں یہ کتاب تمام ہوئی، اور دلاور علی کے اہتمام سے مرادآباد کے مطبع امدادالہند

نواب سید صدیق حسن خان بہادر، متوفی سنہ ۱۳۰۷ھ (۱۸۹۰ع)، نے «ریاض المرتاض» اور «خطرۃ القدس» کے بعد مرتب کیا ہے دیباچے میں لکھا ہے کہ مذکورۂ بالا دونوں کتابوں کے خاتموں میں صوفیا کے جو حالات درج کیے تھے، انھیں کو یکجا کر کے ایک نئی کتاب کی شکل دیدی گئی ہے خاتمۂ کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کتاب میں کسی خاص ترتیب کا لحاظ بالکل نہیں کیا گیا ہے، بلکہ جو نام جسوقت جس جگہ لکھہ گیا تھا، اسے وہیں رہنے دیا ہے (۱۳۷)

سنۂ تالیف کے تذکرے سے دیباچہ و خاتمہ خالی ہیں، مگر اپنے حالات میں لکھا ہے کہ ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ع) سے ایک کم اٹھائیس برس گزر چکے ہیں تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول ہوں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ع) میں کتاب ختم ہوئی تھی (۲۳) چنانچہ آئندہ صفحے پر یہی سال صراحتاً ذکر کیا گیا ہے

کتاب کی طباعت ۱۲۹۸ھ میں بھوپال کے مطبع شاہجہانی میں ہوئی ہے کتاب کا سائز فلس کیپ اور صفحات بشمول غلط نامہ ۲۵۹ ہیں

۳۹۔ شمع انجمن (شمع) مطبوعہ

یہ فارسی گو شعرا کا تذکرہ بھی نواب سید صدیق حسن خان بہادر کا مرتبہ ہے اس کے دیباچے یا خاتمے میں سنۂ تالیف مذکور نہیں ہے لیکن مؤلف نے اپنے ذکر میں لکھا ہے کہ میں ذیقعدہ ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ع) میں کلکتے گیا تھا، اور ۲ ماہ ۲ یوم وہاں رہ کر واپس بھوپال پہنچا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم ۱۲۹۳ھ میں ان کی بھوپال کو واپسی ہوئی تھی اور چونکہ مطبع شاہجہانی بھوپال میں اسی سال

ہے، جو ۱۸۷ع میں شروع، ۱۸۷۱ع میں ختم اور پھر کچھ وقفے کے بعد ۱۸۷۵ع میں صاف کیا گیا تھا

خاتمے میں مصنف نے اپنا حال لکھتے ہوئے آخر سنہ ۱۸۷۷ع لکھا ہے، اور دوران طباعت میں، جو ۱۸۷۹ع کا واقعہ ہے، جابجا حواشی پر کیے ہیں

یہ کتاب، قاضی نورالدین فائق گجراتی کے تذکرے کا خلاصہ ہے، جس میں اور تذکروں سے بھی چند گجراتی شاعروں کے حالات اضافہ کیے گئے ہیں مصنف معانی و بیان و بلاغت وغیرہ علوم کے مباحث جگہ جگہ درمیان میں ذکر کرتا گیا ہے، جس کی وجہ سے اس کا حجم ۲۷ صفحوں کا ہو گیا ہے

اس کا پورا نام «خزینۃالعلوم فی متعلقات المنظوم» خطاب «گلدستۂ نادرالافکار»، اور عرف «تذکرۂ شعرای دکن» ہے سرورق سے معلوم ہوتا ہے کہ نومبر ۱۸۷۹ع میں لاہور کے مطبع محمدی عام میں اس کی طباعت ہوئی ہے

اس تذکرے کے دیباچے سے، محبوب سعدا کے متعلق یہ چلتا ہے کہ «فائق کے چھوٹے بھائی، میر حفیظ اللہ خان تسکین نے اس پر حاشیہ لکھا تھا، جس سے ۱۲۸۲ھ (۱۸۶۵ع) کا احوال معلوم ہوتا ہے ابومحمد نے بھی ایک دو جگہ حاشیہ لکھا» یہ حواشی بالعموم سنین وفات ظاہر کرتے ہیں، اور اکثر الحمرت عربیء اردو کے مطبوعہ نسخۂ محبوب شعرا میں مفقود ہیں

۳۸- تقصار جودالاحرار (تقصار) مطبوعہ

یہ تذکرہ، جو مقدمین و متاخرین صوفیا کے حالات پر مشتمل ہے،

اس کی طباعت بھی مطبع سابق الذکر میں ہوئی ہے، اور سال طباعت ۱۲۹۷ھ ہے

۴۲۔ آبحیات، مطبوعہ

یہ شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد دھلوی، متوفی ۱۳۲۸ھ (۱۹۱۰ع)، کی تصنیف اور تاریخ ادب اردو پر پہلی کتاب ہے گو اس میں تاریخی تسامحات پائے جاتے ہیں، مگر اس کی عبارت کی لطافت اور شوخی ان سب پر پردہ ڈالے ہوئے ہیں اس کا پڑھنے والا یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ خود اون شعرا کی مجلس میں بیٹھا ہوا ہے، جن کے حالات پڑھتے وقت اوس کے پیش نظر ہیں

اس کے پہلے اڈیشن کا ایک نسخہ کتبخانۂ عالیۂ رامپور میں محفوظ ہے یہ ۱۸۸۰ع (۱۲۹۷ھ) میں لاہور کے وکٹوریہ پریس میں سید رجب علی شاہ کے اہتمام سے چھپا تھا کتاب کے صفحات کی تعداد ۵۰۰ ہے ذوق کے تذکرے میں ۲ ورق بلا ہندسوں کے شامل کیے گئے ہیں ان کو سابق مجموعے میں جوڑنے سے ۵۱۰ صفحات ہوتے ہیں سرورق سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس کی ۱۰۰۰ جلدیں چھپوا کر ایک روپیہ فی نسخہ قیمت مقرر کی تھی امتداد زمانہ سے کاغذ کا رنگ گہرا بادامی ہو گیا ہے، اور آخر اوراق بوسیدہ ہو چکے ہیں زیر بحث حواشی میں آبحیات کے بارھویں اڈیشن کے حوالے دیے گئے ہیں

۴۳۔ طور کلم (طور)، مطبوعہ

یہ سید نورالحسن خان بن نواب سید صدیق حسن خان بہادر کی تصنیف ہے، جسے مصنف نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے پہلا حصہ

اس کی طباعت بھی ہوئی ہے، اس سے یہیں ہے کہ آغاز سال میں یہ تذکرہ ختم ہو چکا تھا بلکہ اغلب یہ ہے کہ سفر کاکرہ سے قبل اس کی تالیف کا کام انجام پا چکا ہوگا واپسی پر کتابت کے وقت نئی باتیں بڑھا دی ہیں

کتاب مختلف رنگ کے رنگین کاغذوں پر چھپی ہے اس کے آغاز میں فہرست شعرا اور آخر میں توسلیں رئاسب کی تقریظیں اور تاریخی قطعات مندرج ہیں

۳۔ صبح گلشن (صبح)، مطبوعہ

یہ سید علی حسن خاں بہادر (سابق ناظم ندوۃالعلما، لکھنؤ)، متوفی ۱۳۵۵ھ (۱۹۳۶ع)، کا مؤلفہ تذکرۂ شعرای فارسی ہے، جو حسب تصریح دیباچہ ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ع) میں لکھا گیا تھا مگر خاتمے سے پتا چلتا ہے کہ غرۂ ذیقعدہ ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ع) کو اس کا آغاز اور آخر جمادی الاولی ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ع) کو اختتام ہوا ہے اندرونی شہادتیں بھی اسی کی مؤید ہیں

یہ تذکرہ بھی مطبع شاہجہانی بھوپال میں آخر شوال ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ع) میں چھپ کر شائع ہوا ہے

۴۔ روز روشن (روز)، مطبوعہ

یہ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے مظفر حسین صبا گوپاموی نے تصنیف کیا ہے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ غرۂ شعبان ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ع) میں مصنف نے اس کی ترتیب کا کام شروع کیا، اور حسب تصریح خاتمہ، ۲۹ ربیع الاول ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ع) کو ختم کر دیا

تاریخ تصنیف کے سلسلے میں اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ مولف نے ۱۸۹۱ع میں اس کام کو شروع کیا تھا، اور ۱۹۰۷ع میں اس کی پہلی جلد کو چھاپا۔ چوتھی جلد، جو مولف کی زندگی میں آخری مطبوعہ جلد تھی، ۱۹۲۶ع میں طبع ہوئی تھی۔ اب خدا بہتر جانتا ہے کہ چھٹی جلد کب شائع ہوگی۔

۴۶۔ محبوب الزمن (محبوب)، مطبوعہ

یہ تذکرہ شعرای دکن کے حالات پر مشتمل ہے۔ مولف کا نام مولوی عبدالجبار خان صوفی ملکاپوری براری ہے۔ کتاب کا آغاز ۱۳۲۵ھ (۱۹۰۷ع) میں ہوا تھا، اور ۱۳۲۹ھ (۱۹۱۱ع) میں انجام کو پہنچی ہے۔ اس میں اردو کہنے والے اور فارسی کہنے والے دونوں قسم کے شاعروں کے حالات یکجا جمع کر دیے گئے ہیں، گویا یہ حیدرآباد کی شاعری کا مجمع البحرین ہے۔

کتاب کی طباعت ۱۳۲۹ھ میں مطبع رحمانی میں ہوئی ہے، اور دو جلدوں میں اس کو تقسیم کر دیا گیا ہے۔

۴۷۔ اصحاب زرین (اصحاب)، مطبوعہ

یہ سید راس مسعود مرحوم کا انتخاب کیا ہوا مجموعۂ اشعار شعرای اردو ہے۔ چونکہ ہر شاعر کے کلام کے ذیل انھوں نے مختصر حالات بھی لکھے ہیں، اس لیے اس کو تذکرہ قرار دیا گیا ہے۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶ اگست ۱۹۲۱ع (۱۳۳۹ھ) کو یہ ختم ہوا، اور سنہ ۱۹۲۲ع میں نظامی پریس بدایوں میں چھپ کر شائع ہوا۔

۴۸۔ گل رعنا (گل)، مطبوعہ

یہ تذکرہ مولوی عبدالحی، ناظم ندوۃالعلما، متوفی ۱۳۴۱ھ (۱۹۲۳ع)

اردو گو شاعروں سے، اور دوسرا ہندی کہنے والوں سے متعلق ہے
خاتمے سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ۱۲۹۷ھ میں تصنیف اور
۱۲۹۸ھ میں احمد خان صوفی کے مطبع مفید عام آگرہ میں طبع ہوئی
ہے

۴۴۔ بوستان اودھ، مطبوعہ

یہ کنور درگا پرشاد مہر سندیلوی کی مصنفہ تاریخ سلاطین اودھ
ہے اس میں ہر بادشاہ کے تذکرے کے آخر میں اوس کے عہد کے
مشہور شعرا کا حال بھی لکھا گیا ہے
دیباچے یا خاتمے میں تاریخ تصنیف کا حوالہ نہیں ہے، لیکن صفحۂ ۴۲
پر ۷ مئی سنہ ۱۸۸۸ع (۱۳۰۵ھ) کو «امروز» سے تعبیر کیا ہے
یہ کتاب سنہ ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۲ع) میں مطبع دبدبۂ احمدی (لکھنؤ)
سے چھپ کر شائع ہوئی تھی

۴۵۔ خمخانۂ جاوید (خمخانہ)، مطبوعہ

یہ تذکرہ لالہ سری رام دہلوی، متوفی ۱۹۳۰ع کا مرتبہ ہے، اور
اپنی ضخامت کے لحاظ سے اسیا اسکو تذکرہ کہلانے کا مستحق ہے
دیباچے سے پتا چلتا ہے کہ مصنف نے اسے ۵ جلدوں میں تقسیم
کرنے کا قصد کیا تھا ان میں سے ۴ جلدیں اون کی زندگی میں چھپ کر
شائع ہوچکی تھیں تتمہ کا مسالا اکھٹا کر لیا گیا تھا کہ اون کا انتقال ہوگیا
مکرمی پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی نے اس کی تکمیل کا
بیڑہ اٹھایا، اور سنہ ۱۹۴۰ع میں اس کی پانچویں جلد چھاپ دی لیکن
یہ حرف ش کے شروع سے حرف ع کے آخر تک پہنچی ہے اس
لحاظ سے ابھی کم از کم ایک جلد اور چھپےگی، تب یہ تذکرہ تمام ہوگا

۱۹۲۴ء میں مرتب کر کے شائع کیا اس کتاب کے دو حصے ہیں حصۂ اول کے ۲۲۴ صفحے ہیں اور یہ محبوب المطابع دھلی میں ۱۹۲۴ء میں چھپا تھا دوسرا حصہ ۶۵۲ صفحات پر مشتمل ہے، اور سنہ ۱۹۲۸ء میں جامعہ پریس سے چھپ کر شائع ہوا ہے

۱۵- آثارالصنادید (آثار)، مطبوعہ (۱)

یہ کتاب دھلی کے آثار قدیمہ کی تاریخ ہے، اور ہندوستان کے مشہور مصلح قوم، سر سید احمد خاں، متوفی ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۸ء) کی تالیف ہے

کتاب کے مختلف بیانات کی روشنی میں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۲۶۱ھ میں اس کی تکمیل ہوئی ہے مگر سنہ ۱۲۶۲ھ اور ۱۲۶۳ھ میں بھی مصنف نے اس میں اضافے کیے ہیں

مصنف نے اسے چار بابوں میں تقسیم کر کے، ہر باب کو ایک حصے یا جلد کی طرح جداگانہ ہندسوں کے ساتھ مطبع سیدالاخبار دھلی میں ۱۲۶۳ھ (۱۸۴۷ء) میں طبع کرایا تھا یہ ایڈیشن مصور تھا، اور اس کی تصویریں میرزا شاہرخ بیگ اور فیض علی کے ہاتھ کی بنی ہوئی تھیں، اور علاحدہ کاغذ پر چھاپ کر اپنی اپنی جگہ چسپاں کی گئی تھیں

کتابخانے میں اس ایڈیشن کے تین نسخے موجود ہیں جوتھا جس میں دلی والوں کے حالات درج تھے، ضائع ہوگیا ہے میں نے حاشیے میں ہولکشوری ایڈیشن کا حوالہ دیا ہے، جس کا نسخہ ملک لائبریری، رامپور، میں محفوظ ہے

---

(۱) اس کتاب کا تذکرہ نمبر ۱۱ نے مقام پر کر دیا تھا یہاں محض اس کی تلافی مافات کی جارہی ہے

کا مؤلفہ ہے، اور بلندیٔ تخیل اور حسن انتخاب کی بنا پر تمام جدید تذکروں سے بہتر مانا گیا ہے

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۱ء) کو ایک سال کی محنت و کوشش سے اسے مرتب کیا گیا ہے آب حیات کی طرح یہ بھی طبقات پر منقسم ہے، اور اس کے بہت سے مسامحات سے پاک ہے

دارالمصنفین اعظم گڑھ نے اس تذکرے کو چھاپا ہے حواشی میں اس کے دوسرے اڈیشن (۱۳۵۳ھ) کے حوالے دیے گئے ہیں

۴۹۔ قاموس المشاہیر (قاموس)، مطبوعہ

یہ مشاہیر کا تذکرہ ہے، جسے مولانا نظامی بدایونی نے ۱۹۱۵ء میں شروع کر کے سات برس میں تمام کیا ہے

دراصل یہ مسٹر بیل کی انگریزی کتاب موسومہ بہ "AN ORIENTAL BIOGRAPHICAL DICTIONARY" پر مبنی ہے، اسی لیے اس کی ترتیب وغیرہ میں وہ تمام کوتاہیاں موجود ہیں، جو بیل سے سرزد ہوئی تھیں کچھ اسما اور معلومات دوسری کتابوں سے بھی بڑھائے گئے ہیں

اس کی پہلی جلد کا مسودہ ۱۹۲۲ء میں پریس گیا، اور ۱۹۲۴ء میں چھپ کر شائع ہوا اس کے دو سال کے بعد دوسری جلد بھی چھپ گئی اب دوسرے ترمیم شدہ اڈیشن کی تیاری تھی کہ جنگ شروع ہوگئی

۵۰۔ سیر المصنفین (سیر)، مطبوعہ

یہ اردو کے نثرنگاروں کا تذکرہ ہے، جسے مولوی محمد یحییٰ تنہا نے

کتاب کے صفحات ۵۶ ہیں شروع میں ۱۰ صفحے کی فہرست منضم ہے، جس سے کل صفحات کی تعداد ۵۷۰ ہو جاتی ہے

محمد جعفری نے سنہ ۱۹۲۹ء میں ہمدرد پریس دہلی میں، چھاپ کر اس کتاب کو شایع کیا ہے

۵۵- تذکرۂ ریختی، مطبوعہ

یہ تذکرہ، جو ۳۴ ریختی گو شعرا کے حالات پر مشتمل ہے، مولوی سید محمد تمکین کاظمی نے ۱۹۳۰ء (۱۳۴۸ھ) میں مرتب کیا ہے اس کے شروع میں ۲۹ صفحات کا دیباچہ ہے، جس میں ریختی کی ایجاد اور اوسکے افادی پہلو سے بحث کی گئی ہے اس کے بعد تذکرہ نئے صفحوں سے شروع ہو کر صفحۂ ۸۵ پر ختم ہوتا ہے صفحۂ ۸۶ سے فرہنگ محاورات نسواں شروع ہوتی ہے

کتاب شمس الاسلام پریس، حیدرآباد، میں طبع ہوئی ہے

۵۶- جواہر سخن (جواہر)، مطبوعہ

یہ تذکرۂ شعرای اردو دراصل منتخب کلام اردو کی ایک طویل بیاض ہے، جسے مولانا محمد مبین کیفی چڑیاکوٹی نے مرتب کیا ہے چونکہ ہر شاعر کے منتخب کلام کے آغاز میں اوس کی زندگی پر بھی اجمالی نظر ڈالی گئی ہے، اس وجہ سے اس میں تذکرے کی شان پیدا ہو گئی ہے

اس مجموعے کی تالیف ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد، کی فرمائش پر ہوئی ہے، اور اوسی نے ۱۹۳۳ء میں اس کی پہلی جلد اور بعدازاں ۳ اور جلدیں شائع کی ہیں

۵۷- بیاض سخن (بیاض)، مطبوعہ

۵۲- ارباب نثر اردو (ارباب)، مطبوعہ

یہ فورٹ ولیم کالج (کلکتہ) کے ۱۹ نثر نویسوں کا تذکرہ ہے، جسے سید محمد قادری (بی، اے) نے آخر سنہ ۱۳۴۶ھ (۱۹۲۷ع) میں مرتب کیا اور مکتبۂ ابراہیمیۂ حیدرآباد نے اوسی سال چھاپکر شایع کیا ہے اس کے صفحات مع دیباچہ وغیرہ ۹۰۳ ہیں

۵۳- تاریخ ادب اردو (عسکری)، مطبوعہ

یہ تاریخ، رام بابو صاحب سکسینہ کی انگریزی کتاب 'HISTORY OF URDU LITERATURE'' کا ترجمہ ہے، جسے مرزا محمد عسکری صاحب لکھنوی نے ۱۹۲۹ع میں کہیں کہیں بہ اسمت ردوبدل کے ساتھہ مرتب کیا ہے

یہ کتاب دو حصوں اور ایک ضمیمے پر مشتمل ہے، اور مطبع نولکشور لکھنئو نے مصور شایع کی ہے

۵۴- تذکرۂ کاملان رامپور، مطبوعہ

یہ تذکرہ مشاہیر رامپور کے حالات پر مشتمل اور جناب حافظ احمد علی خان شوق رامپوری، (سابق ناظم کتابخانۂ رامپور) کی تصنیف ہے

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولف نے ۱۹۲۵ع سے ۱۹۲۹ع تک اس کتاب کی ترتیب کا کام انجام دیا ہے

چونکہ اس کے بیانات کا ماخذ اکثر و بیشتر زبانی روایات ہیں، اس وجہ سے تاریخی تسامح پایا جاتا ہے، تاہم یہ بےحد قابل قدر ہے کہ اس کے توسط سے سیکڑوں اون علما، صلحا اور شعرا کے حالات منضبط ہو گئے، جو پردۂ گمنامی میں مستور تھے، اور کچھہ عرصے کے بعد ان کے متعلق اتنا علم بھی محال تھا

۵۹- فہرست مخطوطات برٹش میوزیم (بلوم ہارٹ)، مطبوعہ

یہ فہرست ہندی، پنجابی اور ہندوستانی رسالوں کے قلمی نسخوں کی ہے، جسے مسٹر بلوم ہارٹ نے ۱۸۹۹ع میں مرتب کیا اور اسی سال میوزیم کے ٹرسٹیوں کے حکم سے چھپ کر شایع ہوئی

اس میں پہلے ہندی اور پنجابی اور آخر میں ہندوستانی مخطوطے ذکر کیے گئے ہیں ان دونوں حصوں پر ہندسے جدا جدا ڈالنے سے فہرست دو حصوں میں تقسیم ہوگئی ہے دیباچے کے ۱۲، حصۂ اول کے ۸۴، اور حصۂ دوم کے ۹۱ اور پوری کتاب کے ۱۸۷ صفحے ہوئے ہیں

معذرت

ان کتابوں کے علاوہ، بعض دواوین وغیرہ کے دیباچوں کے حوالے بھی دیے گئے ہیں، مگر ان پر کسی طرح کا نوٹ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی

بعض کتابیں بر وقت مطالعے میں نہیں آئیں، اس بنا پر ان کا حوالہ یا تو کتاب ہی میں کسی دوسری جگہ دیدیا گیا ہے، جیسے «سودا» مصنفۂ شیخ چاند، اور یا استدراک کے ماتحت ذکر کردیا گیا ہے، مثلاً «تاریخ نثر اردو» مصنفۂ مولانا احسن مارہروی، «داستان تاریخ اردو»، مصنفۂ مولانا حامد حسن قادری، یا «تاریخ مثنویات اردو» مصنفۂ مولوی جلال الدین احمد جعفری اشاعت ثانی کی نوبت آئی، تو انشاءاللہ اس کی تلافی کردی جائیگی

یہ ۳۳ اردو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے عبدالشکور صاحب شیدا نے سنہ ۱۳۵۵ھ (۱۹۳۶ع) میں حیدرآباد (دکن) سے شائع کیا ہے چونکہ یہ بھی منتخب اشعار کی بیاض ہے، اسوجہ سے شعرا کے حالات پر بہت اجمالی روشنی ڈالی گئی ہے تاہم سنین وفات کی تلاش میں سعی و کوشش نظر آتی ہے

اس کتاب کے شروع میں دیباچے اور فہرست کے ۱۶ اور تعدادان اصل کتاب کے ۲۴۶، کل ۲۵۸ صفحے ہیں

۵۸- فہرست کتابخانہای شاہ اودھ (اشپرنگر)، مطبوعہ

شاہان اودھ کے کتابخانوں کی یہ فہرست ڈاکٹر اشپرنگر نے مولوی علی اکبر بی سی، متوفی ۱۸۵۲ع، کی مدد سے ۱۸۵ع میں مرتب کی تھی ڈاکٹر اسپرنگر کا ارادہ یہ تھا کہ اسی فہرست کو آٹھ بابوں میں تقسیم کریں مگر وہ صرف ۳ باب مرتب کر سکے، جو پہلی جلد کے نام سے کلکتے میں طبع ہو چکے ہیں

اس کے پہلے باب میں فارسی و اردو شعرا کے تذکروں اور دوسرے اور تیسرے باب میں فارسی و اردو شاعروں کی تصنیفات کا بیان ہے آخر میں باب اول کا ضمیمہ ہے، جو ان فارسی تذکروں کی کیفیت پر مشتمل ہے کتاب کے صفحات کی تعداد ۶۵۵ ہے، جس میں ۸ صفحے دیباچے وغیرہ کے اور دو غلط نامے کے شامل ہیں

اس فہرست کے اوس حصے کا ترجمہ، جو شعرای ریختہ کے حالات پر مشتمل ہے، سنہ ۱۹۳۲ع میں طفیل احمد صاحب نے اردو میں کیا تھا، اور اسی سنہ ۱۹۴۳ع میں ہندوستانی اکیڈمی نے «یادگار شعرا» کے نام سے چھاپ کر شائع کر دیا ہے

بسم الله الرحمن الرحیم

(۲ الف) بهترین صنعۀ عودست، وبکوترین حملۀ سعادت حمدخالقی و ثنای صانعی است، که هنگام ابداع بسایط، بصورت حروف مفرده زیور هستی و خلعت وجود اولاً عطا فرمود؛ و وقت اختراع مرکبات از مخلوقات، بنابر استحکام و نظام تراکیب، کلمات را باشکال مختلفه بانشا بنا نمود، که سالکان راه قویم و طالبان صراط مستقیم، باعانت کلام و مددگاریء فهم سخن ملك علام، باندك صرف نمودن اوقات بسر منزل مقصود بآسانی پی برند؛ وبدریافت معانی، که مراد از حصول قرب او، تعالی عز اسمه، است، بهرنحو که خواسته باشند، بسهولت فایز گردند سبحانه، ما اعظم شانه وجل صنعه و بسر ازان فعلی که وسیلۀ (۲ ب) حصول این عطیۀ کبری و واسطۀ وصول بچنین موهبت عظمی از درگاه آن واهب العطایا تواند بود، خواندن درود نامعدود است برحبیب او، محمد رسول‌الله، صلی الله علیه و آله واصحابه وسلم، که ذات کاملش بهمه جهت مبرا از نقصان، وصفات جملۀ او افزون از حد شمار و بیان است؛ وبر آل امجاد و اطهار او که بالاطلاق برگزیدۀ هر دو جهان اند؛ وبر اصحاب اخیار و پیروان ابرار او که از شروع ابتدا بادم اخیر، خلاف مقتدا حرفی از زبان برنیاورده، قدمی براه نگزاشته‌اند، حتی که گردید محبت و ولایت شان از شرایط ایمان

که موافق آن می نویسم و از خطا مصئون مانم ، بلکه میر صدم که در رگانه، (لمولفه)

بدیل عفو نپو سند عیبهای مرا گران کنند بخوبیء خود بهای مرا

با بر مائدهٔ اجر عاملان آیهٔ کریمه «اذا مروا باللغو مروا کراما» سر بك و سامل بوده باشند، و جزای این صفت حمیده از ستار العیوب عافر الذنوب رساند

مقدمه باید دانست که زبان هندی منسوب باهل هند است و وسعت ملك هند از کلکته و ڈهاکه تا قرا باغ نزدیك به قندهار شرقا و غربا، و از کنارهٔ دریای سور تا جبال شمال و آنچه درمیان است جنوبا و شمالاً ، نزد مساحان به نوب نوشته ، چنانچه کشمیر هم داخل بند در همین ملك شمرده می شود و زبان سکنهٔ این ولایت باعتبار وضع صوبجات و قرب و بعد مکانات و اختلاف اناس و اقوام بانحای کثیره واقع شده ، لهذا لهجهٔ هر صوبه و بلاد و محاورهٔ هر قوم و فرقه متفاوت و متغایر است ، و زبان هر یك از آنها نسبت بصاحبش در ملك دیگر «بهاکا» گفته می شود پس زبان مردمان بنگاله را «بنگالی» و اهل پنجاب را «پنجابی» و سکنهٔ دکهن را «دکهنی» میگویند، و علی هذ القیاس و درین رساله، (ه الف) که صرف و نحو زبان هندی دران بیان نموده می شود، نه مراد موافق حقیق زبانهای کثیرهٔ مذکوره است ، بلکه مقصود و مطلوب ازان دریافتن صحت الفاظ خاص و معلومات تراکیب معینهٔ کلامیست که مخصص و موضوع بمحاورهٔ اردوی معلی باشد و بس ، زیرا که بنای تقریر و تحریر تمام اعزهٔ عالیمقدار، و مدار کلمه و کلام جمیع شرفا و نجبای نامدار و شعرای ذوی الاقتدار، که فی زماننا بر مسند اعتبار جا دارند ، بر همین محاوره موقوف است

امابعد درهٔ بمقدار، احقر خاکسار، سر برانوی نکو هنده عملی، احد علی ابن سید احمد علی خان، عفی الله عن جرائمهما، بخدمت عالیء معالیء کا ملان صاحب همت و قدرت، و دوستان صافی طینت و اهل مروت خدیو عرض می‌نماید که چون بعضی عزیزان و سخندان نویسش قواعد صرف و نحو وغیره، بطرز تکه اجرای آنها بزبان هندی موافق محاورهٔ اردو بوده باشد، اکثر تکلیف میکردند، و راقم چون قدرت بحر برآن نمرتبهٔ که بانهٔ این اعتبار را ساید، در خود نمیدید، متامل بود، که درین اثنا جناب رفیع مآب، (۳ الف) والا مناقب، عالی مناصب، کهف الاحباء، مربیء غربا، دانای رسوم آشنایی، سرکردهٔ دقت منشان بزرانی، معین موالیان، ممد مومنان، عمده کسای گره کارسگان، اعنی، جناب مستطاب، معلی القاب، نواب افتخارالدوله، معین الملك، مرزا قمر الدین احمدخان بهادر، صولت جنگ، دام اقباله، المدعو بمرزا حاجی صاحب که اکبر اولاد، وارشد ابنای جان رفیع الشان، علامهٔ زمان، یگانهٔ دوران جناب فخرالدین احمد خان بهادر، المشتهر بمرزا جعفر صاحب مغفورانند، لازال دولته واقباله، بر باصرار فرمودند ناچار امتثالاً للامر بنسوید رسالهٔ پرداختم، و هر قدر که توانستم قواعد مسطوره از فارسی نقل نموده بهندی مطابق ساختم پس مسمی گردانیدم مجموعهٔ مذکوره را به «دستور الفصاحت»، و مرتب نمودم بر ترتیب زانمقدمه و پنج باب و خاتمه اکنون رجای واثق از آگاهان باهمت و قدرت و نکته رسان صاحب مروت و صفوت آنست که اگر بمطالعه و ملاحظه این رسالهٔ مقدر را گاهی بنوازند، درحق این بی بضاعت کمتب اعتراض بمیدان تفصیح نیارند، چرا که هیچ کتابی از کتب این فن و رسائل این هنر، که مفید مطلب (۳ ب) و معین مقصد درین باب میرسد، در نظر ند اسم

حالی بهم رسید، که آنرا زبان تازه (٦ الف) توان گفت، چه نه عربی
عربی ماند و نه فارسی فارسی، و همین قیاس هر «بهاکا» از زبانهای
مروجهٔ هندی نیز بر اصل خود نماند لکن این حالت هم بر نحو واحد،
چنانچه باید، هنوز قرار نگرفته بود، و بمرتبهٔ اعتدال فصاحت که
حالا دارد نرسیده، بلکه از افراط و تفریط، یعنی، از اتصال زبان قومی
دفعه بزبان فرقهٔ دیگر، فرق بین و تغیری آشکارا یافته می شد، تا آنکه
هیچ فقرهٔ و مصرعی ازعیب تنافر و ثقالت بری نبود، و باندك توجه بوی
خامی و قباحت و رنگ تربطی و تجافی از ترکیب آن کلام
دریافت میگردید و مع هذا هر قومی و هر فرقهٔ محاورهٔ خویش را
بر دیگری ترجیح میداد، و بزعم خود بر و تفوق می جست ناچار
عقلا ودانایان چنین قرار دادند که کلمات سنجیده و الفاظ پسندیده،
از هر زبان و هر محاوره که باشد، تصحیح و درستی آنان برچیده،
بوضعی که مقصد مطلب بآسانی و دور از تنافر و ثقالت زبانی بود، در
کلام می آمده باشد، ولغات ثقیله که محدث تنافر و مخل فصاحت اند،
آوردن آنها بهیچ وجهی نسازند، تا کلام از رتبهٔ فصاحت و پایهٔ بلاغت
فرو نیفتد، بلکه خیلی صاف و مانوس طبع و قریب الفهم هر وضیع و شریف بوده
باشند، (٦ ب) و موافق همین قاعده که ضبط گردیده، بدربار سلاطین و
امرا و بارگاه خوانین و وزرا، همه نجبا و شرفا بیکدیگر حرف میزده
باشند چون صورت شاهد این مطلوب بر عرفهٔ استحسان جلوه گری نمود،
نام همین محاورهٔ خاص باردوی معلی شهرت گرفت لکن این زبان
باشروط مذکوره یافته نمی شود مگر در بعضی باشندهای شاهجهان آباد
که درشهر شاه سکونت دارند، یاران اولاد این بزرگواران، گو از چندی
این صاحبان یا اولاد اینها شهرهای دیگر هم رفته، سکونت ورزیده

واردو عبارت است از زبانی که بعد اختلاط و از ساقط الفاظ شحالی و سوالی و برج ، که زبان اصلاح عرب و خوار دار الخلافۀ شاهجهان آباد است ، با کلمات فارسی و عربی و دیگر زبانها، از کسر و انکسار بعالب و تحالف اصلیء هر لغت باصلاح صحبت همدیگر، مثل کیفیت متوسطه، که با عقاد اطبا در مرکبات از معاجن وغیره حادث میگردد ، پیدا شده ساير عیوب جمیع زبانهای مروجه گردیده است، و ثمرۀ حسن و لطافت دران بافته می شود که از روی متانت و وسعت و لطافت و فصاحت پهلو بعربی میزند ، و بکمال(ه ب) صفاو عذوبت بر فارسی تفوق می جوید

وسبب حدوث این زبان بعین است که چون سواد اعظم هندوستان و منافع این زمین منفعت بنیان سبب بافالیم دیگر اوفر، و زر ریزیء این ملك باکناف جهان هویدا واشهر ، و نیز بانۀ سلاطین و امرای این کشور از شوکت و ثروت و همت و سخاوت رفیع و منیع تر از عمائد دولت و ارکان سلطنت اقالیم دیگر است ، بالضروره دانایان دهر و عاقلان عصر و کاملان هرفن و هنر از فضلا و علما و شعرا و نحا، هرجا که بودند ، از اطراف عالم واکناف جهان رو باین سواد اعظم مراد توام آورده ، بمقاصد و مرادات دلخواه رسیدند ، و اکثری از آنها همین زمین ارم تزئین وطن ورزیدند پس از سبب آمد وشد دربار و در پیش شدن معاملات بامردم این دیار، از حرف زدن باین لغت چاره ندیدند باکثر درین صحبت، اینها از آنها و آنها از اینها ، در حین مکالمه ، بقدر کفایت از الفاظ همدیگر می آموختند و کار بر می آوردند چون مدتی برین نحو گذشت و عمری صرف شد ، از امتزاج الفاظ و ارتباط کلمات در یکدیگر

دهند والله عالم

بالجمله آنچه ار محققان سحمق سوسه است که مصرىء حواهر کلمات و بنادىء نمود الفاظ ، (٧ ب) ارمردود و مقبول و مدىن و سحف و مروح و مىروك ، بعد کثرت محاوره و صحت لعب که بر رىان سرفا و نجبا و اعره حارى باسد ، و بالىف سعر بماىب بمام بطور فصاىد اساىده ار فارسى گوىان ، بعلق بمررا محمد رفیع دارد، و ساده گفس سعر ار ىکلف ابهام و دىگر صنعت نامطبوع ، که رسم سعراى دورۀ فردوس آرامگاه بود ، و معنى را قرىب الفهم بوضعى با صفا و مناىب بسىن ، که سامع محتاج سرح و لعت دم اسىماع ىسود ، و درگفىن هر فسم سعر ار قصىده ورباعى و عرل و مرىىه و مىنوى وعىره در هر باب مىسع و مقلد فارسىان بودن ، ىاگراسىۀ مررا حان حان مظهر اسب و باقىه سىدن چند الفاظ مىروکه در کلام سلطان السعرا ، مىل لفظ «سىى» بمعنىء ار و «ىىن» که حسم راگوىند، حواه برورن عىن ، حواه برورن حصن بهر صورت که سطر در آىد و «آنجهو و آنجهوان» که بمعنىء اسك و جمع آن سب و «حنجر» بر ورن حجر ، و «قلق» ساکن الاوسط بمعنىء ىىقرارى و «ىان» بمعنىء ىىر و «هم» بجاى همىے و «ىو» بجاى بوے با «ىىن» بجاى ىمىے و امثال انها که در کلام آن مغفور باقىه مى سوىد ، هرگىز هرگىز موحب ىقص کلام (٨ الف) آن ىعدىل ىىوانىد سد چه آن مرحوم حون اىىداء حود واضع اىن طرز عالم ىسد سده بود ، ودران آوان درالفاظ مىروکه و مسىعمل ىان مرىبه فرق و امىىار حاصل ىىده که کلمات بمام رىان مالا ىحصى ارهم ىىمىر و مىفرق گردىده باسىد ، ناچار الفاظ سىمرده ىصورت اصلى اىران دىوان بلاغت ىىان بر مى آىد حالانکه درآحر وقت حود ، آن حلاق معانى ار اىراد

باشند چنانچه از همین جهت زبان مردمان لکهنؤ، که از قدیم الایام باشندهٔ آن بلده نیستند و نبودند، در زمان حال بفصاحت نزدیکتر از دیگر است سبب عالب آنکه وزیر الممالك نواب آصف الدوله مرحوم در بلدهٔ مذکوره سکونت گزیده بود، و رؤسای شاهجهان آباد، بتوقع ترقی وجه معاش و صنق کوچهٔ تلاش جای دیگر، بیشتر درین جا یکی بعد دیگری وارد شده، راحت خود مشروط باقامت درین شهر یافتند علی الخصوص شعرای شیرین کلام و دیگر خوش بیانان، که مدار محاوره برین بزرگان است، همه به بارگاه وزیر ممدوح حاضر بودند (۷ الف) و مدتها بسر بردند

فایده بدانکه نمیهٔ کلام و تصفیهٔ این زبان فصاحت انجام بمرتبهٔ اعلی که تسمیهٔ اردو را لایق باشد و مختار فصحا و بلغای عصر گردد، ابتداء از دورهٔ فردوس آرامگاه صورت گرفته است چه شاعران و ظریفان سبب بازمنهٔ دیگر درانوقت بسیار بهمرسیدند، و شعررا بطرز خودها می گفتند رفته رفته لطافت این صناعت بتحقیق و بدقیق افصح الفصحاو ابلغ البلغا، خاقانیء عصر، فردوسیء زمان، انوریء دهر، عرفیء دوران، وحید زمانه، محقق یگانه، ملك الشعرای هند، سلطان هر ظریف و رند، مغفور و مرحوم، مرزا محمد رفیع المتخلص به سودا، غفر الله ذنوبه، بمرتبهٔ کمال رسید، تا آنکه شان لطافت و صفای آن بمذاق متاملان منصف برسوکت فارسی چربیده چراکه صورت قصاید را بطرز اوستادان فارسی، اول کسی که بزبان هندی بلوح هستی حسن جلوه داده، همین نقاش معانی بوده است و بعضی تصفیهٔ محاورهٔ اردو را بصفائی که مروج است بمرزا جان جان المتخلص بمظهر، که یکی از مشاهیر صوفیهٔ این عصر گذشته، نسبت

اما چون بتوسط ارتباط الفاظ فارسیه و عربیه در بعض تراکیب گنجایش بر تافت ، تاگزیر به تحریر در آمدند و هر قاعده که در هندی و فارسی مشترک یافته شده ، بدان هم ایما نموده (۹ الف) آمد

و چون معلوم شد که مراد از محاوره زبانیست که بدربار امرا و سلاطین هند ، جمیع شرفا و نجبا و فضلا و شعرا بدان حرف میزنند ، و هر لفظی که دران بتقریر می آید ، آن لفظ لفظ صحیح و مستعمل می باشد ، مثلا اگر عربی یا فارسی یا ترکی است ، ضرور است که آن لفظ ازروی وضع اصل لغت خود صحیح و بامحاوره بوده باشد ، و اگر هندیست ، باید که از روی آن بهاکا که ماخذ آنست بصحت مذکوره داشته باشد و با صحیح باستعمال اهل اردو بود ، مانند لفظ «مکرنا» که مرادف منکر هونا بمعنیء منکر شدنست و «دوانا» که اصلش دیوانه با یای تحتیه است و «رنگنا» بکسر را و سکون نحتیه وغیره و کاف عجمی ونون ممزوج بالف که عبارت از صدای حمار است و اصلش «رینگنا» بکاف تازی ست در زبان برج و دوآبه، و «دلی» بکسر دال وتشدید، زبان زبانیست ، و «صفیل» بتقدیم صاد مهمله بر فا که اصلش فصیل است ، و امثال این الفاظ که بسماعت از زباندانان به ثبوت پیوسته تمام کلمات این محاوره که صرف و مستعمل در تحریر و تقریر می شوند ، باید که بنحوی باشند که بی تکلف و بی تصنع قایل، بر زبان هر صغیر و کبیر و جمیع برنا و پیر از اصناف (۹ ب) مذکوره ، بمقام و محل خودها ، بی گرفته شدن زبان ، زبان زدو مستعمل می شده باشند، تا سامع را بحصول ملکهٔ ، که بکثرت سماعت کلمات موصوفه از سابق حاصل دارد ، وقت استماع در فهم و ادراک کلام تامل و تردد رو ندهد بخلاف اجتهاد بعض بزرگان که فی زماننا فقط نظر براشتهار خویش

حذف الفاظ کراهت مبداست و اتباع خویش را تاکید نهی می نمود اما چون کلام دلاور سایق او، بسبب کمال شهرت، برالسنهٔ صغیر و کبیر بکثرت جاری شده بود، و اخراج این الفاظ ازان خارج الامکان می نمود، لهذا همان صورت باقی ماند بناء علیه از شعرای حال کسی آن الفاظ را در تقریر و تحریر نمی آرد و اگر بیارد، دال بر ناآگاهیء اوست و جماعت مرثیه گویان و منقبت گویان هندی که کلام ایشان سرتاپا از قبایح لفظی و عیوب معنوی مملو و مشحون است، و هرگز ایشان را نظر برآن نیست، بلکه بخربه نسبت خود تمسک بی علم نموده، سند غلطهای خویش عاجز و هوشیار ناهوس و مبرن بی علم نموده، سند غلطهای خویش از کلام ایشها می آرند، و هریك را (٨ ب) امام خود دراین باب میدانند، نیز ائمهٔ خودها از طبقهٔ شعرا خارج اند چه این بی تصراد ندانند که مرثیه هم یکی از اقسام شعراست، بلکه میگویند که چیزی که در شعر روا نیست در مرثیه جایز است الحاصل اگر بنابر حصول سعادت و ثواب تا برای تکمیل کمالات خود از اقسام شعر، کسی از شعرا مرثیه بگویند، لازم است که درین میدان هم برکمیت ارادت راه تلاش نهلند ملك الشعرا خوند، تا راه فصاحت نابی و صحت لفظی و معنوی غلط نکرده باشد

و نیز باید دانست که چون وضع این رساله بنابر دانستن صرف و نحو محاورهٔ اردو است، و اختلاط الفاظ عربی و فارسی در زبان زیاده از حد حصر، بضرورت لازم آمد که این رساله جامع بعض از قواعد فارسیه هم بوده باشد، چرا که اکثر احتیاج می افتد بآن، لهذا باب اول این مقاله بالتمام در همان قواعد نوشته شد هر چند که اکثری ازان در الفاظ هندی من حیث الهندیه بکار نمی آید

وعبر ان در سجا داحل بحث نیست بالجمله مخصص و ممیز حروف ثلثهٔ
هندی در رسم خط صورت طای حطی است که برسر هریك در
کمات مفرده می نگارند ، بالفعله بموفای و مهملدس نذال و ژای هندی مسابه
شوند ، و فاری را نقاط نمکنند اگرچه حروف دیگر از هندی نیز
هستند که در اصل وضع آن لغت مخصوصند ، و حالا بکلمات محاوره
بسیار آمیزش دارند ، لکن چون بنای رنجنه ، که عبارت ازین زبانست،
درسعر وکتابت (۱ ب) هم مطلقا بر تقلید فارسی و فارسی گویان
است ، لهذا آن حروف اعتبار کرده نمی شوند ، بلکه در کلمات و
ورآت تابع فارسی میگردند ، چنانچه لفظ «گهر» بالفتح که بمعنیء خانه
و لفظ «کهر» که بمعنیء سم است ، این هر دو کلمه دراصل زبان
مرکب از دو حرف اند ، که «کها و گها» ورای مهمله است و
«کها و گها» دربهاکای هندی یك حرف است ، و در رسم خط آن
بهاکا تحریر این حروف نیز بحرف واحد ، لکن در کلمات رنجنه ، که
نظر بفارسی است ، بکاف تازی و عجمی و های هوز ورای مهمله
می نگارند از نیجاست که ،در تحریر این نوع کلمات ، سه حرف
نوشته می شوند ، حالانکه دراصل ترکیب این کلمات دو حرف اند

و در حروف مشترکهٔ عامه (۱) همزه هم داخل است و باعتبار
عربی وجودش موجود؛ چه هرچه متحرك است ابتداء و ساکن است بصطلح
زبان ، عرب آنرا همزه خوانند ، والا الف و در فارسی همزه نیز
الف گفته شود لکن زای عجمی را از حروف اربعهٔ فارسیه ، که
مخصص بکلمات اصل خود است ، بخلاف اخوات آن که گاف و با و
جیم فارسی اند ، اکثر فصحا بجیم تازی بدل کرده نیز رفع نقالت

(۱) دراصل «که همزه»

لغات عربیهٔ خارج از محاوره و الفاظ ثقیل را بتکلف در کلام می آرند و سخن را از پایه اش می اندازند و پاس فصاحت از ایوان رفیع می خوبند

فایده بدانکه بنای الفاظ این زبان و کلمات این محاوره ، برسی و شش حرف است ، اگر همزه براسه دراعداد حروف شمار کرده شود، والا برسی و پنج و آن اینست،

ا ، ب ، پ ، ت ، ٹ ، ث ، ج ، چ ، ح ، خ ، د ، ڈ ، ذ ، ر ، ڑ ، ز ، ژ س ، ش ، ص ، ض ، ط ، ظ ، ع ، غ ، ف ، ق ، ك ، گ ، ل ، م ، ن ، و ، ه ، ء ، ی -

و این حروف دو قسم اند، مفرد و مشترك مفرد قسمی راگویند که سوای لغت واحد زبان دیگر نیامده باشد ، چون حروف ثمانیه ، یعنی ، ثا و حا و صاد و ضاد و طا و ظا و عین و قاف که فقط بکلمات عربیه اختصاص دارند، لهذا در الفاظ فارسی هیچ حرف ازین حروف نمی باشد و هر جا که نظر (۱ الف) در آید ، باید دانست که آن لفظ در اصل وضع باین حرف نبوده است ، بلکه برای رفع التباس یا ضرورتی دیگر متاخرین باین وضع آنرا در رسم خط مروج گردانیده اند ، مانند لفظ «صد» «وشصت» و «طپیدن و «طلا» که بمعنیء مائه وستین و بقرار شدن و زر است، و امثال ذلك و ژای عجمی که فقط بالفاظ فارسی خصوصیت دارد وٹای و ڈال و ڑای هندی که هرسه ثقیله اند ، فقط بزبان هندی، یعنی کلمات هندی الاصل ، تعلق دارند باقی همه مشترك اند

مخفی نماند که غرض راقم از عدم اشتراك در دو زبان باعتبار السنهٔ مشهورهٔ مروجهٔ ما مردم است لغت دیگر، مثل الفاظ فرنگی

فارسی است بفارسی و عجمی ، والا تازی و عربی ، و با زا بای
بجائی و نخسه فقط می‌نمایند.

و اعداد حروف هندی و فارسی با مسانه خودها در کتاب
متحد اند، یعنی، عدد ثای هندی فوقانی و ذال هندی مهمله و ژای اینها
هکذا و حروف تازی و فارسی واحد اند در اخراج اعداد خودها،
خواه بطریق زبر باشد ، خواه بطریق بینه زبر طریقی را میگویند که
معروف است ، یعنی ، از الف ابجد تاطای حطی احاد، و از یای حطی
تاصاد سعفص عشرات ، و از قاف قرشت تاطای ضظغ مآت ، و برای
عین هزاراند و طریق بینه آنست که نام هر حرف را ملاحظه نمایند
که از چند حروف ترکیب یافته ، مثلا ، الف که از الف و لام و
فا مرکب است ، حرف اول آنرا گزاشته ، عدد حروف باقی را
(۱۲ الف) حساب نمایند ، چنانچه باین حساب برای الف یکصدوده عدد
مقرر است و بر بین قیاس اند (۱) باقی حروف

(۱) اصل «ایس» بجای «باید»

می‌خوانند و بعضی مردمان بر اصل آن و بعضی (۱۱ الف) خطای بی اصل که خود را قایل و خبری دانند، حای حطی و عین سعفص را در کلام موزون و غیر موزون، برای نمود خود درمجالس، با علان جلی بودنش بموجب قاعدهٔ قرأت بلفظی می نمایند و این همه تکلف بیجا است و گمان آنها سرا سر خطا؛ چه اگر اصل این حرکت چیزی می بود، همه دانایان و فصحای تمام حروف تهجی را در همه کلمه و کلام خود برعایت قوانین قرأت و قواعد تجوید تلفظ میکردند

تخصیص همین دو حرف چه معنی دارد؟

فایده باید دانست که در کتابت چون صورت الفاظ با یکدیگر مشابهت دارد، برای تفرقه از همدیگر اوستادان قیدها مقرر نموده اند، تا رفع التباس گردد چنانچه بای عربی را باعتبار نقطهٔ او که واحد است گاهی بموحده و گاهی بلفظ عربی با(۱) تازی می نویسند، و بائی که منقوط بنقوط ثلثه است، آنرا بفارسی یا عجمی، و آنکه دو نقطه بالا دارد، آنرا بقید مثناة فوقانی یا فقط بفوقانی، و آنکه سه نقطه بالای اوست، آنرا بمثلثه، و جیم منقوط به نقطهٔ واحده را جیم تازی یا عربی، و آنکه سه نقطه دارد، آنرا بجیم فارسی یا عجمی، و حای حطی و دیگر حروف را که نقطه نداشته باشند و با حروف (۱۱ ب) منقوطه بجنس خطی مشابه اند، مهمله و مقابل را معجمه می نگارند، و ٹای هندی و ڈال هندی و ڑای هندی، این هر سه را گاهی به ثقیله و گاهی به هندی تعبیر کنند و بعضی این حروف را بکلمات ابجد تفرقه می‌نمایند، چون، حای حطی و های هوز و تای قرشت و صاد سعفص و ضاد ضطغ و امثال ذلک و کاف را نیز اگر

---

(۱) دراصل، «و بلفظ عربی بای تازی»

فرا گرفته، و شهرهٔ اوستادیء او از قاف تا قاف در رفته. شاعری بود

(هه) و لی تبدیل زد. احوالش مفصل در «تذکرهٔ هندی» تحریر آمد. دیوان کلیات او در ریخته قریب چهل جزو دارد. گاهی فکر شعر فارسی هم می کرد. اشعارش قریب دو سه جزو بنظر رسیده»

مردان علی‌خان مبتلا، در گلشن سخن (۵۶ب) گفته: «سودا، اسمش میرزا محمد رفیع مولد و موطنش دارالخلافه دهلی. اعجوبهٔ زمان و سرخیل ریخته‌گویان هندوستان بوده. در جمیع فنون نظم، خاصه در قصاید دقت بسیار بکار برده. زبان تکیهٔ سحبان مسلم الدوی مشهور، و اشعار لطائف شعارش در خاطر شرق معانی مستندالیه جمهور. اهل مرتبهٔ ریخته‌گویی بجایی رسانید که شاهباز بلند پرواز فکرت به پیرامون او نمی‌تواند پرید، و اسپ جهان‌گرد وهم و خیال بگرد او نمی‌تواند رسید. بالجمله آن مخترع فن تازهٔ اردو شاید تا شصت سال در دهلی بوفا ر عزت و حرمت و روشناسیء وزیر و امیر بسر برد. بعد ویرانی و خرابی آن دیار بدل و حرکت عزیمت کرده، چندی در فرخ آباد نزد نواب احمد خان گذرانید، و بعد وفات او بلکهنو آمد و ساکن گشت. نواب شجاع الدوله بهادر مرحوم کلمات شفقت و مروت بجای مقرر مرعی میداشت. تاحال که سنه یکهزار و یکصد و نود و چهار (است) در لکهنو اقامت دارد. کلیاتش از اقسام سخن بیش هفت هزار بیت خواهد بود»

عاشقی در نشتر عشق (۱۳۳۲الف) می‌گوید: «سودا، میرزا محمد رفیع ابن میرزا محمد شفیع مولدش شاهجهان آباد است. بسبب موزونیت طبع آثار خیال بلاش نظم فارسی می کرد، و از سراج الدین علی‌خان آرزو تخلص اصلاح میگرفت. خان آرزو فرمود که — تا به کلام فارسی از غالب، و زبان تو شما هندی، و هر چند مردم هندی فارسی دانی را بمدارج ارتفاع رسانند، الا با استادان سلف و ایران زمین، که زبان ایشانست، مجرد چراغ پیش آفتاب رتبه دارد. و در ریخته‌گویی تاحال کسی شهرت نیافته. لهذا اگر بایس زبان مشق سخن نمایند، شاید از وصال طبعت سرآمد این دیار گردند.

چون صلاح مستحسن بود، بدل خاطرش افتاد، و از آن روز تکمیل شعر ریخته طبع در داد، و بعد از مشق دراندک فرصت استاد شعرای ریخته‌گو گردید، و بانیء مبانی زبان دانیء ریخته گشت، که جمیع ریخته‌گویان هند وی را امام این فن و پیغمبر سخن می دانستند. اگرچه جمله طرز کلام را استادی بود حاوی، الا در مدح و قدح، که مراد از هجو و قصیده باشد، اعجاز بکار برده، و قصاید ریخته بر قصاید ملاعرفیء شیرازی پهلو به پهلو گفته و بهم رسانیده. غرض که مخترع و موجد این زبان و طرز خاص است که بل او کسی ریخته‌گو را این مرتبه دست نداده، و کسانی که دم ریخته‌گویی می زنند و زبان بان دعوی می گشایند، خوشه‌چین و پروردهٔ اویند که بر آن قدم می نهند.

بعد تخریب دهلی از آمدن مکرر احمدشاه درانی، وطن خود را خیرباد گفته به تماشا برآمد، و در فرخ آباد و لکهنو مدتی گذرانید. هرجا می رفت، مردم آن بلد (باقی)

خاتمه

در تذکر (ه) الشعرا

یعنی ، در بیان اسامی و قدری احوال بعضی از شعرا که بطریق مثال ، کلام فصاحت نظام این بزرگواران درین رساله مندرج گردیده ، تا مطالعه کننده را از حالت و قوت و مرتبهٔ هریك فی الجمله وقوف و آگاهی بوده باشد

و اینان ، باعتبار معلومات فن و قوت طبع و چستیء الفاظ و شیرینیء کلام و شهرت خلق ، سه طبقه می شوند

واکنون شروع می رود بذکر صاحبان طبقهٔ اولی ، یعنی ،

اول از طبقهٔ اولی ، چمن آرای حدیقهٔ فصاحت ، نخل برای گلشن بلاغت، آب و رنگ بوستان سخندانی ، بلبل خوش لهجهٔ گلزار معانی ، امیر فصحا ، سرحلقهٔ ظرفا و بلغا ، ملك الشعرا ، میرزا محمدرفیع المتخلص (۱) سودا ست، (۱۸۷ ب) غفر الله له، که آوازهٔ سخنوریء او عالم را

(۱) گلشن گفتار، ۳۷، نکات ، ٦ب، گردیزی، ۱۴ب، قص، ۴۲ الف، مخزن، ۳۵، همیشه بهار، ۳۲۷، حسن، ٦۲ب، گلزار ، ٦۲ الف، لباب، ۳ ۱، عقد، ۴۹ ب، تذکره ۴۴ الف، نغز، ۱ ، ۴ ۳، شمیم ، ۸۳ب، تاریخ ، ۲۲۲، گلدسته، ٦۵، طبقات، ۹ ۱ سرا ۱، ۹۷ ۳، مختصر ، ۸۸، حدوله، ۱۳۹، شمیم، ۲۵، سخن، ۲۲۲، آبحیات ۱۴۸، طور ، ۵۱، خمخانه ، ۴ ، ۲٦۳، گل، ۱۳۲، انتخاب ، ۸، داوس، ۱، ۳۱۱، ذکری ، ۱۲۷ جواهر، ۲، ۲۴۲، اسپرنگر، ۲۸۵، بلوم هارت، ۲۸

مولوی قدرت الله شوق را وری در تکملة الشعرا (۱۴۷ ب) نوشته؛ «میرزا رفیع سودا تخلص ، متوطن دهلی، از اکمل و اشهر شعرای ریخته گوی هندوستان ست در ریخته گویی عدیل و نظیر خود درخطه هندوستان نداشت، و دم استادی و ملك الشعرائی میزد درغزل و مثنوی ورباعی یکتای وقت خود بود، خصوصا درقصیده گویی سمبل (باقی

ساند، از عهدهٔ آن بیرون آمده، بلکه آن کلام را بمرتبهٔ رسانده
که خوب هیچ موزونی باداى آن نمى رسد غزل را بآن پاکیزگى و
ملاحت ادا نموده که اگر مى بود، صاحب خود داد آن مى داد، و رتبهٔ
قصیده بآن متانت و علو رسانده که عرفى اگر مى خواند، بلمدانه
سر ادب بپایش مى نهاد در اداى حق مدح و منقبت، اگر گویم، گوى
مسابقت از سلمان و ظهورى ربوده، و در ذکر هجو و مذمت، اگر
برشمارم، صدها در تحفهٔ استهزا و تجربه بر روى هزلیات انورى و سنائى
گشوده کلامش بالتمام منصره و سند است جهت جمیع شعرا، و بالنقش
سراسر آئین و دستور است پیش همه بلغا غرض هر چه گفته است،
چنان گفته که کسى نمى تواند گفت قند ریخته که فقط بر محاورهٔ اردوى معلى
منضبط ساخته، و نظم قصیده در زبان طرز فارسیان که مخصوص پرداخته،
همین صاحب کمال بود احسان این صنعت و حق این صنعت بر گردن
جمیع شاعران و قصیده های هند مدام از او باقى است معهذا دیگر اوصاف
و کمالات آن بیعدیل، که با نفس شریف خود جمع داشت، چه گویم؟ از
آداب صحبت ملوک وسلاطین و آگاهى علم موسیقى و طرح نهادن
بر سلام و مرثیه هاى کهنهٔ خود و تهذیب اخلاق و تألیف قلوب و علم
مجلس وغیره (١٨٨ الف) چه هنرها که در ذات کامل الصفات او نبودند؟
مدام بصحبت امرا و وزرا گذرانیده، همیشه بخلاع نفیس و جائزهاى
سنگین از خدمت اینها سرافراز بوده مدتیست که در لکهنؤ سرنت
باگر براحل چسپیده، زندگانیء بى اعتبار را جواب داد، و کلیات ضخیم (١)
که مملو همه قسمها (ى) سخن است، مثل داغ مهاجرت خویش، بر صفحهٔ
روزگار یادگار گذاشت مرقدش در امامباڑهٔ آغا باقر مرحوم، و

---

(١) اصل، «دخیم»

مسلم الثبوت بهر قسمی از کلام که دست انداز شده ، چنانچه باید و

(فقه) و والی آن قصبه ذات معتم الرحود او را سامیر ر می داشتند، و ناوی ساولند دس می آمدند ، و قدروی می نمودند ، و خاطروی می کردند آخر حال در شهر لکهنو ی سه نکهرار و نکصد و ... ودیعت حیات بجان آفرین سپرده رهگرای منزل اصلی گردید، و نامام اژده آقاناور، که حای دولت است ، مدفون یافت مرسلام همدانی تخلص به صحفی در تاریخ او این مصرعه بهم رسانده ، «سودا کجا و آن سخن دلاویز او» و رای گفته ،

درسخن لطف کجا ماند که از حکم قضا | نادل بر هر س ، ای وای ! عرد سودا

رامیم عمرد تاریخ وفاتش وست | «ز جهان الف سخن، وای! برده سودا»

و راقم از هر دو مصرعه این بیت، سال وی برآورده ،

بس ارمن که اردو حال خوبست | به سودا ماند به اداف سخن ماند

گا گاهی تلاش فارسی هم موجه می‌شد»

مولوی عبدالقادر خفت رامپوری ، در روزنامچه خود (۲-الف) می نویسد، «مرزا رفیع السودا قصیده گوئی و مضامین نار در مدح و قدح سرآمد روزگار خود رد، مگر باید صحت الفاظ و بیان دیگر بود «افتاوا» بجای آفتابه، و «بحل» سکون دوم بجای متحرک، و «مرهن» سکون تا رفع را بجای فتح تاو سکون را آورد است»

مزولی الله ، در تاریخ فرخ آباد (۱۵۱ الف، نسخه کتابخانه حافظ احمد علی خان مرحوم) می فرماید، «مرزا رفیع السودا، تخلص سودا، از مرزایان شاهجهان آباد است در عهد نواب احمد خان غالب جنگ ، وارد فرخ آباد شده ، در سرکار مهربان خان ، دیوان نواب، چند سال مقیم بود ، و شعرای آن زمان او را استاد خود می شمردند و آخر عمر به لکهنو واردگردیده، با شعرای آنجا مشاعرات و ساحرات کرده و وفات یافت»

باتفاق اهل تذکره، وفات سودا درهمان سال واقع شده که در متن از و ذکر رفته است شاه محمد حمزه مارهروی، در ذیل تاریخ محمدی، سودا را در وفات ۱۱۹۵ه(۸۱-۱۷۸۰ع) مندرج ساخته ، و نیز در فص الکلمات گفته ، که «یکی از تلامذه این محمد قائم نام ، که بالفعل رفیق نصرالله خان ، نبیره علی محمد خان است، تاریخ و فاتش چنین نظم آورده ،

آه ! مرزا رفیع دنیا سے | جا کے جب ... جب ... هم هرا

درد فرقت سے اوس کے مثل قلم | اهل معنی کا دل دو نیم هوا

سال تاریخ کی بهی مجهه کو تلاش | کیون که یه سانحه عظیم هوا

اس میں مرخرد ے از سر یاس | یه کہا «واے سخن یتیم هوا»

اما در حصن المتین (ص ۱۴۳ ، شماره ۶۹۳ ، تاریخ عربی ، کتابخانه آصفیه ، حیدرآباد) نوشته که سودا در اوائل ۱۱۹۶ه (۸۲-۱۷۸۱ع) فوت شد ... ، اطلاعی درست نسبت برحلت سودا بدست مؤلف نیامده است

کتابخانه عالیه رامپور ، بے نسخهای خطه دیوان و کتاب سودا را دارا است

کون سی سب بھی کہ میں وھاں پس د یوار نہ تھا ؟

جو عمل چاھیے کیجے، مرے دو کھہ دینے کا
وہ نہ کیجے کہ کہے کوئی، «سزاوار نہ تھا»

سبنم کرے ھے دامن گل سبسب و سو، ھنوز
بلبل کے خون کا، نہ گیا، رنگ و بو ھنوز

قد کو سرے جس جگہ مسی حرام یار ھے
اوس جگہ سور قیامت ، فرش یاانداز ھے

خط کے آتے ھی، حاہے اکثر غلامی سے نکل
بندہ پرور، دیکھیے آگے، ھنوز آغاز ھے

شاعران ھند کا نو ، گرجہ ، پیغمبر ھیں
پر سخن کہنے میں، اے سودا، تجھے اعجاز ھے

کیا جانیے ، کس کس سے نگہ اوسکی لڑی ھے ؟
جس کو جے(۱) میں جا دیکھو، تو ایک لوتھ پڑی ھے

ٹھہرا ھے یری چال میں اور زلف میں جھگڑا
ہر ایک یہ کہتی ھے، «لٹک تجھ میں پڑی ھے»

گو سر ھوئی ساعری سودا کی، جوانو
ہم سے نہ کھچیے گی، یہ کماں سخت کڑی ھے

سوز، جوں شمع، ہیں گرمیٔ بازار مجھے
ھوں میں وہ جنس کہ آتش دے خریدار مجھے

ھے قسم تجکو، فلک، دے تو جہاں تک چاھے
جلوۂ حسن اوسے، حسرت دیدار مجھے

نہ پھرا ملک عدم سے کوئی یار، اے سودا

(۱) اصل، «کرچہ»

تاریخ و فاتش این است مصحفی می گوید تاریخ ،

میرزا رفیع ، آنکه زاشعار هندیش

هر گوشه بود در همه هندوستان غلو

ناگه چو در نوشت بساط حیات را

گردید مدفنش زقضا خاک لکھنؤ

تاریخ رحلتش بدر آورد مصحفی

" سودا کجا و آن سخن دلفریب او "

چند شعر از کلام آن مغفور مبرکاً درین مقام هم ایراد می یابد (۱) قطعہ

سودا ، گرفتہ دل کو نہ لاوو سخن کے بیچ

جوں غنچہ، سو زباں ہے اوسکے دھن کے بیچ

حسن سے بد نکاہی ہو جس شوخ کی بہار

آکر برے سمجھ کو دیکھے کمیں کے بیچ

میں دشمن جان ڈھونڈ کے اپنا جو نکالا

سو حضرت دل ، سلمہ اللہ تعالی !

کہتا ہے نگہ سے نہ برا گوشۂ ابرو

دیکھے جو کوئی خوں گرفتہ ، و اگلا

اپنا ہے تو یوسف سے مسلمان، کہ عدم کے

پردے میں چھپا اوس کی نہیں ، تجھکو نکالا

حال دل سے مرے جب تک وہ خبردار نہ تھا

جز دم سرد، کوئی محرم اسرار نہ تھا

پیار و اشفاق و وفا، مہر و محبت، الطاف

دل کو جس روز لیا، کونسا اقرار نہ تھا ؟

(۱۸۸ب) مضمون کا، نہ کرو، عمر کی مجھہ سے اچھا

(۱) بر ملاحظه سودا بوستان اود ، ۹۵، وسودا مصنفه شیخ چاند مرحوم، و ناصر، ۱۳

کہتے ہیں جسے عشق، تو وہ چیز ہے، سودا
جوں ذات خدا، جس کے سبب ہے، نہ سبب ہے

عارض نہ حسن خط سے، دمك كیا ہے نور کی
نہ دود اڑ رہا ہے تجلی سے طور کی
طوفاں طراریء مژۂ عاشقاں نہ پوچھ
کچھ آبرو رہی ہے نہ چشم تنور کی
سودا کو عاشقی سے رکھا چاہتا ہے یار
ناصح نصیحت اسی سے، جو ہی شعور کی!

یا ان کدھر گئیں وے تیری بھولی بھولیاں؟
دل لیکے بولے ہو جو تم اب نہ بولیاں
اقدام دل پہ ہو نہ سکا اس سرے سے خاك
جوں جوش قدوں کے بن نہ مسکیں ہیں چولیاں
کیا جانے حیا سر انگشت پر ترے؟
جس نگہ کے جوں دیں چاہیں ڈبولیاں
سودا کے ساتھ صاف نہ رہتی تھی زلف یار
سائے نے بیچ پڑ کے، گرہ اوسکی کھولیاں

(۱۸۹ب) «تونے سودا کے تئیں قتل کیا» کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے، تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں؟

سودا، قمار عشق میں شیریں کے، کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا، سر تو کھو سکا
کس منہ سے، پھر، تو آپ کہتا ہے عشق باز؟
ای روسیاہ! تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا

جانا اب ا(و)ن کی خبر لینے کو نا چار مجھے
حسن زور کسی اور نہ بیداد کرو گے
نہ یاد رہے، ہمکو بہت یاد کرو گے
نہ بھول، اے آرسی، کر یار سے مجھکو محبت ہے
بھروسا کچھ نہیں اوس کا، نہ منہ دیکھے کی الفت ہے
اوس دل کی تب آہ سے کب شعلہ بر آوے؟
بجلی کو، دم سرد سے جس کے، حذر آوے
(۱۸۹ الف)ٹک داغ سے چھاتی کے سرک جائے جو پھاہا
آتش کے تئیں، قدرت خالق نظر آوے
افعی کی نہ طاقت ہے کہ اوس سے سر آوے؟
وہ زلف سیہ، اپنی اگر لہر پر آوے
نامے کا جواب آنا تو معلوم ہے، انکاس!
قاصد کے بدوست کی مجھہ تک خبر آوے
اب کے تو گیا ہے، پر اوسے دیکھو، نادان
بل میں نہ اوڑاتا وہ، اگر، بال و پر آوے
صورت میں تو کہتا نہیں، «ایسا کوئی کب ہے»؟
اتنک دھج ہے کہ وہ قہر ہے، آفت ہے، غضب ہے
دشنام تو دینے کی قسم کھائی ہے، لیکن
(۱) جب دیکھے ہے وہ مجھکو، تو اتنک جنبش لب ہے
یعقوب، برے عہد میں یوسف کو جو رونا
کہتا میں کہ «نہ فہم (۲) سے مہر سے عجب ہے»

(۱) اصل، «جب دیکھے مجھکر وہ» تصحیح از کتاب سردا ۲۳۶ الف شمارہ ۶۹۹،
نظم اردو

(۲) اصل، «سعمبر» و تصحیح از کتاب مذکورہ

بود بر فوق، بر جمیع اقسام سخن (۱۹ الف) قادر، همه دقایق سخن وری

(بقیه) نغز، ۲، ۲۲۹، سفینه، ـ ـ ۱ب، ا ب، ۳۱۳، گلدسته ۳۶، طبقات، ۱۱۵، خدا و له، ۱۳۹، مختصر، ۹۲، شمیم، ۲۶، سخن، ۹ـ۴، بوستان اوده، ۹۶، انتخاب، ۳ ۲، (۲۴) ۲۴۱، گل، ۱۵، انتخاب، ۲، طاوس، ۲، ۲۴۴، ۰ کرن، ۱۶۹، مقدمه مثنویات میر از سید محمد، خاص، ۲۵، جواهر، ۲۲، ل، ها ، کتاب مرثیه آسی، اسپرنگر، ۱۷۵، بلوم هارت، ۳۲ ـ

خان آرزو، در مجمع النفائس (۴۳ الف) می فرماید، «میر محمد تقی المتخلص میر، ... الدین ... الخلف ... اکبرآباد است در اول عشق اشعار ریخته، که زبان اردو شعریست بطرز شعر فارسی، بوعاق بسیار عمده، چنانچه شهره آفاق شد بعد آن بگفتن اشعار فارسی بطرز خاص گرویده، و بقول جمیع ارباب سخن و دانایان این فن گسست طبعش به اندازه و شعر خیال بن زدار است، و اشعار او از لطافت ادا و انداز از سکه ذهن مناسب و طبع نافع یافته، در ابتدای فن شعر ریخته سخن را بدانجا انتها رسانید از چند سال بخدمت عالی القاب عمدة الملک بارادت بهادر کامیاب فراوان و صاحب و مهر اندوز انواع احسان و پرداخت و احوال به اعتدال می گذراند هر چند میر دیوان مختصر دارد، اما غزلهای درد دانه و عاشقانه می گوید»

و قیام الدین حیرت، در مقالات الشعرا (۲ب) می گوید، «میر محمد تقی میر تخلص، همشیره زاده خان آرزو ... است اکثر اشعار ریخته می گوید و تذکره مخصوص احوال شعرای ریخته گو ... و ... روز ... اجتماع ریخته گویان و شاعران در ایشان می شود در شعر فارسی هم ... پیدا کرد چند شعر خود را بخط خود نگاشته به صاحب خداوند داد ... در تذکره داخل نکرده ماند»

و میر عظمة الدوله اشرف علی خان، در تذکرة الشعرا (۳۶۶ب) می نویسد، «میر تقی میر از ریخته گویان مشهور و همشیره زاده سراج الدین علیخان آرزو است»

و شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۲۸۸ب) فرمود، «میر محمد تقی نام، میر تخلص، همشیره زاده سراج الدین علیخان آرزو است در فن شاعری و قواعد دانی فارسی یگانه آفاق، خصوصا در ریخته گویی وحید زمانه و بغایت طاقت از اشهر شعرای هندوستانست از چند سال در بلده لکهنو ... وزیر الممالک آصف الدوله ... است، و نواب موصوف با او رعایت ... آمد تا حال کرسی سخنوری در لکهنو می نوازد ... در ان ریخته و مثنویهای متعدده دارد در زبان هندی گاهی در فارسی هم تلاش معنی تازه میکند»

و ... در گلشن سخن (۸ب) نوشته، «میر محمد تقی متخلص میر، شاگرد سراج الدین علیخان آرزو است»

و مولوی عبدالقادر ... را ... در روز نامچه خود (۳۷ب و ۴۷ الف) می نویسد، «تقی میر، الفاظ زبان دیگر، مثل فارسی و عربی، غلط می آرد حرکت هر جا که غلط اوست، متحرک دوم (؟) است و تعقید هم در کلامش کم است و در نسبت کلمات موقع و حسن ترکیب ... ان ... ، لکن مضمون تازه ندارد (باقی)

سودا جو کہے، گوش سے ہم سب کے سنے تو
مضمون یہی ہے جرس دل کی فغاں کا
ہستی سے عدم تک، نفس چند کی ہے راہ
دنیا سے گزرنا، سفر ایسا ہے کہاں کا!

نگری آباد ہے، (۱) بسے ہیں گانون
کچھ بن، اوجڑ پڑے ہیں اسے بھاون

بندا کر خط کو، کیوں کاٹے تم اسے جی میں بولے ہو؟
نہ عارض گل نہ ہو سکے، عبث سبزہ بھی کھوتے ہو

ستاں دانۂ روئیدہ، انکسار کرہ
کھلی جو کام سے میرے، پڑی ہزار گرہ

اگر عدم سے نہ ہو ساتھ، فکر روزی کا
تو آب و دانہ کو اکر، کہیں نہ ہو پیدا

سودا، پئے دنیا تو بہر سو، کب تک؟
آوارہ ازیں کوچہ بآں کو، کب تک؟
حاصل یہی ہے نہ اس سے کہ یا دنیا ہو (۲)
بالفرض اگر یہ بھی ہوا، تو کب تک؟

دوم از طبقۂ اولی، متکلم سحرکار، شاعر جادو کردار، سلطان اقلیم فصاحت، فرمان فرمای کشور بلاغت، مورد و مصدر جماعۂ عشاق نام برآوردہ اوستادی در تمام آفاق، سلطان الظرفا سید الشعرا، مالک سخن را امیر، سید محمد تقی المتخلص بہ میر، (۳) نور اللہ مضجعہ، شاعری

(۱) اصل: «بسیں» (۲) درین صرع الفاظ دیگر هم روا ست
(۳) نکات، ۲٦ الف، گردیزی، ۲۴ الف، وص، ۴۲۴ب، مخزن، ۴، چمنستان، ۲٦۱، حسن، ۱۱۳ الف، طبقا، ۳۲، گلزار، ۷ ب، لطف، ۱۵۲، عمدہ، ۸ ب، تذکر، ۲۸ب (نامی)

اکثر کلمات خاوره افاده، لذا شهرهٔ میر در ایران بسبب کلام میرزا زیاده بر است،
اما تقلید و پیرویء او نهایت دشوار. از جهة کلام فصاحت نظامش، مثل
سعدی، بظاهر آسان بنظر می آید، ولی ممتنع است. بیشتر شعرا مقلد او هستند
و مطابق طرزش نمی‌دانند، بخلاف میرزا محمد رفیع که باوجود کمال پختگی،
که دارد، تقلیدش بر صاحب فهمی را ممکن. و برجستگیء کلام و نزاکت
معانیء میر را چه گویم؟ با استادی و معلومات این مسلّم الثبوت را چه
بنویسم؟ شعرای اعتبار میر برتر بود با بالای شهرت میرزا در یك محمل
سوار، و آفتاب شهرهٔ این هر دو بی‌همال، مخرج طلوع در یك درجه گرم
اشتهار. لهذا نواب آصف الدوله مغفور و مرحوم، هم بعد رحلت
میرزا، میر را از شاه جهان‌آباد فحریه طلب داشته، بمنصب عالی ملازم
ساخت (۱)، و از خاطرداری و پاس میر ماشاالله، هیچ دقیقه فرونمی‌گذاشت،
حالانکه جناب میر، بغرور کمال و استغنای تصوف که مضمر
بخاطرش بوده، اکثر کم التفاتی و بی اعتنائی بحال مردم می‌نمود، بلکه
گاه گاه با امرا هم، چنانچه باید، راه التفات و ملاطفت نمی‌شود. چنانچه
نقل است که روزی میر صاحب قصیدهٔ تازه گفته، بدربار آوردند
نواب وزیر، که از ... فراغت کرده، متوجه شنیدن شد. میر
صاحب (۱۹ب) شروع بخواندن کردند و طول دادند. اتفاقاً آن روز
ملا محمد، معلل را که تازه از ولایت آمده و شاعر هم بوده، برای ملازمت(۲)
آورده، می خواست که آنهم چیزی در مدح (۳) حضور بخواند،
وبطویل قصیدهٔ میر وقت بکراست. ملا محمد تنگ آمده گفت که "میر
صاحب، قصیده خوب است، اما طولانی. اگر دماغ نواب صاحب
وفا نمی کرد، که می شنید"، میر بمجرد استماع ناص از دست انداخته

---

(۱) برحاشیه نوشته "سنجه، سرفراز بود" (۲) اصل، "ملازمت" (۳) اصل "مدح در"

عالم و ماهر غزل را بطرزی گفته که هیچکس نمی تواند، بلکه درین
باب ملک الشعرا هم حرف است چون کلامش، سست وسقط، جامع

(همه) کم زبان یافت، و نه به ترجمهٔ اشعار فارسی در اساس بنا و عالماً عمداً برای علم ترجمه نظم
بنظم بدیگران گفته باشد مقرر باند،
سرے قدم کا هر گا حسن خاسان زمین پر   دکھیں گے سر کر اوس جا صاحبدلان زمین پر
جاوه گر بد،
بر زمینی که نشان کف پای تو بود   سالها سجدهٔ صاحب نظران خواهد بود
ونیز بر حروف صله ترفع آرد، مانند، سے و ز و کر و ندانم که در رتبه
برای شهرت استاد همچنان باند، که در استعمال مترادف هندی هردو برابر اند، مگر الفاظ
زبان دیگر و ترکیب حسب و نسب و توابع حروف روابط جا در گفتار عامه و خاصه
اهل شهر، که مفردات کلام همه یکی باشند، بدان جزها تفاوت در مراتب حسن و قبح کلام
بسیار باشد و الفاظ مفردهٔ جناب میر طوع ی، جهگاهی بکسر هندیه دمه می آرد وگاهی
الف فارسی»

و عباس حسین خان مهجور، در مدایح الشعرا (۳۶ الف) می گوید، «اسم سامی
و نام نامیهٔ آن شاعر یگانه، وحید زمانه، کشاف اسرار مالا یخفی، میر محمد تقی، علیه الرحمه
مولد و وطن آن صاحب سخن اولا شهر اکبرآباد، و بعده در شاهجهان آباد دهلی است»

و از خط محمد محسن المخاطب زین الدین احمد، که بر نسخه دیوان چهارم میر،
(محفوظ بکتابخانه ریاست محمودآباد) ثبت افتاده، بدریافت میرسد که میر «بروز جمعه بیستم
شعبان المکرم وقت شام سنه یکهزار و دوصد و بیست و پنج هجری (۱۸۱ع)، در شهر لکهنو
در محله ستهتی، بعد طی نه عشرهٔ عمر، بجوار رحمت ایزدی پیوستند، و بروز شنبه بیست
و یکم ماه مذکور وقت دوپهر، در اکهاڑهٔ بهیم، که درینجا مشهور است، بردوش
اقربای خویش مدفون شدند» (مقدمه کلیات میر، آسی، ۸)

و بر همین تاریخ اتفاق ارباب تذکره است، باستثنای اصحاب که درو غالبا از راه
سهو ۱۲۲۲ه (۱۸۱م) نوشته شد

در کتابخانه عالیه رامپور، ۵ نسخهای خطیه دیوان و کلیات میر یافته می شود
یکی از آنها، که مشتمل بر هفت دیوان و فیض میر و ذکر میر می باشد، شیخ اشرف علی حیدری
ابن ۲۷ رمضان ۱۲۴۵ه (۱۸۳م) و سلخ رمضان ۱۲۴۶ه (۱۸۳۱م) برای میرزا قمرعلی
صاحب، نوشته بود از اخراج زرین وجد اول رنگدس بوضوح می پیوندد که کاتب درنقل
این نسخه اهتمامی بکار برده است و از اول کتاب تا آخر ردیف الالف از دیوان سوم،
در بین السطور و برحواشی مطالب اشعار را در زبان فارسی شرح کرده شده است کاتب این
حواشی، که بالجزم غیر کاتب نسخه است، هیچ جا اسم خود را نشان نمی دهد اما بعید
نیست که همان میرزا قمرعلی صاحب باشد که برای او این نسخه نوشته شده

کبھی دیر اس طرف آکر، جو چھاتی کوٹ جاتا ہے
خدا شاہد ہے، اپنا تو کلیجہ ٹوٹ جاتا ہے

جو یہ دل ہے، تو کیا سر انجام ہوگا؟
تہ خاک بھی خاک آرام ہوگا!

جفا و جور سہیے، کج ادائیاں دیکھیں
بھلا ہوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں

تری گلی سے سدا، اے کشندۂ عالم!
ہزاروں آتی ہوئیں چار پائیاں دیکھیں

گرم مجھ سوختہ کے پاس سے جانا کیا تھا؟
آگ ایسے مگر آئے تھے، یہ آنا کیا تھا؟

دیکھے آئے دم نزع، لیے منہ پہ نقاب
آخر وقت مرے، منہ کا چھپانا کیا تھا؟

آزار دیکھے کیا کیا، اون پلکوں سے اٹک کر
جی لگ گئے یہ کانٹے، دل میں کھٹک کھٹک کر

ہم جنسہ دل میں مجھ سے بھی (۱) نازک مزاج تر
سو ری چڑھائی تو ہے کہ یہاں جی نکل گیا

چھوڑا ہے کس نے، سو تم عصے ہوئے کھڑے ہو؟
یہ بات ایسی کیا تھی، جس پر اولجھ پڑے ہو (۲)

ہوتے ہیں حال رہ بھی، لیکن نہ میر ایسے
رستے میں آدھے دھڑ تک مٹی میں تم گڑے ہو

---

(۲) ماس الفرسین از اصل ساقط شده است (۲) اصل: «الجھ رہے ہو» و در نسخه نولکشور (۱۹۴۶ء) مصرع اول باین طور واقع شد: «ز لفوں کو میں چھوا، سو عصے ہوئے کھڑے ہو»

ومعض سده گفت که «اگر دماغ نواب وفا نمی کرد، دماغ من کجا وفا می ماند؟» مطاق ناس حصور نه نمود نواب، که حود حاق مجسم بوده، اسمالهٔ مراح مبر نکمال مهربانی و مامها نموده، نهٔ قصیده هم تمام ستد ، و حاطر ملا هیچ نکرد، ناوصف انکه او نا نواب صفهٔ احوب داست عرصکه سرح صفات و سان کمالات آن سیدالسعرا ار قدرت قلم و رنان رائد است بعد نواب هم زندگانیء دسار کرد. سه چهار سال سده که در لکهنؤ وفات یافت شش «دیوان» وىك «دیواحه» و چند مثنوی، «سکار نامهٔ » و «طاریٔ هولی» وعیره، که ناسارهٔ ورىر مرحوم نوسته نود، همه در رنان رىحته، و حىد حروىىر ونظم فارسی، در دهر ناد گار کراسته است چنانچه نار ىح آن ىگانهٔ رمانه، مىرزا مغل فرراه، که هصما لىفسه، عاقل ىخلص درکلام ىگرارد، در ىں قطعه نظم فرموده، نار ىخ

حب دل احباب ىر ، ىوحب رىح و الم
(۱۹۱ الف) واقعهٔ جان‌گداز ىىر ىهی کا هوا

مادہ نارىخ کا ، ىىر حرد نے وہیں
درد کے رو سے کہا، «آح نظیری مو ا»
(۱۲۲۵ھ)

این چند سعر ار کلام آن حادو کردار در ىں حا نو سته می سوند،

ڑتی ہے آنکھه حاکر، هر دم، صفای ىں ىر
سو حی کے ہے بہے فرناں، اوس سوح کے بدں ىر
نام حدا ، نکالے کىا ناؤں رفته رفته !
ناوار ىں حلىاں ہىں اوسکے ىو اب حلں ىر
همارے آگے ىرا حب کسی نے نام لىا
دل سىم رده کو هم نے تھام تھام لىا

هر گھڑی هم سے کسا ادا هے یه ؟
هے رے ! سگانگی ، کبھو اوس نے
یه کہا یه که «آسسا هے یه »
دیکھ کر مجکو ، یار هسسا هے
سملو ! (۱) لوٹنے کی حا هے یه
دہر کو کیوں یه معسم حانیں
اگلے لوگوں میں اك رها هے یه

یہاں اسی آنکھیں بھر گئیں پر وہ نه آپھرا
دیکھا نه ، بد گماں همارا بھلا پھرا ؟
طالع پھرے، سپہر (۲) پھرا، قلب پھر گئے
حیدے وہ رسك ماہ جو هم سے حدا پھرا
حانه حراب میر بھی کیا عور تھا ؟
مرے موا پر اوسکے کبھو گھر نه حا پھرا

(۱۹۲ الف) پھرے کب تك سپہر میں اب سوی صحرا روکیا
کام اپنا اس جنوں میں همنے بھی یکسو کیا

کیا چال نکالی هے که جو دیکھے سو مرجائے
ہچچك کوئی رہ جائے ، کوئی جی سے گذر جائے

لے رنگ نے سابی ، نه گلستاں بایا
بلبل نے کیا سمجھه کر ، یہاں آشیاں بایا ؟
اوڑتی هے خاك ، نارب ، سام و سحر جہاں میں
کسکے عیار دل سے یه حاکداں بنایا ؟

---

(۱) اصل، «بسملو» (۲) اصل، «سہری»

دن نہیں، رات نہیں، صبح نہیں، شام نہیں
وقت ملنے کا مگر داخل ایام نہیں ؟
(۱۹۱ب) کہتا ہے کون، میر، کہ بے اختیار رو ؟
ایسا تو رو کہ رونے پہ تیرے ہنسی نہو
اعجاز میں تکے ہے ترے لب کے کام کا
کیا ذکر یہاں مسیح علیہ السلام کا ؟
یار ہمیں وہی ہے ناملِ سے، گو حیراں ہے
تجھی جو زرد بھی ہے، سو ساخ زعفراں ہے
عشق کو بیچ میں، یارب، تو نہ لایا ہوتا
تا بس آدمی میں دل نہ دایا ہوتا
کم اٹھاتا (تھا) (۱) نقاب، آہ! کہ طاقت رہتی
کاش یکبار ہمیں منہ نہ دکھایا ہوتا
کھلا سیے میں جو پگڑی کا پیچ اوسکی، میر
سمند ناز پہ اِک اور تازیانہ ہوا
جم گیا خون کف قاتل پہ، رسن، میرا میر
اون نے رو رو دیا کل، ہاتھ کو دھوتے دھوتے
دل ہے مجروح، ماجرا ہے یہ
وہ نمک چھڑکے ہے، مزا ہے یہ
آگے تھے ابتدای عشق میں ہم
اب جو ہیں خاک، انتہا ہے یہ
بس ہوا ناز، ہوچکا اغماض

---

(۱) اصل، "داوے" بوں مسدد

اب کیا مرے حنوں کی ندر ، میر صاحب؟

(۱۹۲ب) کھچری نہیں کتاں اب ہم سے ھوای گل کی

باد سحر لگے ھے حزوں ابر ، مدو صاحب !

سیر دلی سے کی ہیں با صورت

نہ ملا کوئی آسا صورت

حامے آنکھوں میں نڑگئے ، مہ زرد

ھوگئی ، میر ، نیری کیا صورت ؟

کل لگائے بھے نار ھمیں بھی حمن کے بیج

اوسکی سی بو نہ پائی گل و یاسمن کے بیج

کیسہ ھوں میں تو سیر اں رہائی یار کا

ھوبی رہاں وہ ، کاس ! ھمارے دھن کے بیج

گر ، دل حلا بھا یہی ، ھم ساتھ لے گئے

نو آگ لگ اوٹھے گی ھمارے کفن کے بیج

ھے نھر ، وہ حود دیکھے نطر بھرکے ، حس نے ، میر

نرھم کیا حہاں مرہ نرھم زدن کے بیج

فرھاد و قیس حس سے مجھے حاھو نوحھ لو

مسہور ھے فقر بھی اھل وفا کے بیچ

ھحر میں حون ھوگیا غم سے

دل نے پہلو نہی کیا ھم سے

دھوئے ھو اسکے حوں سے دست و دھن کو ، میر

طور بمار کا ھے ، حو ھے نہ وضو کی طرح ؟

سحر گوس گل میں کہا میں نے حا کر

سر گسته اسی کس کی هاتهه آ گئی تهی مٹی؟
جو حرج رن وصا لے نه آسمان سانا
اس صحن بر نه وسعت، الله رے، تیری قدرت!
معمار لے وصا کے، دل کیا مکان سانا!

بهار آئی هے، غنچے گل کے نکلے هیں کلا ی سے
نهال(۱) سبز جهومیں(۲) هیں گلستاں میں سرا ی سے

هر بات بر جسوس، طرز جفا تو دیکھو
هر لحظه بے ادائی، اوس کی ادا تو دیکھو
گل برگ سے هے نازک، جو ی ء نا تو دیکھو
کیا هے چمك کمك کی، رنگ حنا (۳) تو دیکھو
سایه میں هر ملك کے جو اسده هے (۴) قامت
اوس فتنۂ زماں کو کوئی جگا تو دیکھو

باغ گو سبز هوا، بر سر گلزار کہاں؟
دل کہاں، وقت کہاں، عمر کہاں، یار کہاں؟

ملك جہاں مہر و وفا کی جنس تهی دہر سے کیے
لیکن اوسکو پهر هی لانا، جہاں میں لے گیا
رتبه کا هے کو تها اس رتبۂ عالی میں، میر
جو زمیں نکلی، اوسے تا آسماں میں لے گیا

بولا، جو مو بر زباں آنکلے میر صاحب
«آنا هوا کدهر سے، کہیے قبلہ صاحب!»
سبوں میں سب کے، ٹوٹی زنجیر، میر صاحب

(۱) اصل، «نهالی» (۲) اصل، «جهومیں» (۳) اصل، «حنا» و در نسخه تو لکسور (۱۹۴ع) «جهمك کمك کی» (۴) اصل، «جو اسده دا ست»

کیا ہے ؟ رنجیر نہیں ، دام نہیں، مار نہیں
جمکنا برق کا کرنا ہے کار سنگ صحراں میں
بوسنا مینہ کا داخل ہے اوس بن برساراں میں
سو بار مست کعبے میں ، ٹکڑے گئے ہیں ہم
رسوائی کے طریق کے کچھ نا بلد نہیں
(۱) نہ دماغ ہے ، کہ کسو سے جا کریں گفتگو، غم یار میں
نہ فراغ ہے ، کہ فقیروں سے ملیں جا کے دلی دیار میں
کوئی معاملہ ہے، کہ بس اڑا ہے ، کہ ہوائی ہے ، کہ سمارا ہے ؟
یہی دل جو لگے گاڑیں گے ہم ، تو لگے گی آگ مزار میں
جھکیں ٹک کہ جی میں چھپی سہی ، ہاں ٹک کہ دل میں کہی سہی
نہ جو لاگ پلکوں میں اوسکی ہے ، نہ چھری میں ہے نہ کٹار میں
بہار آئی، کھلے گل پھول سایہ داغ رضواں میں
جھلک سی ماری ہے کچھ سماں ، داغ سوراں میں
بہت تھا شور وحشت سر میں میرے، سو مصور نے
لکھی تصویر، تو زنجیر پہلے کھینچ لی نامیں
سر کاٹ کے ڈلوادیے ، انداز تو دیکھو
پامال ہے سب خلق جدا، ناز تو دیکھو
(۱۹۳ ب) ضعف بہت ہے، میر ، تمہیں اب اوسکی گلی (میں) مت جاوو
صبر کرو ٹک اور بھی ، صاحب، طاقت جی میں آنے دو
بہار آئی نکالو مت مجھے اب کے گلستاں سے
مرا دامن بھٹے، تو ٹانک دو گل کے گریباں سے

(۱) این غزل در نسخہ نو لکشور یافت نمی شود

« کھلے بند ، مرغ چمن سے ملاکر »
لگا کہنے ، « فرصت ہے یہاں اتک ببسم
تو وہ بھی گریباں میں منہ کو چھپا کر»
بناسب نہ اعضا کے ایسا سحر!
نگاڑا جھپے ، خوبصورت بنا کر

امیروں تک رسائی ہوچکی بس
مری بخت آزمائی ہوچکی بس
شرر کی سی چمک ہے ، فرصت عمر
جہاں دی ٹک دکھائی ، ہوچکی بس
(۱۹۳ الف) دنی کے پاس کچھ رہتی ہے دولت،
ہمارے پاس آئی ، ہوچکی بس
فکر میں مرگ کے ہوں سر در پیش
ہے عجب طرح کا سفر در پیش!
کیا سکے کو شمع روئے، میر؟
اوسکی بھی سب کو ہے سحر در پیش

دل جلا، آنکھیں جلیں ، جی جل گیا
عشق نے کیا کیا ہمیں دکھلائے داغ!
صحبت کسی سے رکھنے کا اوسکو نہ تھا دماغ
تھا میر بے دماغ کو بھی کیا بلا دماغ!

میر ، آج وہ بدمست ہے، ہشیار رہو تم
ہے سحری اوس کو ، خبردار رہو تم
اوسکے کا کل کی بہلی کو بھی تم بوجھے، میر؟

سلی ہے موقوف رحم دگر ر

دل جلے کچھ بن نہیں آتی، حال بگڑتے جاتے ہیں
جیسے چراغ آخر شب، ہم لوگ بڑے جاتے ہیں

راہ عجب در پیش ہے آئی ہمکو یہاںسے جانکی
یار و ہمدم ، ہمراہی، ہرگام بچھڑتے جاتے ہیں

(۱۹۴ الف)ضعف دماغ سے، امان حیران، چلنے ہیں ہم راہ عشق
دیکھیے کیا پیش آئے، اسوگرے پڑتے جاتے ہیں

میر، بلا ناساز طبیعت لڑکے، ہیں خوش ظاہر بھی(۱)
ساتھ ہمارے جاتے ہیں، پر ہم سے لڑتے جاتے ہیں

نالہ جب گرم کار ہوتا ہے
دل ، کلیجے کے پار ہوتا ہے

آنکھوں کی طرف گوش کی دربردہ نظر ہے
کچھ یار کے آنے کی، مگر، گرم خبر ہے

وہ ناوک دل دوز ہے لاگو مرے جی کا
تو سامنے ہو، ہمدم، اگر تجھ میں جگر ہے

کر کام کسو دل میں، گئی عرش پہ، تو کیا؟
ای آہ سحرگاہ ! اگر تجھ میں اثر ہے

اس عاشق دل خستہ کی مت پوچھ معیشت
دیدان جگر، دست بدل، داغ بسر ہے

طرفہ، خوش رو دم جوں پر ادا کرتے ہیں
وار جب کرتے ہیں، منہ پھیر لیا کرتے ہیں

---

(۱) این مصرع در اصل مصحف شدہ است

خدا جانے، کہ دل کس خانہ آبادان کو دے بیٹھے؟
کھڑے تھے میر صاحب گھر کے دروازے پہ(۱) حیران سے

کم ہے کیا لذت ہم آغوشی؟
سب مرے، میر، در کنار رہے

عزت پہ مہربان ہوئے، تو مہر (۲) یہ کہا
«ان کو عزت کوئی نہ سمجھو، غضب ہیں یہ»

فرہاد و قیس کے گئے، کہتے ہیں مجھکو لوگ
«رکھے خدا سلامت انھوں کو، کہ اب ہیں یہ!»

خوش طرح مکان دل کے ڈھانے میں تباہی کی
اس عشق و محبت نے کیا خانہ خرابی کی

سکتا ہے ادھر کو دل، بہتا ہے جگر اودھر
چھاتی ہوئی ہے میری، دکان کبابی کی

بتوں کے جرم الفت پر، ہمیں زجر و ملامت ہے
مسلمان بھی خدا لگتی نہیں کہتے، قیامت ہے!

زمانہ نہ جا پرورش دور زمان پر
مرنے کیلیے لوگوں کو طیار کرے ہے

کیونکر نہ ہو ہم میر کے آزار کے درپے؟
یہ جرم ہے اوسکا کہ تمہیں پیار کرے ہے

رکھتا تھا ہاتھ میں سر رشتہ بہت سببے کا
رہگیا، دیکھ رفو چاک، مرے سینے کا

کئی زخم کھاکر، تڑپتا رہا دل

(۱) اصل «بر» (۲) اصل «مہر تو»

شاعری دوش بدوش میرزا زاده، و آیت بلاغت از مصحف شهرت

(بقیه) و در تکملة الشعرا (۱۱۳ الف) می نویسد «خواجه میر درد متخلص بدرد، خلف الصدق خواجه محمد ناصر عندلیب تخلص است. سلسلهٔ ارادت ایشان بحضرت بهاءالدین نقشبند، قدس سره، میرسد و او بزرگ ... و درد متخلص ... شعر ریخته می گفت، چنانچه دیوان او در زبان ریخته، که عبارت از زبان اردوی شاهجهان آباد است، مشهور ... و از چند سال طبیعت آن اهل کمال متوجه فارسی گویی است. اکثر رباعیات مضمون یافته او بسمع رسیده، بلکه یک مرتبه جزوی از اشعار غزلیات و رباعیات خود از دستخط خاص خود قلمی در آورده عنایت فرموده بودند. الغرض او از مشایخ کرام ذوی الاحترام دهلی بود، بسیار نکوفهم و عاقل ظاهری بسر می برد. و اکثر سلاطین وقت و امرای عصر با عالم پادشاه در خدمت او آمده مستفید می شدند. و در ابتدای هر ماه مجلس بو بارین عرس در خانهٔ آن بزرگوار ترتیب می یافت، و ازدحام خلایق از فقرا و مشایخ و علما و عوام الناس می شد. و اکثر مجالس سماع می کردند، و بر فقرا حالات طاری شدی، و قوالان کامل فن در آن مجالس جمع می شدند. و میرزا هم آن صاحب حالات متبعه در فن موسیقی دربلد کمال داشت، که اکثر موسیقی دانان ازو اخذ می کردند. اگرچه شاعری دون مرتبهٔ او بود، واما خیر صاحب کمال بی جنس مقال و صاحب فضل و کمال و اهل مقال و حال بود. چند سال شد که از این دار زوال انتقال کرده است.»

و لا، در گلشن سخن (۴۳ ب) گفته «خواجه میر درد، خلف الصدق خواجه ناصر عندلیب است. مرکز دائرهٔ اهل کمال، سخن سنج، نکته رس، شیرین مقال. مطلع نظر از مهارت فن سخن، که دون مرتبهٔ آن والا مقام است. در خدا ترسی و تحمل صفات و تسلیم نوابت طرز خود ندارد. مسند عالی مرتبت، مقیم گوشهٔ عزلت، رهرو شهرستان تجرید، و سالار گروه تفرید. دیوان ریخته اش اگرچه از هزار بیت متجاوز نیست، لیکن همه انتخاب است، و احتیاج به انتخاب ندارد ... شاهجهان آباد تا این زمان که سنه یکهزار و یکصد و نود و چهار هجری است، گزیده از زوایا اختیار نموده، مهربانی فرصت را آگاهی الهی است.»

و مولوی عبدالقادر خلف رامپوری، در روزنامچهٔ خود (۶۲ الف) نوشته «و مزار خواجه میر درد است که رباعیات و غزلهای ریخته هم در آخر رسالهٔ آه سرد و نالهٔ درد، و واردات، از تصنیفات وی گرا ... جزوی الهام غیب و دلیل رشدگی او در مسائل دینی این فن اند.»

و حسین قلیخان عاشقی، در نشتر عشق (۲۵۴ ب) مذکور ساخته «درد تخلص المشهور بخواجه میر درد شاهجهان آبادی، خلف الصدق و ولد ارشد خواجه محمد ناصر عندلیب تخلص است که از احفاد امجاد شیخ بهاءالدین نقشبند، رحمه الله علیه، بود. در تصوف و زهد و اتقا و آزاد وضعی یگانهٔ زمانه. کلامش همه پر درد (باقی)

سوم از طبقهٔ اولی، امیر فنون سخنوران، سردار لشکر شاعران، عارف انواع معانی، واقف رموز سخن سنجی و نکته دانی، خواجه میر المتخلص بدرد (۱) عفی الله عنه، که کمیت فصاحت در میدان

---

(۱) نکات ۷ ب، گردیزی ۱۲ الف، مخزن ۱۹۴ الف، مخزن ۳۸، چمنستان ۵۷، حسن ۵ ب، طبقات ۳، گلزار ۵٦ الف، لطف ۹۸، عقد ۴ الف، تذکره ۳۲ الف، نغز ۱، ۲۴، شمیم ٦۳ الف، تاریخ ۱٦۸، گلدسته ۱۵، طبقات ۹۷، سراپای ۲ ۱، ۲۴۷، ۲٦۹، خدا ۱۳۹، شمیم ۲۸، سخن ۱۵۸، شعر ۱۵، مصادر ۱۹۲، آب حیات ۱۸۴، طور ۳۵، خمخانه ۱٦۸، ۳، گل ۱۷، انتخاب ۱۱، ناموس ۱، ۲۳۷، عسکری ۱۱۷، جواهر ۲، ۳۵۵، اسپرنگر ۲۱۸

خان آرزو، در مجمع النفائس (۱۵ الف) می فرماید «خواجه میر درد تخلص، پسر خان عرفان آب حضرت خواجه محمد ناصر، سلسله رتبه سلسله آبای او بلا شبهه بحضرت خواجه بهاءالدین محمد نقشبند میرسد. از بزرگی و کمال خانواده او چه توان نوشت؟ علی الخصوص والد بزرگوار او، خواجه محمد ناصر که امروز فلك شمس هدایت است. الغرض خواجه میر جوان نیك خلق صاحب فهم و ذکا، و باشعرا ارتباط دارد، سیما ریخته که الحال در هندوستان رواج دارد. فارسی هم خوب می گوید، چه بسیار عدالت آشنا است. بالفعل این آنچه دریافت می شود، اگر بعمل می آید، انشاء الله تعالی، ازجمله آنها می شود که درفن تصرف صاحب نامند. زبان فارسی رباعی اکثر می گوید، و با این عاجز ربط خاصی دارد، و خیلی شفقت بر احوال این می نماید.»

و حسرت، در مقالات الشعرا (۷۳ الف) می نویسد «خواجه میردرد، ولد خواجه ناصر عندلیب، از متوطنین شاهجهان آباد، برسائیء فهم و علوی استعداد موصوف است. اکثر شعر ریخته می گوید، و گاهی طرف فارسی هم مایل.»

و شرف رامپوری، در جام جهان نما (۳۵٦ الف) می گوید «خواجه میردرد نقشبندی، جامع علوم و تصوف بود. نسبت ارادت و خرقه باطنی از پدر بزرگوار خود، خواجه ناصر داشت. و او نسبت مریدی از قدوة السالکین شاه گلشن که در عهد اورنگ زیب عالمگیر از قدمای زمانه بود، داشت. و خواجه میردرد بس صاحب نسبت و اهل دل بوده، و بجمیع اوصاف و اخلاق حمیده اتصاف داشت، و در ترك و تجرید و استغنا مستثنی و منفرد بود، و در نظم و نثر مهارت تام داشت. شعر هندی و فارسی مضمون عالی خوب می گفت. اکثر رباعیات در تصوف موزون کرده، که ازان حاشیهء درویشی واضح و لایح می گردد. و رساله «ناله درد» و «آه سرد» در سلك خوب گفته. از مشاهیر مشایخ وقت بوده. در دو یم هر ماه مجلس سماع بخانه او شدی، و اکثر مشایخ کرام دهلی مجتمع می شدند، و حالات بر ایشان طاری می گشت. مردی وجیه، اهل درد، صاحب نسبت بود. در سنه تسع و تسعین و مائه والف هجری از ین جهان بدار القرار رحلت کرد.» (باقی)

آن یگانهٔ دوران، زبان محدث بیان هرچه پیش آرد، بجاست گوید که دیوان او هم مثل دیگران ضخیم (۱) بوده، روزی خود متوجه شده، فرمایش نیکوهر او و بانصد شعر مع رباعیات انتخاب کرده، باقی را پاره نموده، تاب نشست حالا هرچه رواج دارد، همان منتخب دیوان اوست واقعی که کلام آن عارف معانی عجب مزه و کیفی دارد و اشعار فارسیء این وحید عصر هم به نسبت میرو مرزا ممتاز است، علی الخصوص رباعیات و دیگر کمالات او از تصنیفات کتب تصوف و ارشاد خلق و تهذیب اخلاق و تالیف قلوب و اسعما، که آن شهرهٔ آفاق داشت، از تحریر مستغنی است، چرا که در عصر خود، یکی از مشاهیر صوفیهٔ شاهجهان آباد بوده دره درهٔ هندوستان، مثل آفتاب، اورا می شناسد چند شعر از دیوان هم درینجا ثبت شدند و آن اینست:

کہیں ہوا ہے سوال و جواب آنکھوں میں؟
نہ بے سبب یہیں، ہم سے حجاب آنکھوں میں

مژگاں پر ہوں، تا رگ تاک بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں، سو ہوں، غرض آفت رسیدہ ہوں

ہر شام، مثل شام، رہوں ہوں سیاہ پوش
ہر صبح، مثل صبح، گریباں دریدہ ہوں

ای درد، جانچکا ہے مرا کام ضبط سے
میں غمزدہ یو، قطرۂ اشک چکیدہ ہوں

جاؤں میں کدھر؟ جوں گل باری، مجھے گردوں
جانے نہیں دیتا ہے، ادھر سے نہ اودھر سے

(۱) اصل «رحسم»

و نام آوری رو برروی میر برخوانده والحق که چنین بوده است، چه کلام فصاحت‌نظام او، اگرچه کم است، لیکن در متانت و چستیء تالیف زیاده از میرزا است، و دیوان اشعارش، اگرچه بضخامت (۱) کمتر، اما در روانی و مزه با همه دواوین(۲) میر همپاست. در تعریف آن و حمد عصر، قلم هرچه نگارد، رواست، و در وصف (۱۹۳ ب) و محامد

(همه) وگذار است، ومصاحبتش پر بار و بار. ــ میرزا محمدرفیع السودا در عصر خویش سرآمد ریخته گویان هند است. و درفارسی هم دیوانی ترتیب داد. کلامش همه بصورت است درست و سرتا سر هر ما مجالس سرود و مشاعر درکاشانه فیض نشانه اش مرتب می‌گشت و عامیء سعرای دارالخلافه و همه سخنان حاضری آمدند، و خردهم در علم موسیقی مهارتی کلی داشت. چنانچه اهرر بمعمول قدیم مجالس سرود بخانه او آراسته می‌شود بحرتکه میرزا محمد رفیع خاص سودا در مدح و قدح اساتذه و غیره برد، داب هر در رباعی گرتی بی بدل ونکتا تاریخ ست و چهارم صفر روز جمعه سنه یکهزار و یکصد و نود و نه بروضه رضوان خرامید. خاجه میرمحمد مرحوم متخلص باثر، برادر ایشان، می فرمایند

وصل باشد خرن وصال اولیا «وصل خر اجه میردرد» آمد ندا

و در شاهجهان‌آباد بیرون برکهان‌دروازه بعمره آبای خویش، که الحال باغچه خواجه میردرد اشتهار دارد، مدفون گشت. اکثر رسایل در تصوف، مثل «ناله درد» و «آه سرد» وغیرهما تصنیف ساخته، و دیوان غزل فارسی مختصری ترتیب داده که درحین تحریر مجموعه هذا مولف از شاهجهان آباد فارغ طلب نمود.»

و مهجور، در مدایح الشعرا (۲۲ب) براسم و تخلص و ذکر والدش اکتفا کرده لطف، وفات میردرد را در ۱۲۰۲ھ (۱۷۸۷ء) و نصی الکلمات، در ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۲ء) و شمیم، در ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۶ء) و خدوله در ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ء) معرفی کرده اما اصح و سرممتی علیه اکثر ارباب تذکره است که در ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ء) رحلت کرده است. چنانچه «وصل خراجه میردرد» مادهء تاریخ وفات اوست. و تبدار (خاتمه دیوان درد، محمدی، لکهنو، ۱۲۷۱ھ) می فرماید

تبدار، کان هست از علامتش یکی حسب از وقت وصال و روز و ماهش چون خبر
لك مرتب اند، هاتف کرده‌واو بلا گفت «های درد آه بر ستب و چهارم از صفر»

در خصوص ستم می توان گفت که از سهو کاتب بجای عدد ۹ عدد ۵ مندرج شده است.

کتابخانهٔ عالیه رامپور، یك نسخه مطبوعه را، که در لکهنو در سنه ۱۲۷۱ھ چاپ شده، و پنج نسخه‌های خطیه از دیوان درد را داراست.

(۱) اصل «برخامت» (۲) اصل «دواین»

گل سامنے داماں سے منه ڈھانب کر آوے
قاصد سے کہو: «پھر حبر اودھر ھی کو لے حاے
یہاں سحری آگی ، حب تک حبر آوے»
کہتے ھیں که تکدست بری سع چلے ھے
ٮب حاںے ، حب تک دو قدم حل ادھر آوے
مجھی کو حو یہاں حاودھر سا ىدىکھا
برابر ھے ، دںیا کو دیکھا ، ىدىکھا
تعافل نے تیرے یه تجھه دن دکھاے
ادھر تونے ، لیکں ، ىدىکھا ، ىدىکھا
گر ھیں یہی (۱) ڈھنگ ترے طالم
دیکھیں گے ، کون وفا کریگا
ھے بعد مرگ بھی وھی آه وفغاں ھنوز
لگتی نہیں ھے تالو سے میری زباں ھنوز
(۱۹۵ب) موت، کیا آکے فقیروں سے تجھے لینا ھے؟
مرنے سے آگے ھی، یه لوگ تو مرجاتے ھیں
آه! معلوم نہیں ساتھه سے اپنے، سب و روز
لوگ جاتے ھیں چلے، سو یه کدھر جاتے ھیں
تا قیامت نہیں مٹنے کے دل عالم سے
درد، ھم اپنے عوض چھوڑ «اثر» جاتے ھیں
ھردم بتوں کی صورت، رکھتا ھے دل نظر میں
ھوتی ھے بت پرستی، اب تو خدا کے گھر میں
اگر میں تکه رسی سے برا دھیان پاؤں (۲)

---

(۱) اصل «کہتے ھیں یه»   (۲ اصل «پاوں»

برع میں تو هوں، ولے میرا گلا کرتا نہیں
دل میں ہے وہ وفا، پر حق وفا کرتا نہیں

(۱۹۵ الف) عشوۂ و ناز و کرشمہ، ہیں سبھی جاں بخش، لیک
درد میرا ہے، کوئی اوسکی دوا کرتا نہیں

برع میں هوں، نہ وهی نالہ کیسے جاتا هوں
مرے مرے بھی، تو بےغم کو لیے جاتا هوں

هر طرح زمانے کے هاتهوں سے ستم دیدہ
گر دل هوں تو آزردہ، خاطر هوں تو رنجیدہ

ای شور قیامت! رہ اودهر هی، میں کہتا هوں
جونکے ہے ابهی یہاں سے کوئی دل شوریدہ

بدخواہ سبهی عالم کو هووے تو هو، لیکن
یارب! نہ کسی کے هوں بسمن نہ(۱) دل و دیدہ

کرتا ہے جگہ دل میں جن ابروی تو سمہ
ای درد! برا نہ تو هر مصرع(۲) چسپیدہ

روندے ہے نقش پا کی طرح، خلق یہاں مجھے
ای عمر رفتہ! چھوڑ گئی تو کہاں مجھے؟

ای گل، بر رخت باندھ اوٹھاؤں میں آسماں
گلچیں، مجھے نہ دیکھ سکے، باغباں مجھے

ای همو طناں، اب کے نہ وحشت زدہ هر کر
پھرنے کا نہیں، عمر کی مانند، سفر سے
کر باغ میں جنداں، وہ مرا لب سکر آوے

---

(۱) اصل «نہو» (۲) اصل "مصرعہ"

اندار ووهی سمجهے مرے دل کی آه کا

رحمی حو کوئی هوا هو، کسی کی نگاه کا

زاهد کو همے دیکهه لیا، حوں نگیں، بعکس

روشن هوا هے نام تو اوس روسیاه کا (۱)

همے کس رات ساله سر نکا؟

ر مجهے، آه ا مجهه اثر نکلا

درد کے حال ر درا، طالم

نکلا نوے رحم، پر نکلا

چهارم از طبقهٔ اولی، رستم میدان شاعری، سهراب معرکهٔ سخنوری، افراسیاب مملکت سخن طرازی، دارای سلطنت نکته برداری، مقدم گروه سعرا، بانیء معر و مرزا، سیخ قیام‌الدین علی، المتخلص بقائم، که عرفش نیز «محمد قائم» بوده (۲) شاعری گرسنه باقوت و تمکین، کلامش

(۱) اصل «دیکهه کیا» در مصرع اول و «ـے» در مصرع ثانی و تصحیح از دیوان مطبوعه و مخطوطه ۱۲۱۵ھ و ۱۲۲۱ھ

(۲) نکات ۲ب، گردیزی ۲۱ب، مخزن ۷۷، چمنستان ۱۰۵، حسن ۹۶ب، طبقا ۳، گلشن سخن ۸٦ الف (و درو بردکر اسم و تخلص اکتفا کرده)، گلزار ۱٦۲ الف، لطف ۱۳۳، عقد ٦٦ب، تذکره ٦۱ب، عیار ۸۲/۲، شمیمه ۱۲۷ب، ساحر ۳۵۱، طبقات ۱٦، سراپا ۴ ۱ و ۲۷۱، سمیم ۲۸، سخن ۳۸۱، اسحاب یادگار ۱۰۳، حزینه ٦ ۲، شمع ۳۸٦، آب حیات ۱۵٦ حاشیه، طور ۹۷، گل ۱۸۲، اسحاب ۱۷، تذکره کاملان رامپور ۳۲٦، قاموس ۱۳۸/۲، عسکری ۲۴۵، جواهر ۲/۳ ۷، رساله زمانه، کانپور، بابت جولائی ۱۹۲۹ء ۳، ۷ ناص ۲۴

شاه محمدجعفر، در وصل الکلمات (۴۲ الف و ۴۲۳ الف) نوسته که «الحال رفیق نصرالله‌خان پسر محمدعلی‌خان است، و همراهش در رامپور بسر می‌برد»

و سوق رامپوری، در تکمله الشعرا (۲۴۴ الف) گفته «محمد قائم، قائم تخلص، متوطن قصبه چاندپور، آدم خلیق و دردمند، مجمع خوبیها موصوف و در ریخته گویی در تمام هندوستان مسهور و معروف بود دیوان هندی او سهرت دارد از سخوران کامل در زبان ریخته بود گاهی فکر سعر فارسی هم می‌کرد حمد عزلیات بزبانیء او سمع (باقی)

کر کو چاهوں، تو اوس کے تئیں کہاں پاؤں؟
نه رات شمع سے کہتا تها ، درد ، پروانه
که حال دل کہوں گر جان کی امان پاؤں
دنیا میں کون کون نه یکبار هو گیا ؟
پر منه پهر اس طرف نکیا اون نے جو گیا
ایک تو هوں شکسته دل، سینه نه جور، نه جفا
شیء عشق، واه وا ! جی هوا، ستم هوا
اوسکو سکهلائی نه جفا تونے
کیا کیا ، اے مری وفا ، تونے ؟
کسی کو کیا عبث بکس
قتل (۱) کر مجکو ، کیا لیا تونے ؟
درد کوئی بلا هے شوخ مزاج
اوس کو چهیڑا ، برا کیا تونے
فرصت زندگی بہت کم هے
مغتنم هے یه دید ، جو دم هے
درد کا حال کچهه نپوچهو تم
ووهی رونا هے اور وهی غم هے
نہیں کچهه محتسب سے جان کا مجکو تو اندیشه
کہیں ایسا نہووے، هاتهه سے وه چهین لے شیشه
صورتیں کیا کیا ملی هیں خاک میں
هے دفینه حسن کا زیر زمیں

(۱) اصل، «مرل» و تصحیح از دیوان طبوعه ۱۲۷۱م

مثل لآلئ آبدار، همه با آب و تاب بالیف کلمات و بندش الفاظ او،
اگر نگاه کنند، قدم بقدم مبرا است، و از برستگی و شکستگی آن،
اگر گفته آید، بی شبه بامیر هم اداست حق است که پایهٔ کلام
لطافت انجام این سخن طراز بهیچ وجه از کسی فروتر نیست بحسب
طرز لطف و وضع نظم احسار کرده، که لطف و کمیت هردو اوستاد
را شامل، بلکه به بعض مقام ترجیح طلب است و فرق همین قدر
است که آن بزرگ شاگرد مبرا ست وبس، لهذا مانند اوستاد خود
جمیع اقسام سخن را گفته، و داد شاعری، در هر قسم، بوعی که حق آن
بوده، داده - (۱۹٦ ب) کلام این محقق بیز، مثل اوستادان مسطور
الصدر، در موزونان بی تامل سند است ، و خود هم برد همه سخن
سنجان مسلم الثبوت و مستند فرق بندش قصیده از غزل، و غزل از
رباعی، و رباعی از دیگر اقسام، در کلمات همین صاحب انداز از هم
ممیز، چه هر قسمی که گفته، آنرا از حدش هرگز متجاوز شدن نداده ،
بر همان انداز که وی را می باید، نگاهداشته است ، بخلاف کلام
دیگر اوستادان، که غزل بعضی ازان برتری نموده، بمرتبهٔ قصیده رسیده،
و قصیدهٔ بعضی فروتر شده مساوی غزل گردیده، و برین قیاس است حال دیگر
اقسام در دواوین(۱) آنها بالجمله شخصی کامل بود - ظاهر حال خود را
بلباس درویشی آراسته میداشت، و بهر مجمع و محفل که پامیگذاشت
بکمال عزت واحترام استقبالش می‌نمودند بیشتر اوقات شریف خود را
برفاقت نواب محمد یارخان و پسرش نواب احمد یارخان افغان گذرانیده،
چند سال شده که برسوائی دنیا نظر نموده ، ترک این جهان فانی کرد،

(هه) احسار کرد

یك نسخه خطیه از دیوان قایم در کتابخانه عالیهٔ رامپور محفوظ ست

(۱) اصل "دواین"

نزمرهٔ وجاهت مبین، دیوانش سراسر انتخاب، و اشعار دلپذیرش،

(بقیه) رسید »

مولوی عمر شاه‌خان آشفته رامپوری، در دیباچه دیوان ریخته خود (ورق ۳ الف) که در سنه ۱۲۳۷ه (۱۸۲۱ع) نوشته، می گوید «عرض کرتا ہے عمر شاه خان آشفته که عنفوان شباب میں حضرت صاحب صاحب سردفتر شعرای هندوستان، بهتر شعرای زمان، دقیقه سنج بید دانم، قیام الدین محمد قائم کی خاطر حزیں تھی، اور خدمت اوس برگزیده استاده بے نظیر فراز اعصار اور سند یگانه بلا ... دار دیار و دیار کی مختار شام و پگاه تھی جو بزم لطافت انگیز اوس رئیس شاعران میں شب و روز سرای شعر و شاعری کے اور ذکر رہتا تھا، اور اوس طوطی گلزار فصاحت کو غیر اس تذکرہ رعب خیز کے کچھ منظور نہ تھا، اور ہر دم بر ساط بزم سلاست تصویر اوس سگرف بیان کے ذکر ریختہ گویان ... مرزا جان جانان مظہر اور خواجہ میر درد، اور ... سراج الدین علی خان آرزو، اور ... میر محمد تقی، اور مرزا رفیع السودا، اور دیگر اخوانِ زمان روز مجالس سند یہ مقالات دلچسپ مواضع و بلاد، لاسیما حضرہ و غیرہ جلسہای محافل بزبان حالات دلکش شاهجہان آباد کی سیر تحریک سلاسل ازدیاد اشتیاق ریختہ گوئی ہوتی ... خاتمہ صحبت اعیان ایک دن اوقات خلوت میں زبان رولید بیان اس ناوہ گر کی بے غرض اوس مخدوم ممدوح و ملوم کے گزارش کیا که اگر اجازت سرپرست صاحب کی مجرد سخنگوئی ہووے، ... گاہ گاہ دو چار بیت مبتذل ... ساتھ خراش لازم ... کا ہر ... کہ ہم بے مس ... سالہ ... طائر فکر میں کیا آسمان کے تارے توڑے کہ آپ ... گے، اور ... سے دخترے رزوسیم کے جوڑے که آپ جوڑیں گے اولی و انسب یہ ہے کہ تحصیل ضوابط انشا و تکمیل روابط طب کا ارادہ صحیح و شائستہ نظر رہے، که منشی و ... وطن خادم ... رہے، مسرور و بدنام و نگر رہے»

اسم پدر قائم، محمدهاشم و اسم جدش محمد اکرم بردہ است. بنابرین میتوان گفت که اسم قائم، محمد قائم بوده، و قیام الدین لقب اوست. برکسانی که او را قیام‌الدین‌علی نوشته اند، غالبا از وضع اسمای خاندان او بیخبر بوده اند.

اکثر ارباب تذکره، رحلت قائم را در ۱۲۱۰ه (۱۷۹۵ع) معرفی کرده اند. و همین تاریخ در خاندانش مشهور است. اما در انتخاب و قاموس، غالبا بنا بر قول دیباچه نویس و بنا بر گفته که قائم در ۱۲۰۷ه (۱۷۹۲ع) فوت شد. آرزو جالی، در مقاله که در مجله ادبی دنیا (لاهور، ماه دسمبر ۱۹۴۰ع) نشر کرده، می فرماید که «بعض مرگش را در ۱۲۰۲ه (۸۸-۱۷۸۷ع) و بعض در ۱۲۱۰ه (۱۸۰۲ع)، هم نشان داده اند. لاکن بنابر ماده تاریخ مستخرجه میان جرات، اغلب و ارجح این است که در ۱۲۰۸ه (۱۷۹۳ع) ازین جهان رفت » (همین سال را در مقدمه نکات الشعرا (مطبوعه انجمن ترقی اردو) (باقی)

چھوڑ سہا مجھے، نارب، اونھیں کیونکر گرری

غم، جنھیں آٹھہ پہر تھا، مری سہائی کا

عار ھے ننگ کو مجھہ نام سے، سبحان اللہ!

کام پہنچا ھے کہاں تك مری رسوائی کا!

صحن صحرا کو سدا اشك سے رکھا چھڑکاؤ

بس دیوانا ھوں میں قائم بری مردائی کا

ھو گر اسے ھی مری شکل سے بیزار بہت

تم سلامت رھو! بندے کے خریدار بہت

ھمدگر جب جھگی آئی، تو جھگڑا کیا ھے؟

ہمکو خواهنده بہت، ھم کو طرحدار بہت

سچ(۱) کہو، قتل پہ کسکے نہ کمر باندھی ھے؟

ان دنوں هاتھہ میں تم رکھتے ھو تلوار بہت

قائم، آتا ھے مجھے رحم جوانی نہ بری

مرچکے ھیں اسی آزار کے بیمار بہت

زلف دیکھی تھی کسکی خواب میں رات؟

ھم سحر تك تھے پیچ و تاب میں رات

(۱۹۷ ب) خوب نکلے ھم اوس کے کوچے سے!

ورنہ آئے تھے اك عذاب میں رات

بس کہ خالی سی کچھہ لگے ھے بغل

دل گرا شاید اضطراب میں رات

چاھے ھیں نہ ھم بھی کہ رھے پاك محبت

پر جسمیں نہ دوری ھو، وہ کیا خاك محبت!

---

(۱) اصل، «سجیه»

و در رام‌پور فیض‌الله‌خان والاکه از مدت مسکن او همان بلده بو
مدفون گشت این چند شعر از کلام فصاحت نظام اوست :

جو ، کوهکن ، مجھے خوب هی آزمانا تھا
عوض پہاڑ کے، سعر ین سے دل اوٹھانا تھا

معامله هے نه دل کا، اسے کہنگا وہ کیا
سامر کے ، همیں، ساتھه آپ جانا تھا

کبھو که گورغریباں میں رکھیں قدم کو
که اوس کا جسے بھی آکثر وهی ٹھکانا تھا

(۱۹۷ الف) عاشق و طرب کہاں هے؟ غم دل کدھر گیا؟
صدمے میں اس گرسنت کے اسپ کچھه گزر گیا

کیا کہیے نانوانیء غم کی حراداں ؟
گرسنت میں دل کو جمع کیا ، جی نکھه گیا

اك ڈھب په کبھو وہ بت گلفام نمانا
دیکھا میں جو کچھه صبح، اوسے شام نمانا

فہرست ، میں، جوباں وفادار کی ، یارے
دیکھی، تو کہیں اوس میں مرا نام نمانا

پڑھ کے، قاصد، خط مرا، اوس بدزباں نے کیا کہا؟
کیا کہا، پھر کہہ، بت نامہرباں نے کیا کہا ؟

عمر سے ملنا تمھارا سنکے، هم تو چپ رهے
پر سنا هوگا که ہمکو اك جہاں نے کیا کہا

حلوہ، چاهے هے اسے،(۱) اوس بت هرجائی کا
نه برساں نطری جرم هے بینائی کا

(۱) اصل «اوسے» تصحیح از حاشیه و طبوعه

قائم، ہے جو شمع بزم معنی
میں رات گیا تھا اوس جوان تک
بتلاتا، تو ہے ڈھیر آنسوؤں کا
دکھلا، تو گداز استخوان تک

(۱۹۸ الف) ہم ہیں، جنھوں نے نام جس تو نہیں کیا
آئی صبا جدھر سے، اودھر رو نہیں کیا
ہم ہیں، ہوای وصل میں اوس گل کی، دربدر
جس کا صبا نے طوف سر کو نہیں کیا
قائم کو اس طرح سے تو دیتا ہے گالیاں!
جس کو کسی نے آج تلک تو نہیں کیا

تھا بدو تک جہان سے میں عدم میں آزاد
آہ! کس خواب سے ہستی نے جگایا مجکو!
کچھ تو بھی بات جلال کی، کہ سب اوس نے محرم
عمر کے آئے ہی، مجلس سے اوٹھایا مجکو
میں تو اس بات نہ مرتا ہوں کہ اوس نے، قائم
کس طرح پردے سے کل بول سنایا مجکو!

کیجیے گا صلح پھر، دل مدعا کے ساتھ
ان بن ہے کچھ ہنوز کو، اپنی دعا کے ساتھ
جو بات دل سے ہاتھ ملاوو، تو جانیے(۱)
سجدے کیے ہیں آپ نے اکثر حنا کے ساتھ
اوس سیمرنگ تار کے صدقے! کہ جس کے بیچ
ہلکی سی ایک شوخی کی نہ ہو حنا کے ساتھ

(۱) اصل «ملادو» تو جان ہے»

گو کرے ہمکو کسی طرح تو در سے باہر
جسے جی جائیں کوئی ہم ترے گھر سے باہر

ہمکو کیا قدر ہے، اے دیدہ، مرے رونے کی
ایک بوند آئی ہے سو خون جگر سے باہر

بھی تو اک بات، نہ کیا کہیے کہ یہاں تو، سارے
نکلی ہی پڑتی ہے تلوار، کمر سے باہر

بہے دیکھا ہیں یاروں نے لہو کا سیلاب
رکھیو ٹک، ای اشک، قدم دیدۂ تر سے باہر

ایک سودا کی تو، قایم، نگہوں میں، ورنہ
ہے برا طور سخن حد بشر سے باہر

پی کے مے، عمر کے رہو سب باش
واہوا! رحمت! آفریں! شاباش!

سینہ کاوی ہے کام ہی کچھ اور
کوہ کن بود مرد سنگ تراش

آج آپ مرے حال نہ کرتے ہیں تاسف
اشفاق، عنایات، کرم، مہر، تلطف!

خاموشی بھی کچھ طرفہ لطیفہ ہے کہ، قایم
کرنا پڑے حسن میں (۱) نہ تصنع، نہ تکلف

شرمندہ بہو، نکل جگر سے
اے نالۂ نارسای عاشق!

صحبت کے مرے ہوں سب (۲) برافتاد
اک بات ہے یار، پر نہ (۳) یہاں اک

(۱) اصل «حسنی» (۲) دیوان مخطوط «یوں برافتاد» (۳) اصل «نہ»

شهرت و نام، فرید زمانه، اوستاد یگانه، که طرزش از کلام همه شعرا جدا، و دیوانش، با وصف متانت وصفا، بالتمام مشحون ومملو از انداز و اداست فی‌الحقیقت طرزی نفس ایجاد نموده که تتبع آن بسیار دشوار می نماید چه اگر کسی پیرویء او در پختگی و متانت میکند، نثر ترش بطرز ظهور ومیرزا منسوب میگردد، و اگر صرف در ادا بندی وصفائیء آن راه اطاعت می پوید، گفتارش نثر ترسوان و مجنونان و یاراوان می شوند غرضکه این طور خاص مخصوص و ختم برهمان غواص بحر معانی بوده، که خود اختراع نمود و خود خاتم آن شد، و

(نقه) روز روشن ۵ ۳، انتخاب ۱۹۳، طور ۴۵، خمخانه ۴، ۲۶۷، گل ۱۷۹، اصحاب ۱۹، قاموس ۱، ۳۱۲، عسکری ۱۲۴، جواهر ۲، ۴۵۴، اسپرنگر ۲۶۷ و ۲۹۲، بلوم هارث ۳۴

مثلاً، در گلشن سخن (۶۲ب) گفته «بر سید محمد، نور تخلص، دهلوی از سادات عظیم‌الشان و مشاهیر نکته رسانست در ادابندی و پختگی و برشتگیء کلام و فن کمانداری و خوشنویسی یدبیضا دارد در اوائل حال بسیار بکام دل زندگی بسر کرد، و در اواخر برهنمائیء خاطر وارسته، ترک علائق دنیوی نمود و لباس فقر پوشید تا این زمان، که سنه یکهزار و یکصد و نود و چهار هجری است، در لکهنو می‌گذراند دیوانش از هزار بیت متجاوز دیده شد»

و میر ولی‌الله، در تاریخ فرخ‌آباد (۱۵۱ ب) نوشته «میر نور شیرین سخن بود از شاهجهان‌آباد، و از مریدان سیدمحمد زاهد دهلوی در عهد نواب احمدخان، در سرکار مهربان خان در ان، بعزت تمام اوقات می گذراند، و شعر بلطافت و نداهت می گفت»

در اصحاب، رحلتش را در ۱۲۰۹ه (۱۷۹۴ع) معرفی کرده، لکن در نطلس نسخ هجر به وعشو به صحب را انکار برد، زیرا که ۱۲۰۹ه تا ۱۷۹۴ع تطابق دارد و برد لطف، بعد ۱۲۱۲ه (۱۷۹۷ع) فوت شده اما در قاموس و جواهر گفته که در ۱۲۱۳ه (۱۷۹۸ع) درگذشت و همین قول اصح است، چه علاوه بر ماده که در متن مندرج شد است، از ماده دیگر «وای داعی مانده از نور» که برآورده مولانا لکهنوی متخلص برازی است، همین سال برمی آید رجوع شود بدیوان رازی، مخطوط، نسخه نظم فارسی، کتابخانه عالیه رامپور ورق ۲۲۹ ب

یک مخطوطه از دیوان میرنور، که در ۱۲۲۷ه (۱۸۱۲ع) قلمی گردیده، در کتابخانه عالیه رامپور محفوظ است

موتی صدف سے نکلے ھے، لیکن کب اس طرح؟
ڈھلتی (۱) ھے بات منہ سے ترے حسن صفا کے ساتھ

ھور شوق دل سرار ھے باقی
نجھی ھے آگ تو، لیکن شرار ھے باقی

گیا (تھا) آج میں قاتل کے دیکھنے کے لیے
کوئی دم اور نفس کی شمار ھے باقی

یارب، کوئی اوس چشم کا بیمار ہووے!
دشمن کے بھی دشمن کو نہ آزار ہووے!

کیا کیا عدم میں ہم پر ظلم و ستم ہوئے!
پرچے تہی رہگئے اور، ھائے! ہم ہوگئے

وہ بھی کیا دن تھے کہ جی کو لاگ اوس کیساتھ تھی!
میں تھا اور کوچہ تھا اوسکا اور اندھیری رات تھی

(۱۹۸ ب) شاید وہ بھول کر، کبھی یہاں بھی (۲) قدم رکھے
یکساں کرو رہیں ہمارے مزار کی

دل ڈھونڈتا ہے میں مرے بوالعجبی ھے
اک ڈھیر ھے یہاں راکھہ کا اور آگ دبی ھے

پنجم از طبقۂ اولی سفینۂ انداز مخمورۂ سخن رانی، محو آسۂ جمال معانی، اداشناس بے نظیر، شاعر دلپذیر، محرم درد عاشقان عمانداور، شاہ میر محمد المتخلص بہ سوز (۳) بوده است عالم شعر بی کلام صاحب

(۱) اصل «دبی» تصحیح از دیوان مخطوط (۲) اصل «بھی کبھی یہاں» و تصحیح از دیوان مطبوعہ

(۳) گردیزی ۱۳۸ (تخلص میر، وار حطبہ ساقط سدہ است)، مصحفی ۲۲۵ الف، مخزن ۴۸، حسن ۶۶ ب، گلزار ۱۳۳ الف، لطف ۱۱۳، تذکرہ ۳۸ ب، شعر ۱، ۳۲، سفینہ ۸۸ الف، طبقات ۱۴۵، سراپا ۹۸، حدولہ ۱۳۱، شمیم ۲۹، سخن ۲۲۷، (باقی)

عم هوا ، هاے ! یه بڑا دل کو
مٹ گیا لطف ریحه گوئی
حاك ، بھر، دے سحں مرا دل کو !
حاك میں مل گئی اداسدی
(۱۹۹ب)گفتگو اب حوش آوے کیا دل کو !
کہی حراب ہے روکے به ناریح:
« داع اب سور کا لگا دل کو »
(۱۲۱۳ھ)

بم کلامه اں چند شعر ار وست :

ر ندگانی میں کسے آرام حاصل ہووے گا!
ہاے! آسوده حہاں میں کوسا دل ہووے گا!

بو ہم سے حو ہم شراب ہوگا
عالم کا حگر کباب ہوگا
ڈھونڈے گا سحاب ، چھپے کو ، مہر
حس رور وه بے نقاب ہوگا

راب آنکھیں بھیں موندیں، ر حمت ٹك سدار بھا
تا سحر، دل محو دیدار حمال یار بھا
سور،کیوں آیا، عدم کو چھوڑ کر، دنیا میں بو؟
وہاں تجھے کیا بھی کمی؟ یہاں تجکو کیا درکار بھا؟

اگر کچھه سور ے نانا، بو مسحانے کی حدمت سے
حرم کے در پہ ، ورنه، بارها سرمار مار آنا

اهل ایماں سور کو کہتے ہیں: « کافر ہوگیا»

چنان اعتدال و دوام در کلام خود گزاشت که کسی او را یافت لهذا شاگردانش بسیار شده‌اند و باندازش نرسیده اند، الاشخصی چند که سلیقهٔ کامل وفهم رسا داشتند، مثل حکیم انشاءالله‌خان انشا و حکیم رضاقلی آشفته و نوازش حسین‌خان نوازش که نثر راخانی شهرت دارد (۱۹۹ الف) غزلهای این صاحبان اکثر ار نمونهٔ طور (۱) اوستاد خود خالی نمی ماند، و مقرر یك دو شعر بهمان انداز ار ایشان سر می‌زند و بیان دیگر محامد و مکارم آن نیکواخلاق ار حصر تحریر قلم و احاطهٔ تقریر زبان بیرون و او روست نوشتن خط نستعلیق وشفیعا و تیراندازی و سواری اسپ وآداب دانیء صحبت ملوك و سلاطین و خوش تقریری و خوش طبعی و ظرافت وسعی و سفارش عزیا بخدمت امرا، که درین امور نظیر خود نداشت، مثل آفتاب بر همه‌ها روشن وظاهراست نواب آصف‌الدولهٔ مغفور ار دل عاشق صحبت نمکین ایشان بود، و کمال عزت واحترام می نمود و نواب سرفرازالدولهٔ مرحوم که نایب وزیر بوده، او هم بسیار معتقد بلکه مرید وعلی هذا القیاس جمیع اعزه وعمائد لکهنئو خدمت میر را شرف و برکت خود مبدا سیند، وصحبت اوغنیمت می شمردند مدت شد که آن بزرگوار هم ار دنیا، که دار رنج ومحن است، اعراض کرده، روبآن جهان آورد، وکلیات خوبش را بجای خود یادگار گزاشت وتاریخ آن اوستاد سطیر میان جرات قلندر بخش چنین نوشته است قطعه:

سوز ماتم نے تیر سوز کے، آه!
شمع ساں، بس جلادیا دل کو
میر صاحب سا شخص یوں مرجائے!

---

(۱) اصل «صرر»

کھینچ کر تیر مسار بیٹھے ، بس
سور ہے یا شکار ہے ، کیا ہے ؟
بستیاں بستی ہیں، اور اجڑے نگر آباد ہیں
وہ کہاں، جنکے جدا ہونے سے ہم ناشاد ہیں!
منہ لگانے سے مرے کون تو جدا ہوتا ہے ؟
جانمیں، تو سینے کے لینے سے تو کیا ہوتا ہے؟
رونا بھی تھم گیا، برے غصے کے خوف سے
بھی چشم ڈبڈبائی ، پر آنسو نہ ڈھل سکے
منہ دیکھو آنہ کا ، بری بات لا سکے !
خورشید پہلے آنکھ تو تجھسے ملا سکے
امید بس دلکی ساری (تو) بھر پائیں ہم نے آہ!
اے سور، بعد مرگ تو اب مدعا ہے یہ
دامن کشاں وہ لاش پر آکر، مجھے کہے
«ہے، ہے! کسی کے پیچھے یہ سیاہ، موا ہے یہ»
یوں تو نکلی یہ مرے دل کی اما ہے گا ہے(۱)
اے فلک، پھر خدا ! رخصت آ ہے گا ہے
ابلک نے سور سے پوچھا کہ « جسم سے اپنے
اب بھی ملنے ہو بدستور، کہ گا ہے گا ہے ؟»
دیکھکر مونہہ (۲) ، گھڑی ابلک میں بھر کر دم سرد

---

(۱) دردیوان مطبوعہ بر همین طور واقع شد اما در آب حیات وسنه «یہیں نکلے ہے مرے دل کی انا ہے گا ہے» «اماھو» در هندی بمعنی امنگ، و «انا ہے» بمعنی تدبر و فکر وغیره می آید

(۲) اصل «منہ»ودر دیوان مخطوط «دیکھہ مونہہ اوس کا یوں اشارت سے بتایا»

آہ! یارب، راز دل اون پر بھی ظاہر ہوگیا

سچ ہے، شوز، تو؟ ملنے کا قصد مت کر، یار

اوٹھا سکے گا تو کب بار بدنماعون کا؟

مروت دشمنا، غفلت پناہا!

ادھر ٹک دیکھہ لیجو مڑ کے، آھا!

کٹے اوقات سب غفلت میں میرے

خداوندا، کریما، بادشاھا!

صرفت العمر فی لہو و لعب

فآھا، ثم آھا، ثم آھا!

ہوئے تھے آشنا ہرے بہت سے

ولیکن شوز نے اچھا نباھا

مجھے گر حق تعالی عشق میں کچھہ دسترس دیتا

تو دل ان بیوفاؤں کو کوئی دن اپنے بس دیتا

(۲ الف) قسم ہے، شوز، گروہ قتل کرنا اپنے ھاتھوں سے

تو جی دیتے ہوئے بھی، صورت اوسکی دیکھہ، ہنس دیتا

غم ہے یا انتظار ہے، کیا ہے؟

دل جو اب بیقرار ہے، کیا ہے؟

وائے! غفلت، سمجھے دنیا کو

نہ خزان یا بہار ہے، کیا ہے؟

کچھہ تو پہلو(۱) میں ہے خلش، دیکھو

دل ہے یا نوک خار ہے، کیا ہے؟

(۱) اصل «بھلوں»

جو کوئی پوچھے کہ «میرا دل، یار، کسنے لیا»؟

بس جہا آتی ہے، مجکو مت بتا، کسنے لیا

سرشک شمع، آخر، شمع محفل ایکدن ہوگا

نہ آنسو رفتہ رفتہ جمع ہو، دل ایکدن ہوگا

تجھے اے دل، تجھ میں محفلوں سے میں نے بالا تھا

بتایا تھا کہ تو ہی میرا قاتل ایکدن ہوگا

کہوں کس سے حکایت آشنا کی؟

سنو، صاحب، یہ باتیں ہیں خدا کی

کہا میں نے کہ «کچھ خاطر میں ہوگا

تمہارے ساتھ جو میں نے وفا کی»

تو کہتا کیا ہے: «بس بس، چوں چرا کر بند

وفا لاتا ہے، دیت! بری وفا کی»

(۱۲ الف) عدم سے زندگی لائی تھی بہلا

کہ دنیا جائے ہے اچھی فضا کی

نظارہ دیکھ (کر) بس ہوگا دل

کہ ہے! ظالم، دعا کی رہے، دعا کی

او میاں، او جانے والے! کہو اوس مسحور سے

کوئی دیوانہ کھڑا ٹکرے ہے سر دیوار سے

ادھر، دیکھو تو، کس ناز و ادا سے یار آتا ہے!

مسیحا کی موئی امت کو، ٹھوکر سے جلاتا ہے

اشعار ادائیۂ سرور سیٔد اللہ خوش بیش قمر بودند، ناچار نوشته شدند

یوں اساروں سے جانا: «سر را هے گا هے»

رات یوم شراب بھی ، اور یار
جام لیا ہیا هاتھه سے سب کے
(۲ب) کہیں منه سے نکل گیا ایسے:
« جام لے هاتھه سے مرے اب کے »
ووهیں تیوری چڑھا ، لگا کہنے:
« کچھه نظر آتے ہم عجب ڈھب کے !
میں جو ساله تمهارا هاتھه سے لوں
ایسے ہم بیمرے آشنا کب کے ؟»
سنه کے موتی بکارے هیں پڑے:
«میرے عاشق کا ناك میں دم هے»
نه چال (۱) نا قامت، نه حسن نا شرارا!
چلتا هے کس ٹھسك(۲) سے،ٹك دیکھو، خدا را!
جوڑا اپیٹے جب تك، زور حساب آخر
ہاے! تری بناوٹ، اے خود نما، خود آرا!
کسکا نه نرگسستان ؟ تیرے سمجھد، بارے
زیر زمیں سے اوٹھه کر، کرتے هیں پھر نظارا
پوچھے(هے) مجھه سے، سیتو: «عاشق هے کیا تو میرا؟»
کچھه جانتا نہیں هے ، بھولا بہت بچارا !
ایسی جراحتوں پر خدا هے سوز اشك
سینه هے نا که برکش، دل هے که سنگ خارا ؟

(۱) اصل «حال» و تصحیح از دیوان مخطوط (۲) اصل «جھمك»

تیرے کوچے میں دوبارا حوب ہم ہوکر چلے
ڈھونڈنے آئے تھے دلکو، حان بھی کھو کر چلے
کب کب آوے ہے ابر، کون تجھے سنگ آتا ہے؟
آنکلتا ہے کبھی، جی سے حو سنگ آتا ہے
ھوا کیا وہ ترا، اے شرمگیں، چپ ھوکے رہ جانا
کبھی حو بات، کھاندنا، ھوئی حوبات، سمجھانا
کوئی کھانا تھا دعا، جھوٹھی مدارات سے میں
آتھ سا دام میں، کیا جارے، کس بات سے میں!
سحت ناچار ہے تقدیر کے ھاتھوں بندہ
ورنہ یوں بار رھوں تیری ملاقات سے میں!
جی میں ہے، ار سر نوحور تو بے یاد کریں
تو سے تا نہ سبے، نالہ و فریاد کریں
ان سوں کی ہے بڑی دوڑ، یہی دل سکتی
نہ کہاں، حو نہ کسی دل کے تئیں ساد کریں؟
ہم اسیروں کی اوسے چاہیے حاطر داری
اور اولٹی نہ کہ ہم حاطر صیاد کریں
حو سرا دیجیے، ہے بجا مجھکو
تجھ سے کرنی نہ تھی وفا مجھکو
آہ! لیجاؤں اب کہاں دل کو؟
چین اوس بن ہو اب جہاں دل کو (۱)
آہ! لیجائیے کہاں دل کو؟

(۱) اس مطلع در دیوان مطبوعہ (انجمن ترقی اردو) یافتہ نمی سود و در مطلع دیگر تقدم و تاخر است

سیوم از طبقهٔ اولی، برادر کوچك خواجه میر درد، که محمد میر نام دارد و اثر تخلص میگزارد (۱)، صاحب کمال آگاهی وعالم سیرتی شخص است که در عذوبت و صفائی کم از برادر خود نیست، بلکه در شوخی و مزه زیاده بر اوست علی الخصوص مثنوی، که در تعریف و بیان محبت کدام معشوقه، از قلم بار رقم او بر صفحهٔ هستی نقش وجود گرفته، بکمال پاکیزگی و گرمیء محاوره واقع شده. بیان فضل و کمال او مستغنی از شرح است. چون مرید خاص برادر خود بود، بعد رحلت او بر مسندش نشسته، بهدایت مریدان و معتقدان بدینی مشغول مانده، آخر سرشت اجل چشید. دیوانش مشهور است و کلام او بهایت مقبول چند شعر از وست:

رہ گئی ہے، جفا سے و ہاں تک تاسمانی کی
کہ اوس نامہرباں نے صد سے آخر مہربانی کی

(۱) حسن ۸ الف، طبقا ۴۳، گلزار ۸ب، ۱ الف ۳، تذکره ۵ب، نغز ۲۴۳۱، شیفته ۱۶ ب، طبقات ۲۲، سیم ۲۷، سخن ۱، آب حیات ۱۸۵، طور ۹، خمخانه ۱، ۱۲۶، گل ۲۸، جواهر ۲، ۴۶۲، ناص ۲۲

شوق رامپوری، در تکمله الشعرا (۳ب) می نویسد «میر محمدی، اثر تخلص، برادر حقائق و معارف آگاه خواجه میردرد، خوانست موصوف باوصاف حمیده و اخلاق پسندیده از صرف صوفیه حلی وافر دارد طرز سخن ازو برادر است. دیوان مختصر فارسی و هندی هردو دارد کلامش خالی از درد و اثر نیست»

و مبتلا، در گلشن سخن (۹ب) می گوید «اثر، نامش خواجه محمد میر، برادر خورد میردرد، از بجای دهلی است. میر در جامهٔ اهل دلان بهاد اوقات تکسب ریاضت سر می برد، و بیشتر در یاد الهی مشغول می باشد. صاحب علم و عمل، و سوزش و برشتگی از سخنانش هویدا»

از تاریخ اختتام تذکرهٔ هندی گویان مصحفی (که ۱۲۰۹ھ مطابق ۱۷۹۴ع می باشد) بقید حیات بوده، و ولی از سال اتمام مجموعهٔ نغز (که ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ع است) وفات یافته بود. دارین قول گل و جواهر، که از ولی سنه ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ع) رحلت کرده، زمانی را نشان میدهد که از سنه و فاتش بعد تر است بنسبت به سنه ۱۲۲۱ھ

از دورهٔ سابقین بوده. قامت دلفریب او بلباس حسن آراسته، و خمیر طبعیش بآب عشق و محبت سرشته. افصح شاعران عصر خود بوده. نسبت شاگردیش، باعتقاد بعضی بشاه حاتم میرسد، و بتحقیق بعضی به محمد علی حشمت منتهی می‌شود. کلام او بسیار بامزه و پرصفا است. از هرجا که بوده، غنیمت بوده است. در عین شباب وفات یافت، و دیوانش در همه شهر هندوستان مشهور. این چند شعر از وست:

رهتا هے خاک و خون میں سدا لوٹتا هوا
میرے غریب دل کو، الہی! یہ کیا هوا؟
تو مجھکو دیکھه رزم میں، مت کڑهه که میرے یار
مجھه سے بہت هیں، ایک نه هوگا تو کیا هوا
تاباں کے دیکھنے سے برا مانتے تھے تم
کھودی بہار حسن نے تمهاری، بھلا هوا
جفا سے اپنی پشیماں ہو، هوا سو هوا
تری بلا سے، مرے دل پہ جو هوا، سو هوا

(شه) ۱۳۷، طور ۲، خمخانه ۲، ۱۴، گل ۱۲۴، فارس ۱، ۱۵۴، عسکری ۹ ۱، جواهر ۱، ۳، خاص ۱۳، اسپرنگر ۲۹۳، البوم هارث ۳۱

مثلاً، در گلشن سخن (۲۱ الف) می گوید « میر عبدالحی تاباں دهلوی درشرافت و نجابت طاق، و در حسن و دلبری شهره آفاق بود. میر مسطور را فقیر هم در عهد محمدشاه معمور دیده بود. کلامش ارگی و اداها دارد. صاحب دیوانست»

حسب تصریح اهل تذکره، تاباں در عهد محمدشاه بادشاه دهلی (که در ۱۱۶۱ه مطابق ۱۷۴۸ع رحلت کرد) وفات یافته است. البوم هارث، بنابر غلط فهمی عارف لطف، گمان برد که تاباں تا سال ۱۲۰۱ه (۱۷۸۶ع) در لکھنو میزیست. و همین غلطی از دتاسی سرزده. کریم الدین قول دتاسی را نقل کرده است، و سبب غلط زدن این است که لطف در تذکرهٔ خود گفته که او در ۱۲۰۲ه سلیمان را که محبوب تاباں بود بحالت پیری در لکھنو دیده، نه که خود تاباں را. و این هردو علمای یوروپ گمان برده اند که لطف تاباں را دیده بود.

نہ لگا، لے گئے جہاں دل کو
تو بھی جی میں اوسے جگہ دیجو
سرلب بھی ابر کے ہاں دل کو
نگاہوں سے دل کو صاف کرو
میں مقصر، پر معاف کرو
ابر، کیجیے کیا، کدھر جائیے؟
مگر آپ ہی سے گزر جائیے
کبھو دوستی ہے، کبھو دشمنی
بری کوسی بات پر جائیے؟
کدھر کی خوشی، کہاں کی شادی؟
جب دل سے ہوس ہی سب اوڑا دی
یا ہاتھ لگے نہ کھوج دل کا
ہمارے زلف ہی اوٹھا دی
(۲۲ الف) یا رب! سوا لقاء وجہك
لا مقصودی و لا مرادی
احوال شاہ کو دکھاؤں میں کیسے
افسانۂ درد و غم سناؤں میں کیسے
تو دیکھ نہ دیکھ، بس اس، حال بحال
رکھا ہوں تجھی کو، اور لاؤں میں کیسے
هفتم از طبقۂ اولی تابان (۱) کہ میر عبدالحی نام داشت

(۱) گلشن گفتار ۴۱، نکات ۷ ب، گردیزی ٦ ب، وص ۱۸ ۴ الف، مخزن ٥، چمستان ٥٣٣، حسن ۲۷ الف، طبقا ۲۷، گلزار ۲۷ الف، لطف ۲٦، تذکر ١٦ ب، بحر ١٣١١، سفینہ ٣٦ الف، طبقات ١٦٦، شمیم ٢٤، سخن ٨٠، آب حیات (امی)

ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا !
نہ دیکھا ، سو دیکھا ، جو دیکھا ، نہ دیکھا
وہ آیا نظر سارھا، پر کسی نے
یہ حسرت ہے ، اوسکا سراپا نہ دیکھا
ترا چمن ابرو ، مرا غنچۂ دل
وہ عقدے ہیں نہ ، جنکو کھلنا نہ دیکھا
خدا کی خدائی ہے قایم نہ تجھہ سا
نہ دیکھا ، نہ دیکھا ، نہ دیکھا ، نہ دیکھا
سبھی دعویٔ عشق رکھتے ہیں ، یارو !
نہ کوئی عشق سا ہم نے رسوا نہ دیکھا

کہتے کو ادھر اودھر گئے ہم
بھیے نیری طرف، جدھر گئے ہم
یا ، جان ! ہو عدول حکمی
تو نے کہا : « مر » ، تو مر گئے ہم

(۳ ۲ الف)ہم نے تو خاک بھی دیکھا نہ ابر روتے میں!
عمر کیوں کھوتے ہو، اے دیدۂ ترا روتے میں
رات کب آئے ہم اور کب گئے معلوم نہیں

(بقیہ) مثلاً، در گلشن سخن (۷۶ب) می گوید « شا رکن الدین متخلص بہ عشق، مشہور بہ شاہ گھسیٹا، نواد مشا ورهاد بقشبندیست از دهلی بہ عظیم آباد رسیده، در لباس دنیا چندی با خواجہ محمد خان روزگار بعزت و حرمت گذرانید و بعداز ان بطرز آبای خود لباس درویشی در بر کرد ، رحل اقامت در عظیم آباد انداخت تا این زمان، کہ سال یکهزار و یکصد و نود و چار هجریست، در بلده اکثر شغل وجد و حال اکثر می باشد دیوان ریخته اس هزار و پانصد بیت دیده»

در نثر ، از شاہ رکن الدین عشق بالفاظی ذکر رفته است کہ برای اموات مستعمل می باشد و اسپرنگر تصریح کرد کہ وفاتش در ۳ ۲ ه (۱۷۸۸ع) واقع شد

گلی میں اپنی رونا دیکھ مجکو، وہ لگا کہنے
که «کچھ حاصل نہیں ہو سکا، ساری عمر روٹھا»

میں خواب میں دیکھا ہے لگاتے اوسے مہدی(۱)
کیا چاہیے، کس کسکا لہو آج بہے گا؟

آئی بہار، شورش طفلاں کو کیا ہوا؟
اهل جنوں کدھر گئے؟ یاراں کو کیا ہوا؟

(۲ ۲ب) اوس جامہ زیب غنچہ دہن کو چمن میں دیکھ
حیراں ہوں کہ گل کے گریباں کو کیا ہوا؟

آئے سے تیرے خط کے، یہ کیوں ہے گرفتہ دل؟
بتلا کہ تیری زلف پریشاں کو کیا ہوا؟

روتے ہی تیرے غم میں گذر رہی ہے اوسکی عمر
پوچھا کبھی نہ تونے کہ «باباں کو کیا ہوا؟»

هشتم از طبقهٔ اولی، صاحب حال و قال مجمع فضل و کمال، شاه گھسیٹا المتخلص بعشق است(۲) که بکسوت درویشی در عظیم‌آباد با نهایت اعزاز و احترام بسر برده آوازهٔ سیر بیء کلامش بازار قند و نبات شکسته، و طنطنهٔ ملاحت بر برش شور ملیحان را چون نمکی بر بالهٔ حسد بربسته - سوختگیء عشق و برشتگیء تصوف هردو باهم دارد دیوان صفا بنیادش، از اول تا آخر، برنگ حالت واقع شده است این چند شعر اروست :

---

(۱) اصل «مہدی»

(۲) حسن ۸۳ب، طبقا ۳۴، گلز ۱۴۸ الف، لطف ۱۲۶، تذکره ۵۳ الف، نعر ۳۸۴/۱، سفینه ۱۱۲ الف، طباب ۱۸۴، شمیم ۱۷/۲، سخن ۳۳، طور ۱۷، مایوس ۸۵/۲، جواهر ۳۱۱/۱، اسپرنگر ۲۴۱ (نامی)

احمدشاه بادشاه از دورهٔ شاهین شمرده می شود کلامش با وصف

(بقیه) و شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۲۳٦ الف) باین الفاظ مختصر معرفی کرده «میرزا اشرف‌علی‌خان، فغان تخلص، کوکهٔ احمدشاه بادشاه بود، شاعر فارسی و هندیست سخن او خالی از درد نیست»

و مبتلا، در گلشن سخن (۹۶ب) می فرمایند «اشرف علی‌خان متخلص به فغان، برادر رضاعیِ احمدشاه ابن محمدشاه سلطان دهلی بوده، لهذا بخطاب کوکه‌خانی سرافرازی داشت. در اواخر عهد سلطنت احمدشاه از دهلی برآمد بصوبه اوده رسید، و چندی در آن دیار بوقت وزیر بوده، در اوایل عشرهٔ سابعه بعد مائه و الف بعظیم‌آباد وارد شد. روسای آن شهر اورا گرامی داشتند، و خان مذکور جاگیر بالتمغا حاصل نموده، مراعات می گردانید، و در مزاج راجه شتاب رای ناظم عظیم‌آباد دخل تام داشت، و بوساطت راجه مشار الیه خطاب ظریف الملک بنام خود گرفت، و درسنه هزار و یکصد و هشتاد و شش رحلت نمود، و درعظیم‌آباد مدفون گردید. کلیات ریخته‌اش دو هزار بیت دیده شد. اکثر مضحکاتش پاره ضمن سست و بی‌لطافت، و نسبت شاگردیِ میرزا ندیم درست داشت»

و عاشقی، در نشتر عشق (۵۲۱ ب) می گوید «فغان، اشرف‌علی‌خان شاهجهان‌آبادی مشهور بکوکه، چون مادر آن مرحوم، احمدشاه بن فردوس‌آرامگاه حضرت محمدشاه را شیر داده بود، لهذا باین لقب شهرت داشت. در اوایل عهد احمدشاه بادشاه مرحوم، از دهلی مرحله پیمای مشرق شد، و اول بشهر اوده رسید، بنواب شجاع الدوله بهادر پیوست، و چندی در آن جا بسر ساخت، و بعد درسنه یکهزار و یکصد و هشتاد بشهر عظیم‌آباد رفته، براجه شتاب رای ناظم صوبه بهار پیوست. و راجه قدردان بنحو بهترین وجه باوی پیش آمد، برفاقت خود کشید، و متکفل معاش او گردید. و بوساطت وی خطاب ظریف الملک از حضور شاه عالم بادشاه غیور، که در آن هنگام در الله‌آباد رونق افزا بودند، یافت، و دو سه دهه بطریق آلتمغا حصول ساخته، فارغ البال و خوشحال اوقات بسر می نمود. سوای آن دیگر امرا و اعزای آن شهر، سلوک و مراعات باوی میکردند، و عزت و خاطرش می نمودند. چنانچه اولاد آن مرحوم تا تحریر مجموعه هذا در شهر عظیم‌آباد بوده اند، و از همان معاش مذکور زندگانی می نمایند»

گویند خان مذکور بکمال شگفته مزاج بود و از بس ظرافت مزاج بر خاطر داشت، روزی مکان پخته برای سکونت خود بنا نهاد، و بعد تیاریِ آن احباب را ضیافت کرد و در آن مجلس عندالاذکار بر زبان آورد که می خواهم کدام بیتی بر مکان درست سازم، یاران دریافت شدند که مکان فلانی است خط نگاران ذکر استاد بود دست بسته عرض کرد که این مکان بخاطر قدری خوب رسیده است. چون خان استفسار کرد، گفت که بالای دروازه دو بیتان بسازند، امروزیان دریافت کنند که این مکان اشرف‌علی‌خان کوکه است. خان و حاضرین بخنده در آمدند، و وی را انعام نمودند. اکثر ابیاتش نظم (باقی)

جان، اسی برھی ہم کو جس روئے میں

جب تلک اسکے بھمے بیٹھے، اگر آتا ہے

تیری صورت یہاں آتی ہے نظر روئے میں

مجھکو، ای دیدۂ تر، شغل ہے رونا، لیکن

ڈوبا جاتا ہے یہاں دل کا نگر روئے میں

عالم عشق میں مجنوں بھی بڑا گاڑھا تھا

یار مجنوں سے بھی ہم گاڑھے ہیں پر روئے میں

لے آسمان ایسا اور یہ زمیں دونوں

عاشق تو چھوڑ اٹھے دنیا و دیں دونوں

کوئی بت کہتے ہیں اور کوئی خدا کہتے ہیں

ہم سے جو پوچھو، تو دونوں سے جدا کہتے ہیں

تهم از طبقۂ اولی، مونس دل زدگان، غمخوار عاشقان، اشرف علی خان فغان (۱) بوده، که مشهور «کوکه خان» است، یعنی: کوکۂ

---

(۱) نکات ۱ الف، گردیزی ۲ ب، مخزن ۴۲، خمستان ۴۸۲، حسن ۸۷ الف، گلزار ۱۵۱ ب، لطف ۱۳، عمده ۶۲ الف، عیار ۲٬۲۷، شمیم ۱۲۶ الف، طبقات ۹۱، سراپا ۹۸، شمیم ۲۳، سخن ۳۶۹، صبح ۳۱۸، آب حیات ۱۲۳، طور ۷۷، محبوب الزمن ۸٬۲ ۹، گل ۱۱۷، قاموس ۱۲۸٬۲، جواهر ۲۶۳٬۱، ناصر ۱٬۱، اسپرنگر ۲۲۶

میر علاء الدوله، در «نکات الشعرا» (۱۳۸ ب حاشیه) می فرماید «اشرف علی خان، فغان تخلص، جوان خوش طبع و لطیفه گو است، و در ریخته گویی دستگاهی دارد، و صاحب دیوان است. در عهد احمد شاه بخطاب "کوکه خان" و منصب پنج هزاری سرفراز گشته، و تا وقت تذکره، میر اشرف علی خان، رتبه فراغت دور درازی دارد»

و شاه محمد حمزه، در فصل الکتاب (۴۲۳ الف) نوشته که «از عمده صلداران عهد محمد شاه است. وضع ظریفانه داشت»

و جرات، در مقالات الشعرا (۵۴ الف) می‌گوید «میرزا اشرف علی خان از کوکه‌های میرزا احمد است و بکرم خوشی و خوش اختلاطی و خاطر جوانی و موقوف اکثر ریخته و گاهی شعر فارسی می‌گوید. بعد محبوس شدن بادشاه سلاور، بس وات (باقی)

اوس کی وصال و ھجر میں یوں ہی گزر گئی
دیکھا تو ھنس دیا، جو نہ دیکھا تو رو دیا

تجھکو روری ھو، مری جان، دعایں لیا !
مجکو ھر سست بری راھوں کی تلاش لیا !

تیرے فراق میں کیونکر نہ درد ستاک جسے؟
مرے تو مر نہیں سکتا، جے تو حالت جسے!

مرجائیے، کسی کو نہ دنیا میں چاھیے
کیا کیا ستم سہے! مری جہا لی سرا ھے(۱)

کہتے ھیں: «وصل گل تو ہجر سے گزر گئی»
اے عندلیب، تو نہ قفس بیچ مرگئی

شکوہ و کون کرے ھے مرے اشک سرخ کا؟
مری کب آستیں مرے لوھو سے بھر گئی؟

بھلا اگر میں یار کو پاؤں، و یوں کہوں
«انصاف تو نہ چھوڑ، محب اگر گئی

آخر فغان وھی ھے، اوسے کیوں بھلادیا؟
وہ کیا ھوا سلوک؟ وہ الفت کدھر گئی ؟

مجھہ سے جو پوچھے ھو، بہر حال شکر ھے
یوں بھی گزر گئی مری، ووں بھی گزر گئی»

(۴ ۲ الف) ڈرتا ھوں، محشر میں مرا نام ہووے
دنیا میں، الہی، کوئی بدنام ہووے !

ستمگر کوئی نہ سی لایا، مرے قاتل
ایسی نہ لگانا کہ مرا کام ہووے

---

(۱) اصل "سرھاسے"

سمت زمانه، صفای تمام دارد، و نسبت شاگردی میرزا علی قلی ندیم، که شاعر ایهام گو گذشته، میرسد. بسیار خوش تقریر و بذله سنج و لطیفه گو بود. با وجود مصاحبت بستگی، تقریب تمام سر برده. گویند که روزگار نواب شجاع الدوله مغفور را همین قدر حرکت، که در عالم اختلاط دستش تماس شوخیه بودند، به تهرگی گذرانیده رفت، و در عظیم آباد بس راحت شباب رای یکی از دوستان او ننموده، همانجا باجل طبعی در گذشت. این چند شعر از وست:

(۳۲ ب) رفته رفته، سب حرش قد مرا آب هوگا
جو قدم آگے رکھیگا، سو قیامت هوگا
ایسی نگاه کی که مرا جی نکل گیا
قصه مٹا، عذاب سے چھوٹے حال گیا
آئی بہار پھر، تو بس اچھو، فغان
زنجیر کو توڑ اکے دوانا نکل گیا
آنا همارے گھر میں تجھے عار ہوگیا
ایسا فغاں کے نام سے بیزار ہو گیا!
آنکھوں نے، لے سفینۂ الفت، ڈبو دیا
کچھ دل نہ چل سکا، تو، مری جان، رو دیا
کیا پوچھے هو حال فغاں؟ کیا سنا نہیں؟
خانه خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا

(بقیه) زبان ریخته می کرد و گاه گاهی فکر فارسی هم می نمود»
در گلشن، و گلزار، و شمیم، و سخن، و جواهر، رحلت فغان در ۱۱۸۶ھ (۱۷۷۲ء) ثبت افتاده است. اما صاحب مخزن الغرائب گوید که اسنه ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۱ء) بعد حیات رد و شمه و طبقات، و فانی زادر ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۲ء) عرقی کرد. اما اصح همان ۱۱۸۶ھ است.

او، من اوله الی آحره، همه گمعهٔ مرراست ىهر کمف ، دری وصع همه‌ها مسع او هسىد در اول سىاب معمودالحىر گست حالش معلوم شد که چه سد مصححمی درىدکرهٔ حود آورده که ىدرس او راکشته، دردىگ مدفوں ساحت، و اں سر راکسی ىمداىد حداىش دامرزد ! ساعری لطىف ىوده اں چىد سعرار دىواں فصاحت ىساں اوسىت :

ىهں معلوم، انکے سال ىه ىحاىے ىه کىا گررا؟
همارے ىو ىه کے کرےسے، ىىماىے ىه کا گررا؟
ىرهمں سر کو اسے اٹھا ىها دىر کے آگے
حدا حاىے، ىری صورىب سے ىت حاىے ىه کا گررا؟
ىه ں، ىک ىار مىرے سور دل کی داد کو ىہىچے؟
کہاں ھے ىمع کو ىرواکه ىرواىے ىه کىا گررا؟

سر ىر سلطىب سے آسىاں ىىار ىهىر ىها
حھے طل ھما سے ساىهٔ دىوار ىهىر ىها
محھے ىر ىحىر کرىا کىا مىاسىب ىها ىهاراں مىں؟
که گل ھاىهوں مىں اور ىاىوؤں مىں مىرے حار ىهىر ىها

کىا ىدں مىهکا که حسکے کهولىے حاىے کا ىىد
ىرگ گل کی طرح هر ىاحں معطر هوگىا
(۴ ۲ب) آنکهه سے ىکلے ىه آسو کا حدا حاوط ، ىقىں
گهر سے حو ىاهر گىا لڑکا ، سو اىىر هوگا

اگرحه عسق مىں آفت ھے اور ىلا ىهی ھے
ىرا ىرا ىہیں ىه سعل ، کحهه ىهلا ىهی ھے
ىمں کا سور حىوں سىکے، ىار ے ىوچها

دهم از طبقهٔ اولی، شاعر رنگین، که کلامش همه شیرین و نمکین است، انعام‌الله‌خان یقین (۱) بوده «از دورهٔ ایهام(۲) گویان اول کسیکه ریخته را بر وضع فارسی‌گویان نشسته و رفته گفته، این بزرگ بود» شاگرد میرزا جان جان (۳) مظهر است و بعضی گویند که دیوان

---

(۱) ذیل تاریخ محمدی، تحت وفیات سنه ۱۱۵۹ه، گلشن گفتار ۴۴، نکات ۱۱ب، گردیزی ۲۶ب، وصفی ۷۴۲الف، مخزن ۴۹، چمنستان ۱۶۱، حسن ۱۵۴ب، طبقات ۲۶، گلزار ۸۳ب، لطف ۱۸۴، تذکره ۹الف، نغز ۲:۳۵۰، سفینه ۷۲ب، طبقات ۱۹۳، سراپا ۱۸۷، شمیم ۲۵۹، سخن ۵۶۸، طور ۱۲۸، گل ۱۸۷، جواهر ۱:۲۸۴، دیباچه دیوان یقین، میرزا فرحت الله بیگ صاحب، لم اعجم، ترقی اردو، اسپرنگر ۵، ۳،

ملا، در گلشن سخن (۱۱۵ الف) نوشته «یقین دهلوی، ابن انعام‌الله‌خان، خلف اظهرالدین‌خان، بطور نثار و محبوب دل میرزا مظهر بود. راقم وی را در دهلی بارها دیده استعداد سخن سنجی چندان نداشت. میرزا مظهر از فرط الفت اشعار خود را بنام او کرد، اشتهار داد. گویند "او اخر عمرها اخماشا، پدر یقین وی را جهت امر ناشایسته که در زمان او گشت» و بعضی گویند "او مانع پدر می‌شد که افعال شنیعه عمل نیارد. ابتدا از دست پدر بقتل رسید» العهده علی الراوی. بهر تقدیر بنام قلمها (؟) دیوانش که از ناصدست مدی زاد باشد، همه مرغوب طبع است»

و مصحفی، در مدایح الشعرا (۴۷ب) گفته «نام آن شاعر بلند مقام، انعام‌الله‌خان خلف الصدق اظهرالدین‌خان، نبیره شیخ مجدد الف ثانی مشهور و منظور نظر میرزا مظهر جان جانان شاعر مذکور سوادی نداشت. میرزا خاطر اشعار خود امرد او می فرمود»

مصنف گلشن گفتار گفته است که یقین برادرزاده میرزا مظهر بود. لاکن نبیره عرشی زادهٔ بیدل است، چه حسب تصریح گردیزی وغیره، یقین از خانوادهٔ مجدد الف ثانی فاروقی است، و میرزا مظهر علوی النسب بوده

در خصوص وفاتش گفته‌اند که بعمر بیست و پنج سال، و علی الاصح سی سال، بمرد، در سنه ۱۱۶۹ه (۱۷۵۵ع) بردست پدر شهادت یافت

یک نسخهٔ خطی دیوانش، در کتابخانه عالیه رامپور محفوظ است

(۲) اصل ایهام و تصحیح از تذکرهٔ هندی‌گویان مصحفی، که عبارت هذا ازو اقتباس شده

(۳) در اصل «جان جان» بود اما کاتب حرف «نا» افزوده، جان جانان ساخته است

اسعارس برزبان حورد و بررگ حاری گسسه ، مادوسه کس ، که مراد
ار ناحی و مصمون و آبرو باسد، سای سعر هندی بر ابهام گوئی بهاده ،
داد معنی دانی و تلاس مصامس تاره میدادیم، و باحودها محظوط بودیم »
عرضکه اوستاد قدیم اسب بیستر اوستادان ساگرد او بودند سلطان
السعرا بیز ساگرد اوسب مسار الله زندگانیء سسار بمود، و آحر آحر ،
وصع مرزا پسند بموده، دیوان حودرا که قدیم بود ار طاق نظر افگنده،
برطرز حال دیوانی دیگر گفته، دیوان زاده اش نام بهاده بود این حند
سعر ار وست •

ہم تو بیٹھے ہوئے نہ آفت ہو
اوٹھہ کھڑے ہو، تو کیا قیامت ہو!
دل تو چاہ دقن میں ڈوب موا
آسسا تھا، غریق رحمت ہو!
مفلسی اور دماغ ، اے حاتم
تو قیامت کرے، حو دولت ہو

(۵ ۲ الف) مجھے تو دیکھہ کر، کیا تک رہا ہے؟
ترے ہاتھوں کلیجہ تک رہا ہے
حدا کے واسطے! اوس سے نہ بولو
نسے کی لہر میں کچھہ بک رہا ہے

تو ادا بن نشہ دسمن ہے بعل میں، دل ہیں
دور ہو پہلو سے، صحبت کے مری قابل بہیں

تو صبحدم نہ نہائے حجاب دریا میں
پڑے گا سور کہ ہے آفتاب دریا میں

«کوئی فسلے مں مجنوں کے اب رہا بھی ہے؟»

نار دهم ارطبقهٔ اولی، سیخ ظهور الدین بود که ساه حاتم (۱) شهرت دارد. مصحفی در تذکرهٔ خود، ربانیء ساه موصوف، می نگارد که «در سال دوم فردوس آرامگاه، دیوان ولی درساهجهان آباد آمده، و

(۱) گلسن گفتار ۲۵، نکات ۱ ب، گردیزی ۱ ب، مص ۱۸ ۴ ب، مخزن ۲۴، حمستان ۱۳۵، حسن ۳۶ الف، طبقا ۱۹، گلزار ۴۱ ب، لطف ۸۱، عقد ۳۵ ب، تذکر ۳۸ الف، مر ۱۹۷۱، شمیم ۵ ب، گلدسته ۶ ۳، طبقات ۱۳۱، سراپا ۲۶۶، سحن ۱۲، روز روشن ۱۶۱، انتخاب ۱۱۲، خمخانه ۲، ۳۲۲، گل ۱۱۵، ناموس ۱۹۲۱، عسکری ۲ ۱، جواهر ۲۳۳۱، اسپرنگر ۲۳۵

مثلا، درگلسن سخن (۳۴ ب) می گوید «سیخ محمدحاتم، موطن دهلی، و معاصر نجم الدین آبرو بوده. زبانش با زبان ولی دکهنی مناسبت دارد. میرعبدالحی تابان از تلامذهٔ اوست. شاعر فصیح بیان و سرآمد ریخته گویان (بود). دیوانش درهزار بیت، بلکه زیاده»

آزاد و کریم الدین و صاحب خمخانه و صاحب قاموس و عسکری گمان برده اند که وفاتش در ۱۲۰۷ه (۱۷۹۱ و ۱۷۹۲ع) واقع شده بود. برد اند هم عرسی، مشاور ... این قول را در تذکرهٔ هندی گویان مصححی توان یافت، جائیکه می گوید که عمرش قریب صد سال رسیده، و دو سه سال شده که از ین دارفنا انتقال کرد. چون سال ختامهٔ اتمام تذکرهٔ هندی گویان در ۹ ۱۲۰ه (۱۷۹۴ع) بود، این بزرگان دو سال را از سنه اتمام تذکره تفریق کرده، تاریخ مرگ حاتم در ۱۲۰۷ه ستدند. اما این رای درست نیست، زیرا که مصحفی تذکرهٔ مذکور را در ۱۲۰۰ه (۱۷۸۶ع) آغاز کرده، لهذا باید که «در سه سال» را ازین سن خارج کنیم، ۱۱۹۷ه باقی ماند که مختار اوست. درعقد، جائیکه درو می گوید «در کهزار بکصد و نود وهفت رحلت کرد. فقیر تاریخ رحلتش حسن یافته آ، صد حیف ساه حاتم مرد»

و در خمخانه و عسکری از خود مصحفی نقل شده که حاتم بعمر ۸۳ سال در ۱۱۹۶ه (۱۷۸۲ع) ازین جهان درگذشت. بنده هر چند تفحص کردم، امادر تذکرهای مصحفی این تاریخ را نوانستم که بیابم. اما مینمایست که این بزرگان هم در فهم عبارت عقد غلطی کرده باشند و در «آ» یک الف احتسار کرد، یک عدد کم کرده باشند.

یک نسخه خطیه از دیوان زاده‌اش، که بحسب ظاهر نسخه منقول از نسخه مولف بنظر می‌آید، در کتابخانه عالیه رامپور محفوظ است - این دیوان مختصر باوجود صغر حجم، در خصوص تدوین تاریخیء کلام سعرای عصر مولف خیلی قیمت و مهم است، چه تقریبا درعنوان هر غزل تاریخ و طرح و اسم صاحب طرح را دارا است

برد أکثر اوستادان نائۀ اوستادیء او مسلم در آخر عمر ترك (روزگار) گفته، لباس درویشی اختیار کرد، و بعد چندی در لکهنئو رحلت یافت این اشعار اروست:

(۵ ۲ب) کسکی نگه کا تیر لگا، آه، کیا هوا؟
تڑپے هے دل مرا، ایسے الله کیا هوا؟
کوئی دم کی بات هے که نه تها سرار دل
کیا آفت اس په آگئی ناگاه، کیا هوا؟

بیان کیا کیجے اوس سرو روان کے قدو قامت کا
بلا هے، آفت جان هے، نمونه هے قیامت کا
نه لب کے هلانے میں جو، بیارے، جی نه اوٹها میں
نه هوتا معتقد هرگز مسیحا کی کرامت کا

خدا حافظ هے، کون محفل میں اوسکا نام آتا تها؟
تڑپنے سے ابهی دل کو مرے آرام آتا تها
فلك، اك دم ابهی تو نے وصل کی شب کو نه ٹههراتا
نه ساری عمر میں مجهه تك همارا کام آتا تها

آسمان چهوڑ چلے، اے چمن آرا، هم تو
تو بهی لیجائیو سر پر نه گلستان اوٹها

(بقیه)
خراب بے کسی نه رو کے تاریخ وفات «تو نجاوے جهان سے حسرت، از ان هے نهاے!» از ان اد ۶ ۱۲ھ (۹۱-۱ ء) مستفاد می‌شود، اگر در لفظ «جاوے» حرف «و» را حرو اد تاریخ شمار نکنیم و اگر برطبق الفاظ دیگر «فرمانے، رهجانے» که درست اول واقع شد، و در عام نسخ خطاط کتابخانه عالیه رامپور، بدون «و» نوشته شد، «جانے» بخوانیم (و برد بند همین ارجح است) ۱۲ھ، که مجاز شمر وغیره است، برمی آید
در کتابخانه عالیه را ور بك نسخه خطیه از کلیات محفوظ است

طبقهٔ ثانی

اول سرخامهٔ فصحای طبقهٔ ثانی، چمن آرای گلزار سخندانی، مالک فصاحت و بلاغت، جعفر علی حسرت، (۱) که از شعرای نامدار لکهنؤ بوده شاعر پخته‌گو و متین، کلامش بهایت مربوط و رنگین همه اقسام سخن بخوبی گفته بنابر ظ طبطبهٔ شاعری و معلومات فن که داشت، باسلطان‌الشعرا هم مقابله می خواست اما چون رتبه اش بحسب و نسب هر دو در نظر میرزا اعتبار نمیگرفت، مطلق باو مخاطب نشد، و هیچ در حساب نیاورد و حالانکه حسرت بزعم خود هجو میرزا هم گفته بود، آنهم شهرت نگرفت و طرفه‌تر اینست که میرزا باوجود بی اعتنائی و اغماض دوچار شعر بر غایت نسبهٔ او که عطاری، یعنی دوافروشی بود، بگفتهٔ دیگر مردمان در قدحش گفته، آن اشعار تاحال برزبان خلق جاری هستند بالجمله بانهٔ کلام مشارالیه ارفع و رتبهٔ شاعریش رفیع

---

(۱) حسن ۴ الف، لطا ۷۳، گلز ۴۴ ب، الف ۸۴، ـ کر ۲٦ الف، هر ۱۷۲، شیفته ۵۲ ب، سراپا ۲۱۲، ۳۸، شمیم ۳٦، سخن ۱۲۷، انتخاب ۲۳۷، طور ۲۸، روز روشن ۱۷۱، خمخانه ۲، ۸۴، گل ۲۱۵، واوین ۱، ۱، ۲، عسکری ۲۴۷، جواهر ۱، ۳٦۱، اسپرنگر ۲۳۴

مثلا، درگلشن سخن (۴ ب) گفته «میرزا جعفر علی حسرت، ولد میرزا ابوالخیر از مشاهیر ریخته گویان لکهنو است اکثر یار گویان آن شهر شاگرد اویند صاحب قصائد وغزلیات و تا حال، که سنه ۱۱۹۴ هجری بوست، در قید حیات»

وفات حسرت، بقول خمخانه و عسکری و جواهر در ۱۲۱۷ه (۲ ۱۸ ع) و بقول لطف وگل در ۱۲۱ه (۱۷۹۵ع) و بقول شمیم و سخن و طور در ۱۲ ه (۱۷۸٦ع) واقع شد و فاضل محترم جناب قاضی عبدالودود صاحب (پتنه) برخاسته تذکره‌ها سخن شعرا نوشته اند که از ماده‌ها تاریخ گفته جرات، که «سوی جنت رفت» می باشد، ۹ ۱۲ه (۱۷۹۴ع) مستخرج می شود نسخهٔ عرشی در دیوان جرات (۳۹۵ الف، شماره ۴، فن دواوین اردو) این قطعه ارتجه بافته‌ام

خلاق مضامین جو رحلت فرمائے هر اهل سخن کو کیوں نه حیرت رهجائے؟ (باقی)

اب تك مرے احوال سے وهاں سحری ہے
اے سالۂ حاسوز، ته کیا ہے اری ہے ؟
مولاد دلاں ، چھڑ تو رہار نه مجھکو
چھا لی مری، حوں سنگ، شراروں سے بھری ہے
اوٹھکے ، لوگوں سے کسارے آئیے
کچھه همیں کہنا ہے ، سارے ، آئیے
حو کچھه چاهیے آپ فرمائیے
نه عمروں کی ساہیں نه سنواسے
نصحت سے ، سدار ، کیا فائدہ ؟
حو هو آپ میں، اوسکو سمجھائیے
دامن تو کیا هیں، اگر کاٹو حھری سے، سارے
هاتهه سے مرے تو ممکن نہیں داماں چھٹے
صورت اوسکی سما گئی حی میں
آہ، کیا آں بھا گئی حی میں
تو حو، سدار، یوں هوا نارك
ایسی کیا بات آ گئی حی میں ؟
نه وهی فتنه و آشوب جہاں ہے، سدار
دیکھکر پیر و حواں حسکو، حذر کرتے هیں
سں نہیں حوب که ایسے کو دل اپنا دیجے

ـه) می و سد که در ۱۷۹۳ء در اکبرآباد بود و در گل و حجانه و سه سد که در ۱۲ھ (۱۷۹۴ء) رحلت کرد و اسپرنگر و فاس را در ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۷ء) معرفی
ه

دیوان عرلیاتش، که در ۱۲۳۶ھ (۱۸۲ع) نوسته شده ، در کتابخانه عالیه مورز یافت می سود

کل روتے ہوے جو اٹھا ویا
حسرت کے مزار پر گئے ہم
پڑھتا تھا یہ شعر وہ، یہ حالت
بس سب سے ہی جس کے مرگئے ہم
«وایا بدو(ن) نہ دیکھیے کہ کیا ہو؟
ایسا ہو ساہ کر گئے ہم»

کس کا ہے جگر؟ جس پہ یہ بیداد کروگے
لو، دل تمہیں ہم دیتے ہیں، کیا یاد کروگے!

کوڑیوں کے مول بیچا مصر میں ہوئے، فلک
ہاے اوس یوسف کو، جو تھا سارے کنعاں کی بساط

دوم از طبقهٔ ثانی، شاه محمدی بیدار است که میر محمدعلی نام و بیدار تخلص او بود (۱) شاعری گرسنه کهنه مشق؛ کلامش سنسته و رفته، و خود در زی درویشی میزیست از مریدان مولوی فخرالدین شمرده میشد فارسی هم کم کم میگفت، بلکه چند (۲۶ الف) غزل ورباعی وقصیدهٔ فارسی، که گفته، آنهم پشت سر ورق دیوان خود نوشته میداشت. این چند شعر انتخاب از دیوان ریختهٔ اوست:

(۱) نکات ۲۱ب، گردیزی ۲۵ (مطبوعه)، مخزن ۶۳، چمنستان ۵، حسن ۲۲ب، گلزار ۲۲ب، لطف ۵۹، عقد ۷ب، تذکره ۱۲ الف، عبر ۱۱۷ب، سفینه ۳۴ الف، طبقات ۱۵۶، سراپا ۲۶۷، ۲۶۹، شمیم ۲۱، سخن ۴۷، روز روشن ۱۱۴، طور ۱۸، خمخانه ۶۶۳/۱، گل ۲، عسکری ۲۵۱، جواهر ۶۸۶/۲، ناصر ۲۵، اشپرنگر ۲۱۲
مثلا، در گلشن سخن (۷ ب) می گوید «بیدار از روسای دهلی است سخنور کامل مشهور همعصر خواجه میردرد دیوانش نکمرار (و) پانصد بیت سطر آمده کلامش دلچسپ و اسمش میر محمدی»
مصحفی در تذکره گفته که «حالا در اکبرآباد است» و بنا علیه در طبقات (ثانی)

لائے تھے سرپہ دھر کے، کس احلاص سے ہمیں
بس آنکھ اوجھل ہوئے ہی، اے دوستاں، چلے؟
یاروں نے اسی راہ لی، فدوی، ہمیں رھے
وہ حیر اب کہاں ھے، جو پوچھے: «کہاں چلے»؟

چہارم ارطبقۂ ثانی، میرحسن علی تجلی (۱) است که عرفش «میاں حاجی» بود. بقول مصحفی (۲) «دروں ریختہ بی نظر، و همشیره زادۂ میر محمد تقی میر دیوان ضخیم ترتیب داده» و بزعم راقم روسیاه میر، رحمه الله تعالے، سوائے میسار الله در کلام هیچکس یافته نمی شود. چون است که هرچه گفته، خوب گفته، و ار تشبیه و استعاره و کنایه و مجاز هرچه می بایست، دران مطلق کمی نا نموده. مثنوی «لیلی مجنون» را بسیار خوبی نهاده. عزلهای بحر کامل، هیچ شاعری بهتر و خوبتر ارو نگفته. اشعارش بسیار مشهور. اگرچه کلام دلپذیرش همه (۷۲ الف) اصحاب و دوستی، اما چند شعر درین رساله هم یادگار نوشته شده اند:

نه تھا نازک ایسا، جیسے دل نا شکستہ کو کیا ہوا
کہ گہر نمط، سر راہ میں جلا سر سے آبلہ یا ہوا
جو کہیں رہے، نہ برا الم مرے دل نہ رکھے ھے ستم

---

(۱) ذکر ... ۱۰ ب، نغز ۱، ۱۳۴، سفینه ۳۸ الف، طبقات ۱۳۹، سراپا ۲۱۵، شمیم ۳۶، سخن ۸۲، طور ۲۱، خمخانه ۲، ۳۶ ـ

اسم تجلی، در نغز و طبقات، میر محمد حسن و در سفینه، میر محمد حسن و در خمخانه، میر حسن و در سراپا و شمیم، میرحسن و در طور، میر محمد حسن ... افتاده و اسم پدرش در نغز و طبقات و سراپا و شمیم و طور، میر محمد حسن کاظم و در سفینه، میر محمد حسن کاظم و در خمخانه میر حسن کاظم نوشته شده است ـ

مثنوی «لیلی مجنون»، که درین ارود کرده، باهتمام مولوی کریم الدین در دہلی جاپخانه در ۱۸۴۴ع بچاپ رسیده بود ـ

(۲) اصل «که در دیں»

آگے تو جان، ماں، ہم تو حذر کرتے ہیں

سوم از طبقۂ ثانی، فدوی (۱) لاهوری است، که قوت شاعری و معلومات فن که بزعم خود زیاده تر داشت، نمرزا مقابل شده مهاجات نمود، و سبب صفای بندش و ایراد قطعه ها در بستر غزلها، شهرت بسیار گرفت، و یکی از بادداران عصر (٦ ۲ب) خود گردید اگرچه از اصل بقال بسری بود، اما مزاجش عاشق پیشه افتاده۔ شعر بسیار نامزه میگفت این چند شعر ازوست:

ابرو کی تیغ سر پہ، سو رخ ڈرے(۲) ہوئے
پھرتا ہے اپنے منہ نہ سر کو دھرے ہوئے
آنسو نہیں یہ دیدۂ تر میں بھرے ہوئے
موتی ہیں آبدار صدف میں دھرے ہوئے

نہ سرو ہیں باغ میں، ہے آہ کسی کی
نرگس نہیں، تکتا ہے کھڑی راہ کسی کی

سر پر تو دھر کے نعش ہماری کو یا مرار
ہر اک قدم پہ روتے ہوئے جو نفساں چلے

(۱) حسن ۹ب، طبقا ۳٦، گلزار ۱٦۱الف، تذکره ۵۸ب، نغز ۲، ۳۹، شمیم ۱۹۸، طبقات ۹، سرایا ۹۷ شمیم ۱۷۹، سخن ۳۵۹، آب حیات ۱۵۵ حاشیه، اسپرنگر ۲۲٦۔

مثلاً، در گلشن سخن(۸۴ب) می گوید «فدوی لاهوری رد خود بسیار خود غلط بود» و میر ولی الله، در تاریخ فرخ آباد (۱٦۱ الف) می نویسد «فدوی شاعر مشهور، درعهد نواب احمد خان به فرخ آباد آمد، با میرزا رفیع السودا در مهاجات مطارحات مود»

در شمیم نوشته که اسم فدوی مکند لال بوده، و به صابر علی صابر تلمذ داشته آخر کار مذهب هنود رك کرده مشرف باسلام شد و در دهلی سکونت ورزید و در طبقات گفته که بعد قبول اسلام محمد حسن و سوم شد و عمر سحاه سال و نات یافت

(۲) اصل «بھرے ہوئے» و تصحیح از نغز ۲، ۴۔

و شاگردیء کسی مقر نبود۔ فکرش صاف، کلامش با مزه، بایراد معنیء بیگانه هم آشنا چندی بخاطر، بلکه بحکم مهاراجه ٹکیت رای بهادر، بشادان شر تخلص نموده بود. این چند شعر ازوست:

کل جو حیران کو میں روتے دیکھا
بن گئی دوکھنے کی گھات مری
اون کی خدمت میں ادب سے، میں نے
عرض کی: «دیکھی کرامات مری؟
میں نے کہا تھا کہ دل آپ بدیں
بندگی، قبلۂ حاجات! مری»

کیا اک جای کو ابرو نے اوس کے قتل، اے حیراں،
کہاں جاتا ہے؟ وہاں تلوار پر تلوار پڑتی ہے

صف مژگاں سے اوس کی، جب نہ تب دل جا اٹکتا ہے
سمجھتا ہی نہیں، ہر چند حیراں سر پٹکتا ہے
جلا جاتا ہے حیراں آتش عشق بتاں سے
بھنا جاتا ہے دل، اور جی سپند آسا چٹکتا ہے

جی نکلتا ہے اب کوئی دم میں
بیٹھ جا، کچھ نہیں رہا ہم میں

---

(۵۵) سخن ۱۴۳، طرز ۳، دور روس ۱۸۹، قاموس ۱، ۲۱۶، خاص ۳۶، اسپرنگر ۲۳۷، بلا؛ در گلشن سخن (۱۸ ب) نوشته که «میر حیدر علی حیران شاگرد لاله سرب سنگھ دیوانه، در زمره که سخنان سنجیده محسوب است اصلش از دهلی، و اکنون در لکھنو بسر برد»

در خصوص وفات وی معلوم نشود که در عهد نواب آصف الدوله (۱۱۸۸–۱۲۱۲ ه مطابق ۱۷۷۵–۱۷۹۷ ع) در صوبه بهار قتل رسید و الف وشته که ۱۲۱۵ ه (۱۸۰۰ ع) قد حات بود۔

میں ایسے بھی جانوں ہوں معتم، کہ رہے ہے گھر تو بسا ہوا
نہ کسو نے جب سنی یہاں جفا، مجھے یاد کر کہا ہو جفا
کہ «کبھی نہ جلی دی وفا، نہ مری جفا سے جفا ہوا»

اب ایسی مہدی(۱) لگی ہے تیرے پانے نازک میں
کہ خواب میں بھی کبھی تو نہ، اے نگار، آیا

گر یونہی جنون دست و گریباں رہے گا
دامن ہی رہے گا، نہ گریباں رہے گا
تا کوچۂ دلدار نہیں لینے دے، طاقت
آخر تو تو جاتی ہے، نہ ارمان رہے گا

دل تو بھلا کیا ہی تھا، طاقت کو کیا ہوا؟
یاروں کی، اس زمانے کے، الفت کو کیا ہوا؟
میں تو نہ سمجھا، یارو، کہ سمجھا تا خوب اونہیں
پر نہ کہو کہ «یارے، نہاں کو کیا ہوا؟»

کلام این وحید زمانہ بسیار است تا کجا نوشتہ شود۔

تخلص از طبقۂ ثانی، میر حیدرعلی حیران (۲) کہ مولدش شاہجہان آباد و خود بلکھنئو و فیض آباد بود و بما بقی نسبت روزگار سپہ گری و رسالہ داری، کہ پیشۂ او بود، فرصت نداشت تاہم بجہت معلومات فن و موزونیء طبیعت، کہ خلقی او را حاصل بوده، هرچه میگفت خوب میگفت و معهذا شاگردان هم بهم رسانیده میر شیر علی افسوس هم از شاگردان اوست و خود در ابتدای حال مشورہ بہ میر سکھہ دیوانہ نمودہ۔ (۷ ۲ ب) آخر ازو برگشت

(۱) اصل «مہدی» (۲) حسن ۳۹ الف، گلزار ۳۵ الف، انتخاب ۸۵، تذکرہ ۲۵ الف، عشر ۱، ۲۲۳، سرور ۵۸ ب، طبقات ۲۳۷، سخن ۳۴ (ناوی)

عدی و نوسین خط نستعلیق و نسخ و علم‌طب در همان حالت حاصل نموده، از راه بنگاله عازم (۱) منزل مقصود گردید گویند که در همان ضلع کدام مکان احلش دررسید، و از سودای دنیا او را خلاصی داد تا راقم سطار آشنا بود، و کمال اس داشت حالا قریب دو هزار شعر ازوخسه حسنه نیس مردمان مشهور است و این چند شعر از وست:

رہے جو حال سینه لب نه آشکارا ہے
کسی کے بخت سینه کا مگر سہارا ہے
چمن میں لاله نہیں، تجھکو دیکھکر، قاتل
زمین سے خون سمجھداں نے جوش مارا ہے
بقا کی آه نے اوس میں کبھی لگی تاثیر
ساں، نه دل ہے ہمارا که سنگ خارا ہے؟
وے اس طرح کا، اے حرج، گرانا ہمکو
که موئے پر بھی کسی نے نه اوٹھایا ہمکو
(۸۲ ب) رهروان کہتے ہیں جسکو «جرس دبحمل ہے»
محبت راه سے نالاں، وه ہمارا دل ہے
موج سے بیش نہیں، ہستیء وهمی کی نمود
صفحۂ دهر نه، گویا، نه خط باطل ہے
کچھه بعیں نہیں، اس راه میں، خون رنگ روان
جس جگه بیٹھه گئے، اسی وہی منزل ہے
آسمیں حسرت کے دل خون سے تر ہو جسکی
نه نہیں جانو اوسکو که مرا قاتل ہے

(۱) اصل «عالم»

ششم از طبقهٔ ثانی، بهمن میدان سخنوری، اسفند یار معرکهٔ شاعری، بقاء الله خان بقا (۱) است، که بقوت صفائی و فصاحت الفاظ، حرف حرف ریخته را باوج فارسی رسانده، و بتوانائیء بلاغت و متانت کلام، ادهم هندی را باشهب عربی دوانده شاعر قصیده گو گذشته، لهذا بمقابلهٔ میرزا محمد رفیع، در قصائد جوانش داد معنی یابی و نازک عربیه داده از معاصرین کسی همرازوی او نبود آخر آخر، دماغش مختل گردیده، دیوان خود را، مع(۲) همه مسودههای کلام خود، پاره نموده (۸ ۲ الف)، آب برد کرده، در سوختهٔ کلان انداخت هرکسی که طالب شعرش می آمد، همان سوخته نشان داده، میگفت که «درین همه کلاب دین است. هرچه منظور باشد، بنویسد اما هجوهای بعض کسان که کرده ام، برای خدا نویسد که دین تو به کرده ام» و چون آخر، شوق زیارت حضرت ابا عبدالله الحسین علیه السلام دامنگیر شد، و از فرط غیرت، که بیحد ضبط نموده، نمیخواست که دست سوال پیش کسی دراز کند تا اسباب زاد راه خوید، اراده نموده که دو سه جزو خود بنویسد، تا در آن بقعهٔ متبرکه روزیء حلال بکسب دست حاصل نموده خورده باشد چنانچه کلمن

---

(۱) حسن ۲۳الف، طبقات ۷۳، گلزار ۲۲ب، لباب ۵۱، تذکرهٔ ۱۵ب، عیار ۱، ۷۱، عمده ۳۱ب، طبقات ۲، سراپا ۱۶۸ و ۲۲، شمیم ۳۱، سخن ۶۸، روز روشن ۱، آبحیات ۱۶۶ و ۲۲۲، طور ۱۸، خمخانه ۱، ۶۳، عسکری ۲۵۳، خاص ۱۳ اسپرنگر، ۲۱۲

بلا، در گلشن سخن (۱۴الف) گفته «بقا، اسمش بقا الله، خلف حافظ لطف الله در لکهنو بود و شاگرد میرزا محمد فاخر مکین، از ایرانی گو است»

تا سال اهل تذکره، بقا در ۱۲۰۶ه (۱۷۹۱ع) میرزا از بن جهان رحلت کرده است اما در روز روشن نوشته که «تا سال بستم از مائه سیزدهم در قید حیات بود».

(۲) اصل «بعه»

ىا آب و ىاب، و دىواىش ار اول ىا آحر همه ارىحاب اگر ىامل ىگاه کرده آىد، ىدس و ىالىف اوکم ار هىح اوسىادى ىىسب مىگوىىد که ىاحال رىده اسب ىطرف دکهن در سرکار ىطام علىحان عرواعىارى دارد (۱)–(۹ ۲ الف) اىں چىد سعر ار و ىىب

(ىىه) سا محمد حمره ، در فص الکلماب (۱۸ ۴الف) گىىه که « حواحه احسن الله ىاں درسه ىکهىرار و ىکصد و هىىاد و حار هحرى ، همرا ىواب ورىر عارى الدىں حاں ىىهىر حاىه (در ارهىره) رسىده ىود ىحسں صورب و سىرب محلی ، و ىهىم و فراسب محلی راد گاه اکىر آىاد اسب ، و طىعس معى ایحاد مىں سحں ار مررا مطهر می کرد حىد سعر ىدسب حود ىرحاسىه کىاب ىوسىه »–

و حىرب ، در مقالاب السعرا (۱۴ب) ىوسىه « حواحه احسن الدىں حاں ىاں ، مجمع حوىىهاى ىىسمار اسب ، و معدں کارم هراراں هرار اگرحه مولدىں اکىر آىاد اسب ، اما ار مدىى در ساهحهاں آىاد وطں گرىىد ، براىصاحب حداوىد حىلی ايحاد وار اىلا دارد ىگاهى که اىں راه ىىاں اىد ىه ار ىاب سحں ، ىعمصاى قسمب آب و داىه وارد ساهحهاں آىاد ىود ، ىىعداں ىررگ مىسر ىىاد ار آىحه که مىصور سود ، ىحال حود مساهده می ىمود حسں حلق و وفور مروب ىاعلوى ادراك و رساىى طىعب درطىىب اوجمع اسب » –

و شوىى راىورى ، در ىکمله السعرا (۶۳ب) فرمود « احسن الدىں حاں ىاں ىحلص ، صاحب دهں سلىم و طىع سىىقىم ، ىاعهد عالمگىر ابى در شاهحهاں آىاد اقامب داسب ىار معلوم ىه سد که کحارفب » –

و مىلا ، در گلسں سحں (۱۳الف) دکر کرد « ىاں ، اسمس احسن الله ، ساگرد مررا مطهر ، مولدىں اکىرآىاد ، سکىىں دهلی اسب مرد عاسق ىىسه ، و کلامس ىرشور »–

ىى عاسقی ، در ىىىر عىىں (٦ ۱الف) آورده « ىاں ، ىام وى احسن الله ىود اىں اىىاب اروسب

ىحون آلود رگام حه ىىسب ساح مرحاں را ؟
که دل حون کرد اسك سرح ىى لعل ىدحساں را
رصعف اىواىى رفب داماىس ردسب ىى
ىى دفع ححالب حاك می سارم گرىىاں را

ىاں ، حسب ىصرىح حمحاىه و گلرىعا و حواهر ىىاص ، در ۱۲۱۳ھ (۹۸–۱۷ع) رحلب کرد حاىحه ار ماده ىارىح « اىىاد ار حهاں رفب » که گفىه ىکی ار ىلامده اىں می ىاىد ، همىں سال ىرمی آىد وصاحب ىاکر حوىىالری و ىاووىں ۱۲۶ھ (۱۸۴۴ع) ىوسىه که ىحسب طاهر سىهو و ادرسب ىعلوم می سود –

کھول دو عقدۂ کونین بنا کے بل میں
یا علی، ہمکو نہ آساں، اوسے مشکل ہے

دست ناصح جو مرے جیب کو اس بار لگا
پھاڑوں ایسا کہ پھر اوس میں نہ رہے تار لگا

یار کو پہنچی خبر نالۂ تنہائی کی
مدعی کون کھڑا تھا پس دیوار لگا؟

وہ جو دیکھ آئینہ کہتا ہے کہ «اللہ رے میں[1]»
اوس کا میں دیکھنے والا ہوں، ہاں، واہ رے میں!

رخ اوسکا، صفائی برے تلوے کی پاوے
جو رشک ہزار آئینہ میں چرخ چڑھاوے

غیرت گل ہے تو، اور خاک گریباں ہم ہیں
رشک سنبل ہے تری زلف، پریشاں ہم ہیں

ناتواں چشم تری، ہم ہیں عصا کے محتاج
سب کی بیمار وہ اور طالب درماں ہم ہیں

برکی اوس جسم کی ہے ابروے خمدار کے زور
چھین لی ہے دل خلق وہ(۱) تلوار کے زور

همهم از طبقۂ ثانی، شاعر متین و مربوط، که کلامش نهایت مقبول و مضبوط، خواجه احسن الدین خان بیان(۲) است هر شعرش گویا آئینه ایست

(۱) اصل «وو»

(۲) گردیزی ۴ب، مخزن ۲۷، چمنستان ۵۲، حسن ۱۹ الف، طبقا ۳۳، گلزار ۲ الف، لطف ۵۵، تذکرہ ۱۳ ب، شعر ۱، ۱۲۳، شمیم ۳۵ ب، طبقات ۱۵۴، تسنیم ۲۴، حسن ۷، خریطہ ۱۵۲، صبح ۷، طور ۱۹، جمخانہ ۱، ۶۱۷، محبوب ۱، ۳۸، گل ۱۹۱، قاموس ۱، ۱۲۵، عسکری ۲۵۵، جواہر ۱، ۲۹۳، خاص ۱۸، اشپرنگر ۲۱۲ — (ناجی)

هشتم از طبقهٔ ثانی، منتخب فصحای زمن بلبل شیرین سخن، سید حسن المتخلص بحسن (۱) غفر الله ذنوبه، صاحب مثنوی «سحر البیان» است، که شهرهٔ خوش گویی او عالم را فرا گرفته، و نور صفای بیان آن جهان را منور ساخته. شاعر خوش بیان و شیرین زبان بود دیوان ضخیم ترتیب داده. بر مثنوی و غزل نظیر خود نداشت. طرزش صاف و اشعار بامزه و مقبول خاص و عام هر دو (۹ ۲ب) مدتی شده که جهان فانی را وداع گفته. تاریخ وفاتش مصحفی چنان نظم نموده. تاریخ:

---

(۱) حسن ۴۲ الف، ابتلا ۳۹، گلزار ۵۲ الف، لطف ۹۲، گر ۲۴ الف، نغز ۱، ۲۰۱، ۲، سفینه ۵۳، طبقات ۲۱۳، سراپا ے و ۹۸ و ۱۴۲ و ۱۹۸ و ۲۱۱ و ۲۴۹ و ۳۷۹، جدوله ۱۴۳، شمیم ۳۷، سخن ۱۳، آب حیات ۲۵۳، طور ۲۹، خمخانه ۲، ۴۲۹، گل ۲۳۴، انتخاب ۱۴، قاموس ۱، ۲۰۲، عسکری ۱۴۳، جواهر ۲، ۳۹۷، خاص ۴، اسپر نگر ۲۳۳، تلوم هارت ۳۶ـ

قائم در گلشن حسن (۴۲ الف) می گوید «میر غلام حسن، حسن تخلص دهلوی، ابن میر غلام حسین ضاحک در شهر کهنه دهلی سکنی داشت، و شاگرد میر ضیا بود. از دهلی سفر گزیده وارد لکهنؤ گشته، با نواب سالار جنگ و خلف ایشان نوازش علی خان بسر می برد. مضامین سخنهایش تازگی دارد». ـ

و مصحفی در مدائح الشعرا (۲۱ الف) می نویسد «اسم شریف آن سید والا تبار... آن شاعر هنر گفتار، و آن سخنور نادر اشعار، میر غلام حسن، خلف الرشید سید غلام حسین ضاحک متخلص از اولاد امجاد ابرار امامی هروی رضوی است اللهم اغفرهما». ـ

لطف و اسپرنگر و انتخاب رحلت حسن را در ۱۲۰۵ه (۱۷۹۰ع) و قاموس در ۱۲۰۴ه روی کرده... اتفاق دیگر اهل تذکره سال رحلتش همان ۱۲۰۱ه (۱۷۸۶ع) است که در متن ذکر رفته ـ

در خصوص اسم میر حسن باید تصریح کرده شود که او موسوم به غلام حسن است و بنابرین معلوم نیست که لفظ غلام از متن ساقط شده باشد ـ

کتابخانه غالب را نوزده نسخه خطی کلیات حسن را داراست، که یکی از آنها در رامپور بدست محمد رحیم خطاط معلی، بفرمایش حکیم نواب سید احمد علی خان بهادر در ۱۲۵۳ه (۱۸۳۷ع) باتمام رسیده و نسخهای خطی سحرالبیان هم محفوظ است ـ

میں ترے ڈر سے رو نہیں سکتا
گرد غم دل سے دھو نہیں سکتا

سن مرا شور گو نہ سن کے، کہا:
"اسکے ہاتھوں میں سو نہیں سکتا"

مصلحت ترک عشق ہے، ناصح
لیک یہ ہمسے ہو نہیں سکتا

جو مسلسل بیان کہتا ہے
کوئی موتی پرو نہیں سکتا

واقعی تو کیا ہے؟ فقس بھی جاتا ہے سمجھکو بھول
جب دیکھتا ہوں حسرت فرہاد کی طرف

ہوونگا دوق حسرت دیدار میں حلل
سیریں، گزر نکیحو فرہاد کی طرف

بھلا سن تو، اے دین و ایمان عاشق
ہوا ہے تو کیوں دشمن جان عاشق؟

مقابل ہی رہتا ہے ہر وقت تیرے
ہے آئینہ، یا چشم حیران عاشق

میں جانتا تھا وصل کی سب کچھ بہار ہے
آنکھیں جو کھل گئیں، تو بس صبح بہار ہے

چلو میں پھرے ہیں بربراد لڑکے
دوانے، ترے اس تحمل کے صدقے

رسوا نکر، خدا سے ڈر، اے حسین، مجھے
آتا ہے اوسکے کوچے میں بار دگر مجھے

کل صبا کس کی باس لائی تھی؟
جان میں میری، جان آئی تھی
دل کو روؤں و یا جگر کو، حسن
مجھکو دونوں سے آشنائی تھی
اے گرد باد، طرف چمن ٹک گزار کر
بلبل کے پر پڑے ھیں، گلوں کے نثار کر

۴۴ از طبقۂ ثانی، شاعر شیریں گفتار، محمد امان خان نثار (۱) و شیخ گفته می شد (۲۱ الف) بزرگانش صنعت معماری داشتند کسیکه طرح جامع دهلی ریخته، جد او بود. مشارالیه هم در بعض امرا، یعنی مجدالدوله و ضابطه خان و راجه نکت رای و مهدی علی خان وغیره، با همام همین صنعه نوکری با دربار نموده است. کلامش از تلاش معانی و جمعیت الفاظ گویا گوی (۲) خالی نبوده کمال برگو بود. همت دیوان ترتیب داده، اما سوای غزل و چند رباعیء شمرده هیچ نگفته. آوردن الفاظ، که بخصوص مردمان شاهجهان آباد است، خاصۂ او بود. این چند شعر از وست:

آج کیا ہے، جو ادھر رنجه قدم فرمایا
نه تو فرمایئے: «کسطرح کرم فرمایا؟»
مجنوں کا میرے، ہے دل دلگیر بے صدا

(۱) حسن ۱۳۹، طبقا ۱۴۱، تذکره ۸۴ ب، عشر ۲، ۲۶۶، سفینه ۱۹۳ الف، طبقات ۳۵۱، سراپا ۲۷۴، شمیم ۲۳۵، سخن ۳ ۵، طور ۱۱۵، آنتخاب ۲۱۸ حاشیه، جواهر ۱، ۳۴۸، ناصر ۳۱، اسپرنگر ۲۷۴ —
در حسن و طبقا، اسمش امان الله، و در شمیم و ناصر محمد امان ولد سعادت الله معمار نیست افتاده، و طبقا و شمیم معرفی کرد که نسب بلند شاه جاتم داشت —
(۲) اصل «گرنان گرن» —

حون حسن، آں بلبل حوش داستاں
رو ادیں گلزار رنگ و بو ساقت
سکہ شہرت بود نطفش، مصحفی
« شاعر شیریں زباں، » تاریخ ساقت
(١٢١ ھ)

این چند شعر اردوان اوست:

حاتا تھا اوس کے کوچے میں، میں نے حسن چلا
ناز سے، اوسی نے ٹوك کے پوچھا: « کدھر چلا؟ »

دل اب تو باب تاب نہ سبا ھے، اے حسن
کیا جانے، اس میں کس کی سراکت سما گئی؟

ھے دھیان جو اتنا کہیں، اے ماہ جبیں، اور
جاتا تھا کہیں اور، تو جاتا ہوں کہیں اور

آخر تو، کہاں کوچہ ترا اور کہاں ہم؟
کرلیویں یہاں بیٹھ کے اك آہ حزیں اور

میں حشر کو کیا روؤں؟ کہ اٹھ جاتے ہی تیرے
برپا ہو ہی اك مجھ پہ قیامت تو یہیں اور

تھا روئے زمیں تنگ، زبس ہم نے نکالی
رھنے کے لئے شعر کے عالم میں، زمیں اور

نکلے، تو اسی کوچے (١) سے نہ گم شدہ نکلے
ڈھونڈے ھے حسن دل کو، تو پھر ڈھونڈے یہیں اور

ہم تو لڑ بھڑ کے، حسن، یار سے بس ایك ہو ے
مفت میں میں نے نہ باتیں جو سہیں، مجھکو کیا؟

---

(١) اصل « کر بچہ » ـ

دل کو مرے، دنا سا، نو مت بچها دنا کر
گالی هو حواه جهڑکی، حون حگر هو نا عم
اے دل، حو کچهه که وه دے، حوش هو کے کها لیا کر
مکمت میں ںٹھه کر یہی سیکها هے گالباں
ملا نے کیا کہا هے: «نکا کر بو لام کاف»؟
ابرو کو اوس کے هے مجهے سجده روا، ںار
کافر نہیں، کروں حو میں ماے سے انحراف
مست، اوس لب میگوں کے مےحانے سے کیا واقف؟
مخمور، اون آنکهوں کے سمانے سے کیا واقف؟
مرور هے، سرکس هے، بے فکر هے، بے عم هے
شعله هے وه بے پروا، پروانے سے کیا واقف؟
حورسید سے گرم اپنی صحبت هے دااں میں
هم، سانے سے کیا محرم، حس حانے سے کیا واقف؟

دهم از طبقهٔ ثانی، عالم عالی منزلت، شاعر والا مرتبت، میر قمرالدین منت (۱)، که در علم و فضل یگانهٔ روزگار بود

(۱) حسن ۱۹ الف، گلزار ۱۹٦ ب، لطف ۱۷۱، عمده ۸ ب، تذکره ۷۷ الف، سمه ۱٦۲ ب، ناسح ۳۱۳، طبقات ۱۷۸، سیم ۳۸، حریده ۲، سحن ۳۵۷، سمع ۳۱۵، رور روس ٦۵۲، آب حیات ۲۱۷، طور ۹٦، محبوب ۲، ۵، ۱، گل ۲۷۸ حاسه، ماموس ۲، ۲۳۳، عسکری ۲۳٦، ناص ۳۳، اسرنگر ۲۵۸ ــ

سوں را وری، درتکمله السعرا (۲۹۹ الف) می فرماید «میر قمرالدین مت تخلص، مولد ش شاهجهان آباد، از بخارا و سرهای آن بلد بود، و از اولاد امام جعفر صادق، و از خاندان زلوی فخرالدین، صاحب ارساد خداطلباں بوده مصنف تصانیف بعدد مثنوی، وسه دیوان وعیره است مثنوی اهل دل، و سحور کامل، و مال و فاصل، و مو رح حوس مال ارك حال، میلاسی مضا ں بوورنگس، و منحسس الفاظ حوب و سیرں بود ار جملهٔ در بلده نکھنو انا ب داشت آواره سحوری ه ازدر(باقی)

گویا کہ رنگ ساقۂ تصویر بے صدا
اس آہ بے صدا کا جگر سے نہ ربط ہے
کاغذ سے جسمے جامے کی پھر بے صدا
گردش کا اوس نگاہ کی، اب طور اور ہے
اے ساکنان میکدہ، یہ دور اور ہے
بیمار، اوس کی چشم سے کب تو ماہر ہے؟
یوں کہہ! سوں میں وہ سخت کافر ہے
مرجائیں، کریں منہ سے نہ اظہار محبت
شرمندۂ عیسی نہیں، بیمار محبت
دل ضبط آہ سے مرے سینے میں جل گیا
جھگڑا چکا، عذاب سے چھوٹا، خلل گیا
کلبۂ احزان میں روشن کردیا غم کا دیا
آتش داغ کہیں کو کس نے پھر چمکا دیا؟
دل کو اول قتل کر، پھر مہربانی کی تو کیا؟
اسکی کیا شادی، ہمیں خلعت جو ماتم کا دیا؟
جب وصل تھا نصیب تو، اے یار، کچھ نہ تھا
جینے تھے، جان کو آزار کچھ نہ تھا
(۲۱ب) اے جان، ہم جو آگئے، اس جان آگئی
جینے کا ورنہ، ایسے تو آثار کچھ نہ تھا
ہم جاسکیں نہ وہاں، نہ وہ گھر سے نکل سکے
اٹکا ہے دل کہاں کہ جہاں کچھ نہ چل سکے

عزم سفر کا اسے مذکور ت کیا کر

و مثنوی مداحیء راجه ٹکیت رای بهادر، که دیوان آصف‌الدوله مرحوم

(بقیه) که احوالش مفصل در تذکره کاسمی مرقوم است، میرسد مولدش قصبه سونی پت بوده، و در خطه پاک دهلی نشو و نما یافته بفرصت فراغت و نیوندها، تربیت در خاندان شاه ولی الله محدث گرفته، و تحصیل علوم و سند حدیث از خدمت مولوی شاه عبدالعزیز ولد ارشد شاه ولی الله مرحوم، که امروز بکمال مستعدی و تحقیقات گوی یکتایی می رباید، ساخته و رساله اجازت حدیث از مولانا حاصل کرده، و دست ارادت در خدمت مولانا فخرالدین اورنگ آبادی ثم الشاهجهان آبادی بطریق نادر به داد، و بخار طرایق دیگرهم، مثل حسنیه وغیره گشته، مشق سخن بخدمت میرشمس‌الدین فقیر برده تا که در شاهجهان آباد بود، بر طریقه اهل این فن سر برد، هرگاه در سنه یکهزار و یکصد و نود و یک در لکهنو رفت، حلم و عادات دهن سیع ظاهر می نمود، و در اینجا قصاید مدح بطرز واتب حسب آراسنگا، آصف‌الدوله مرحوم، و دیگر امرا، مثل حیدر بیگ خان و راجه ٹکیت رای، گذرانید، صلات برگرفت و از اینجا بارف بنگاله رفت، و مدایح اطم آنجا نمود مخابره رر گردید، و قصاید غرا در مدح واب گورنر مسٹر هسٹن صاحب بهادر گذرانیده، بخطاب ملک‌الشعرایی سرفراز شد، و از آنجا به حیدرآباد رفته، قصیده در تعریف نواب آصف جاه نظام الملک انشا نمود، بده هزار روپیه صله بدو جنس انعامی گشت، گرید، تاعای والی حیدرآباد، شعرای آنجا بکار و بجا به با مر دس آمدند، و چون وی را در عروض مسعد و بدیهه گرا بود، نحوی توالی برور معروض داشتند، و آن جوهر شناس گیرمرد بخطاب ملک‌الشعرایی مرحمت کرد، باز از حیدرآباد عطف عنان به لکهنو نمود، و این از راجه ٹکیت رای اورا بمشاهره دو صد روپیه برفاقت خود گشید، بر بعد چند سال در عمر حمل و به سالگی بفرمایش بعضی اعزه وارد کلکته بود که درسنه یکهزار و دوصد و هشت بلیک اجل در رسید و در کربلای آنجا دفن گشت، مولوی عبدالواسع که از فضلای لکهنو است، این قطعه نظم کشید که بکمیء یک عدد سال تاریخ بر می آید «میر قمرالدین ب های های» سخن دیگر بعینه گفته

«خودگفت بین زروی داش «بن سعدی آخرالزمانم»
دیگری تاریخ نظم کشید که اداش این است «قمردین بخسوف آمد آه»

از آنجا که از ابتدای سن رشد مشغولی خاطر سعر و شاعری داشت، دستگاه کمال بیدا ساخته بود»

تاهای اکبر اهل تذکره، منت در ۸ ۱۲هـ (۹۳–۱۷۹ع) در کلکته وفات یافته است جانچه علاوه بر یاد های تذکره صدر، رازی که یکی از شاگردان منت است، در تاریخ وفاتش می گوید (کتاب ۲۲۳ الف و ب) «مرد شمع بزم عرفان، آه، حیف» مولوی احسان الله ممتاز می فرماید (باقی)

در فارسی گویان، کسی ذوق مقابلهٔ او نداشت، علی‌الخصوص در قصیده

(بقیه) افراد عوام و خواص است، محتاج تعریف نیست. مصنف دیوان فارسی و هندی»

و بالا، در گلشن سخن (۱۹۴الف) می‌گوید: «مست دهلوی، نامش میر قمرالدین، سلسلهٔ نسب او از جانب اجداد مادری سید جلال بخاری»—

میر علاء الدوله اشرف علی خان، در تذکرة الشعرا (۳۶۲الف) می نویسد: «مست تخلص، از جوانان موزون طبع است. با نواب وزیر عمادالملک نظام بخاص در فرخ آباد می باشد. راقم تذکره، میر علاء الدوله، را بارها اتفاق مشاعره با مست مذکور دست داده»

مولوی عبدالقادر خان رامپوری، در روزنامچهٔ خود (۱۶۲ الف و ب) گفته است

«تاریخ ۲۷ جمادی الآخره سنه ۱۲۳۹ﻫ مطابق ۲۸ فروری سنه ۱۸۲۴ع، از ملاقات به میر نظام الدین ممنون مستفید شدم. این بزرگوار، فرزند میر قمرالدین منت است که وی از امرای جناب شاه عبدالعزیز صاحب بود و دست ارادت بجناب یگانهٔ آفاق، در کمال اشتیاق و تهذیب اخلاق، مولوی فخر الدین اورنگ آبادی مولد و دهلوی مرقد، طاب ثراه، داده عالمی را مرشد گشت. و بعد چندی در لکهنو، قرب نواب حسن رضا خان و حیدر بیگ خان بهم رسانید، خودرا از عسرت وا نمود، و ازان راه برگشت، و در رفاقت حیدر بیگ خان به کلکته آمد و درگذشت. شعر فارسی هم می گفت. مطلع او

خوب دیدم از دور آن زرین قبا را
گلستان گفتم «بت من» خدا را

زبان زد که و مه است

و این بزرگوار نیز از بند مذهب و مشرب آزاد است. اساس زندگانی را نمود جاودانی نمی‌داند. مرد سنجیده، جهان دیده، فهمیده و گرم و سرد روزگار چشیده است. تحریر و تقریر وی مربوط و افکار تحصیل و تشخیص و کمال و صاحب سزاوار. زبان اردو از شعرای کهنه سن لکهنو است. غزل وی

لیتی ہے فیض گل سے صبا اور صبا سے ہم
لیتے عطر اوس کے تن سے ہوا اور ہوا سے ہم

بر زبانهاست و نالش ای که گفته، نکو گفته. سفارش جنرل سر ڈیوڈ اخترلونی صاحب، مدتی کار تحصیل کوٹ قاسم، طرف خاص حضور والا می‌کرد. آخر اشتغال کسان ازان کار کناره کش گشته، با کاری بزرگ هم نگرد، که اهتمام آن به کمال حال صاحب متعلق است، نافذ»

و عاشقی، در نشتر عشق (۶۵۹الف) گفته: «مست، نام نامی میر قمرالدین، سید مشهدی نژاد و از اولاد امام ناصرالدین بود که مزارش در قصبهٔ سونی پت مزار خلائق خاص و عام است. نسب شریفش بچهار واسطه بسید جلال بن سید عضدالدین (باقی)

دلبروں سے جب جدائی ہوچکی
صبح سے وہاں اشک ٹپکے ہے جوں
مثل شمع ساری جدائی ہوچکی
رات تھوڑی، حسرتیں دل میں بہت
صلح کیجیے، بس لڑائی ہوچکی

یازدهم از طبقه ثانی، شمع بزم سخندانی، آینه دار محبوبهٔ معانی، شاعر پر زور و قوت، ادا سنج دقت، شیخ غلام همدانی، متخلص به مصحفی (۱) است که در پختگی و متانت سخن طرز میرزا، و در

---

(۱) حسن ۱۲۵ ب ' طبقا ۳۱ ' گلزار ۱۹ الف ' لطف ۱۶۵ ' عمده ۸۵ ب ' ریاض ۴۹ الف ' تذکره ۸۲ ب ' سفینه ۱۴۸ ب ' ناسخ ۴۲ ' گلدسته ۲۵ ' طبقات ۳۵ ' سراپا ۵۴ ' جدول له ۱۲۱ ' شمیم ۳۳ ' سخن ۴۴ ' شمع ۴۱۶ ' بوستان اوده ۱۹ ' انتخاب ۳۹ ' طور ۹۱ ' گل ۲۱۸ ' انتخاب ۲۸ ' قاموس ۲ ' ۲۱۶ ' عسکری ۲۲۹ ' جواهر ۲ ' ۵۲۵ ' خاص ۴۵ ' اسپرنگر ۱۸۲ ' بلوم هارت .

لا ' در گلشن سخن (۹۱ ب) می گوید « مصحفی از شرفای امروهه است در دهلی »

مولوی عبدالقادر حنفی رامپوری ' در روزنامچه (۴ الف) می نویسد « روزی در محفل شاعر ' که دران ایام محلهٔ میرزا جعفر می بود ' رفتم میرزا محمد حسن متخلص بقتیل و مصحفی و میر نصیر دهلوی دران زمره سرکرده شمار می آیند و شیخ امام بخش ناسخ را دران ایام زور آوری و ناموری درین کار بود و بعد ازان تک رور الاقات بمصلی عبان مصحفی شد ' که بخانهٔ آن بزرگوار رفتم به سر مردم درس « گل کسبی » بر تخات دادی ' و اصلاح اشعار اکثری هم میکرد از همه بار بد بان سه رد می گفت که مولدش امروهه است که متصل شاهجهان آباد است »

و مهجور ' در مدایح الشعرا (۳۶ الف) گفته " اسم شریف آن سر حلقه شاعران سخن سنج شیخ غلام همدانی ' مصحفی تخلص مر او ند از همچندان راحه بارا کر ربان در توصیف آن شاعر ادر ان کساند "

در وفات مصحفی اختلافی رو داده است کریم الدین در گلدسته نوشته که "وفات ازسکی کره اکر ران سال هے " جون سال بالیقین ۱۲۶۱ ه است ' لهذا (باقی)

بود، بسیار نموده گاه گاه زبان فصاحت بیان را بهندی هم آشنا می ساخت، بالتخصیص در وقت اصلاح، چراکه در هندی شاگردان بسیار بهم رسانیده بود علی‌الخصوص جامع‌الصدق او، میر نظام الدین، ممنون تخلص میمانند و آن هم صاحب (۲۱۱ الف) دیوان است، و مثل پدر بزرگوار، تلامذهٔ بسیار دارد گویند که میر سعادت علی سکیں و سید مهرالله خان عبور نیز از تلامذهٔ ممنون اند و بعضی گویند: «از شاگردان منست» بهرحال سلسله واحد است این چند شعر ازوست:

هم سے وہ جوشش، وہ الفت دور کی
آپ کو سوجھی بہات دور کی

سب کہ مجلس میں وہ بت محو خود آرائی تھا
آئنہ، بست بدیوار، تماشائی تھا

مدعی اوس سے سخن ساز سالوسی ہے
پھر تمنا کو یہاں مژدۂ مایوسی ہے

میری ہی طرح، جگر خون ہے ترا مدت سے
اے حنا، کس کی تجھے خواہش پابوسی ہے

ہمت عشق عبث کرے ہیں مجھکو، مست
ہاں نہ سچ، ملنے سے خوبان کے بوالہوسی ہے

بس جفا زور آزمائی ہوچکی

---

(۱۰۸) ب: آن بادشاه ملک سخن که سدس مقام خوب اسلوب، قمر الدین نام بود، از ان بودش سال انتقال «روب»

اما مصحفی در تاریخ وفاتش «سب کجا و زمزمهٔ شاعری او» گفته که از و ۱۲۰۷ھ (۱۷۹۲ع) مستخرج می شود و لطف و ناصر درین خصوص ۱۲۰۶ھ (۱۷۹۱ع) را معرفی کرد

سر حلقۂ رنجہ گویان لکھنؤ ہمیں خوش فکراست و بس این چند شعر ازوست:

سمجھے وہ ضد جسے میرے اضطراب کو
سینے میں جسکے، ٹوٹ کے پیکاں رہگیا
سوجی تو دیکھ، تیر کو سینے سے کھینچ کر
کہتا ہے: «میرے تیر کا پیکاں رہگیا»

ترا خدنگ نگہ جس کے دل سے پار ہوا
نشان تیر تغافل، وہ دلفگار ہوا

وعدہ کرتا ہوں جو اس در سے کہیں جانیکا
دل یہ کہتا ہے: «بوجا، میں تو نہیں جانیکا»

کبھی اوس یار قاتل نے، جو رخت اپنا بدلے ہیں
ملے ہیں عطر تو، لیکن کفِ افسوس ملے ہیں

پانوں میں آپ ہنس ہنس کے رہو گھولے ہیں
ہم سے ہی سجیا ہیں، جو تم سے بولے ہیں

(۲۱۲ الف)دامن اوٹھا کے چلے ہو، میرے مزار سے عبث
خاک میں میں ملگیا، کس سے اب احتراز ہے؟

ہمکو ترساتے ہو کیا، تم یہ ادا دکھلا کر؟
منہ چھپایا نہ کرو، پھر خدا دکھلا کر
پھر قیامت ہے، جو وہ شوخ چھپالے منہ کو
اپنا دیدار ہمیں روز جزا دکھلا کر

جو دیکھے ہے تجسے کو پرے، وہ یہ کہے ہے:
«سارا بدن انسان کا، چہرہ ہے پری کا»

ادا بندی و ارسال المثل ثانیء شور شعرش اداست برهمه اقسام سخن بکمال خوبی قادر، و بطرز شاعری و شعوری، کماحقه، رباهی (۱) خود ماهر شاگردان بسیار بهم رسانیده گویند که شش دیوان در سلك نظم کشیده، (۲۱۱ب) اما رطب و یابس بسیار دارد و شمهٔ از خوب وجودت طبعش او این است که در ایامیکه وارد لکهنو گردیده، آنوقت دور دور میان خراب بود، و مردم شهر بنا دستخیز طرز دلپسند او بسیار بشغف مایل بوده، چون دید که کسی لعنت بخالس نمی شود، با خراب طرح خلاف انداخته، بنا با او ولشکر لامدس بمقابل شد، و در اندك عرصه، خود هم شاگردان بسیار بهمرسانیده، در مشاعره های لکهنؤ شعر میخواند، و با سبب سال بهمین براع و خاصیت بسر برده، آخر نام نامی خود مثل او، بلکه زیاده بر او، برخرندهٔ شهرت و نام آوری ثبت نمود عرصکه کمال برگواست اکنون از طبقهٔ شعرای (۲) هندی بخوبت و معلومات وکهن سالی و اصلاح تلامذه بمقامات او هیچکس نمیرسد خدا اورا بسیار زنده دارد! چه در

(بقیه) بردش رحلت مصحفی در ۱۲۳۴ه (۱۸۱۴ع) واقع شد اسد ا امر لمات بی گ بد که " درمیان ۱۲۲۴ه (۱۸۰۵ع) کے اوس حا ورب هوا "

و در تاریخ گفته که " در اواخر عشرهء رابعه بعد مائتین و الف قدم برا عدم نهاد " وهمین سال را شمع و گالی و فارس و عسکری و جواهر و ناصر و الوم هارث وغیره عرفی کرد اند و آنچه اشرنگر گفته که بنابر سفینه رحلتش در ۱۲۴۳ه روداده، درست نیست سفینه هم با تاریخ موافقت دارد بزد بنده عرسی در گلدسته کریم الدین بجای " اکسوان " که مرادف شت و نکم است، اکسیران که مرادف سی و نکم است، و بدل اعداد ۱۲۴ه اعداد ۱۲۲ه از سهو کاتب درج شده

کتابخانه عالیه رامپور به نسخهای جداگانه دیوانش را داراست و از انجمله چهار مجلد، که صدر الدین محمد در ۱۲۱۱ه (۱۷۹۶ع) نوشته، مهرشاه اود و تحریر حاشی و تقریظ " نسخ کرده میان مصحفی " بر صفحه اول دارد

(۱) کذا و اغلب این که " ربانی خود " رقم

(۲) اصل " شارای "

اوست شعر را بکمال صفائی و ستهری گفته صاحب دیوان است «ریختی»، که بنای معروف حالا شهرت دارد، از اختراع مزاج براکت امتزاج اوست و آن عبارت است از شعری که دران فقط زبان و محاورهٔ (۳۱۲ب) نساء بسته شود، وهر معاملهٔ که زنان را با زنان یا با مردان روی دهد، صرف بیان و تحریر او باشد و بس؛ و هرگز هرگز لفظی و کلمهٔ که تعلق و خصوصیت بتحریر مردان و جوانان داشته باشد، در نیاید غرضکه طراح این طرز عجیب همین خوش سلیقه است؛ و سوای او هرکه گفته و یا بگویند، متبع اوست و «رسالهٔ نثر» در محاورهٔ زبان نساء نیز خوب نوشته است این چند شعر اروست:

(بقیه) آه کہیے تو آن جاتی ہے اور نہ کہیے تو جان جاتی ہے
وہ نہ آویے تو بوجھی جل رنگین اس میں کیا تیری شان جاتی ہے؟

و بزبان اردو «فرسنامه» دارد، که بهترین فرسنامهاست اول مقامها را که اسپ دراینجا خوب باشد، نوشته و باز حال و خطش را که بدان قیمتش در سوداگران کم و بیش گردد، باز رنگهای پسندیده و ناپسندیده، باز طرز پرورش آن و قواعد حفظ صحت و امراض موت، باز طرز استدلال برمرض و تشخیص و تعین قسمی از اقسام آن مرض، باز معالجه و سواری هم نیکوبی داند، و خوبی بدرا بشایستگی آوردن واند با این همه قدرت نظیر ندارد» در باص (ص ۳۹) هم ازو ذکر رفته است

بنده عرشی میگوید که خان آرزو در «غرایب اللغات» بعد هر ردیف فصلی مشتمل بر محاورات بیگمات نوشته است چون این فصول در اکثر نسخ غرایب اللغات یافت نمی شود، از ین جهت عامه ادبای هند باین حقیقت پی برده رساله رنگین را کتابی وحید درین موضوع شمرده اند بنده خوشبختانه در کتابخانه سرکار رامپور نسخه خطیه از غرایب اللغات آرزو، که دارای این فصول مهمه می باشد، طلع شدم و رساله رنگین را، که نیز عهده بنده هم رساله وحیده درین موضوع بود، برو عرض کردم بعد تفحص بدین باین حقیقت پی بردم که رساله مذکوره ترجمه لفظیه فصول آرزو است، حتی که، باستثنای مواضع چند، ترتیب لغات هم بر همان ترتیب آرزو ست رنگین زحمت و کلفت باین قدر قصد ناموری و شهرت کرده است عفی الله له

رنگین بنابر اعیان ارباب تذکره در ۱۲۵۱ه (۱۸۳۵ع) بعمر هشتاد سال فوت شد در کتابخانه عالیه رامپور دو نسخه خطیه از دیوان ریختی اش محفوظ است

مہندی ہے کہ مہر ہے حنا کا
ہوتا ہے یہ رنگ کب حنا کا؟
ناوار کو کھینچ، ہنس پڑے، واہ!
ہے مصحفی کسبہ اس ادا کا

بھیگے سے ترے، رنگ حنا اور بھی چمکا
پانی میں، نگاریں کف پا اور بھی چمکا
جوں جوں کہ برسے مینہ پڑیں مینہ کی بوندیں
جوں لالۂ تر، حسن ترا اور بھی چمکا
دھوتا نکھا جوں سرا سج بیے ابری
کم بخت یہ پانی جو پڑا، اور بھی چمکا

کاغذ کا ورق نہ پائے صورت؟
بھاتی اسی پائے صورت
چہرہ نہ نظر میں ٹھہرتی
اللہ رے، تری صفائے صورت!

دوازدہم از طبقۂ ثانی شہسوار عرصۂ سخندانی، سعادت یار خان، کہ پسر طہماسپ بیگ خان تورانی است و رنگین (۱) تخلص

(۱) طبقا ۴۴، تذکرہ ۳۵ ب، ۴۷، ۱، ۲۷۸، سفینہ ۴۷ الف، طبقات ۳۳۳، سراپا ۸۵، جدولہ ۱۴۵، گلستان ۲٦، سخن ۲۳، سخن ۱۹۴، روز روشن ۲۵۹، آبحیات ۱۱، ۱۱٦، ۲۱۷، ۲۹٦، طور ۴۷، خمخانہ ۳، ۵۲۹، گل ۲٦۴، قاموس ۱، ۲٦۷، تذکرہ ریختی ۴، عسکری ۲۳۷، جواہر ۱، ۳۴، اسپرنگر ۲۸، بلوم ہارٹ ۴

مولوی عبدالقادر جعفر راوری، در روزنامچہ خود (٦۹ الف) می فرماید «و سعادت یار خان رنگین است عمرش از ہفتاد در گذشتہ، اکثر کلام ہمہ شوخیہ نو خواست در اقسام شعر معنیہ بلند دارد، و در ریختی از نو سور و بر اسد اللہ خان و در ہزل از صاحب قران بالا دست است این دو بیت او زبان زد کہ و مہ است (باقی)

بلبل شیرین گفتار، ناظم خوش تقریر، مقبول هر برنا و پیر، میان قلندر بخش، که جرأت (۱) تخلص داشت شیرینیء تقریر و صفائیء بندش، بمرتبهٔ که داشت، مثل آفتاب برهمه روشن است غرض که صاحب طرز است نهایت خاص و عالم آشنا گردیده مردم چشمش، بعارضهٔ نزول، مدت است که از حلیهٔ بصر عاری بودند آنچه گفته بود همه یاد داشت، حالانکه کم از صد هزار شعر فصیح نگفته باشد در هر مجلس و مجمع که رونق افزا می شد، سمت خوش تقریریء او کسی بار سخن نمی یافت، و هرگز بر خاطرها بار نمی شد مادام که زنده بود، مقبول دلها و عزیز امرا بوده صاحب عالم میرزا سلیمان شکوه بهادر، دام ظله، او را بسیار عزیز میداشتند شاگردان بیشمار بهمرسانیده، در هر مشاعره که می آمد، نصف مشاعره بلکه زیاده از تلامذهٔ او می شد و در نجوم و ستار نوازی و علم مجلس

---

(۱) حسینی ۳۱ الف، طبقا ۷۳، گلزار ۳ ب، لطف ۷۳، تذکره ۲۲ الف، نغز ۱، ۵۵، سفینه ۴۳ ب، گلدسته ۱۴۷، طبقات ۵ ۲، سراپا ۱۷، مختصر ۸۵، جدوله ۱۴۱، شمیم ۳۲، سخن ۲ ۱، روز روشن ۱۴۳، آبحیات ۲۳۶، طور ۲۴، خمخانه ۲، ۲۱۸، گل ۲۴۷، اصحاب ۲۷، قاموس ۱، ۱۶۷، عسکری ۲۲۵، جواهر ۲، ۴۸۲، خاص ۳۷، اسپرنگر ۲۴۴، بلوم هارت ۳۵

بلا، در گلشن سخن (۲۹ الف) می گوید «جرأت دهلوی، اسمش یحیی امان ابن حافظ امان، صاحب دیوان در بلاد میرزا جعفر علی حسرت ست در علم موسیقی و ستار نوازی طرفه دستی دارد و در نظم شعر ریخته طعن لائم؟ در لکهنو و فیض آباد بگذراند»

باتفاق اکثر اهل تذکره، جرأت در ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ع) وفات یافته است اما در طبقات ۱۲۲۴ھ را معرفی کرد و همین سال از مادهای [illegible] کمال، شاگرد ناسخ، و جسونت سنگهه پروانه برمی آید جامعه کمال می گوید (دیوان قلمی ۲۹۵ ب و ۲۹۶ الف، حاشیه)

جست تاریخش جو از هاتف کمال، گفت «شاعر و هندی سخن زبان»

و پروانه می گوید «کہو، جب نصیب جرأت ہے» (خمخانه ۲، ۷)

۵ کتابخانه عالیه رامپور [illegible] نسخه‌ای دیوانش را داراست

تک تک چونک کے، کہنے لگے وہ رات: «نہیں
روک مت، جانے دے گھر ہمکو، نہ کچھ بات نہیں»
ہاتھہ میں ہاتھہ ہے، پر بوسہ نہیں لے سکتے
دست رس اتنی بھی ہرگز ہمیں، ہیہات! نہیں
قسمیں کروڑ جس نے ملنے کی کھائیاں ہوں
نہ سوچ ہے، اب اوس سے کیونکر صفائیاں ہوں؟
اوس ستمگر سے ہمارے جو کسی نے پوچھا:
«کوئی رنگیں بھی ترے کوچے میں یہاں رہتا ہے؟»
تو کچھہ اک ناؤ سا کھا، چیں بجبیں ہو کے وہیں
گالی دیکر، یہ کہا اوس نے کہ «ہاں رہتا ہے»
جی بیچ کے یہ عشق کا جنجال جر یدا
اوس شخص کو کہو، ابھی ہے یہ مال جر یدا
میں نے چاہا جو اوس کو، اے رنگیں
مجھہ سے ہر اک بدگمان ہوا
طوطئے جوڑی (ہے) (۱) کیا کیا، جلوں؟
جی اکتا بلاے جان ہوا!
جب میں نے کہا کہ «مجھہ کو تم سے
ملنے کا ہے اشتیاق بیحد»
یکبار وہ کھل کھلا کے، رنگیں
بولے کہ «چہ خوش، چرا نباشد؟»
طرفۂ بالت

(۲۱۳ الف) اول سر دفتر شعوران طرفۂ بالت، شاعر فصاحت کردار،

---

(۱) اصل این کلمه را ندارد

سر پٹکتے رہ گئے ساحل سے ہم، مانند موج
اور اغیار اوس کو کشتی میں بٹھا کر لے گئے

کل ملک حسکی خبر سب لوگ آکر لے گئے
آج اوس بیمار کو، یارے، اوٹھا کر لے گئے

کیا عجب ہے؟ اوس نے جس جس کے تئیں لکھے تھے خط
نامہ بر وہ مجھ سے سر نامے پڑھا کر لے گئے

بوسہ پہ جو منہ پھیرو، تو پھیرو ایسا
ٹک پاؤ تو دامے ہمیں دو ایسا

گر نام سے عاشقی کے ہے ننگ تو، جان
نوکر، چاکر، غلام، سمجھو ایسا

چاہ کی جون مری، آنکھ اوس کی شرمائی ہوئی
پاڑلی مجلس میں سب نے، سخت رسوائی ہوئی

مخفی نماند که این شعر مضارع فعه است جزآنکه بگفت که «ازمن است» و افسوس میگفت که «ازمن» چون طرز هردو قریب، و وقوع سهو از هردو ممکن، ناچار تا تاریخ شهرت در اشعار جرأت نوشته شده و الله اعلم بالحق

دوم (۲۱۴ الف) از طبقهٔ ثالث، که خاک طبیعش آب فصاحت سرشته (۱)، و عنصر لطیفش نمایهٔ بلاغت بالطف یافته، فصیح زمان، بلیغ دوران، میر شیر علی افسوس (۲) بود، که در معلومات فن و سدس

(۱) اصل «سر رسته»
(۲) حسن ۱٦ الف، گلزر ۱۸ الف، لطف ۴۷، تذکره ۸ ب، بحر ۱، ٦۵، شمیمه ۲۳ الف، طبقات ۲۳۴، سراپا ۲۱، خدوانه ۱۴، تسنیم ۳۵، سخن ۳۹، دور روس ۵۸، طور ۱۲، مجانه ۱، ۳۵۳، سیر ۱، ۹۷، قاموس ۱، ۸۷، ارباب ۸۲، جواهر ۲، ٦٦۳، ناص ۳٦، اسپرنگر ۱۹۸، لوم هارت ۳۸ (نامی)

یگانۂ عصر خود بود با راقم حروف بسیار دوستی داشت این چند شعر از وست :

میرے اور اوس کے، جو پوچھو، ربط کیا کیا کچھ تھا؟
پر دل اوس کا پھرگیا ایسا کہ گویا کچھ نہ تھا

عمر بھر، وصل میں بھی ہم جو رو رو کے سوتے تھے
سو اندیشہ تھا روز ہجر کا، اس دن کو روتے تھے

یارے، کچھ جذبۂ دل نے تو اثر اوس کو کیا
اب جو آتا ہے، سو مردہ یہ سناتا ہے مجھے
منہ ترے گھر کی طرف کرکے، یہ کہتا تھا وہ شوخ:
«اسطرف کو کوئی کھینچے لیے جاتا ہے مجھے»

(۲۱۳-ب) خواہش دیدار جسکو ہو، تو ایک تصویر یار
وہ بہرصورت کھنچا منگوائے اور دیکھا کرے
لیک میں حیرت زدہ یہ پوچھتا ہوں دوستو،
«جو فقط باتوں ہی کا مشتاق ہو سو کیا کرے»؟

عجب انداز سے کل بزم خوباں میں وہ آیا تھا
کہ دل ہی دل میں اوس پر ہر کوئی قرباں جاتا تھا

یہاں پھونک دیا دل کو، وہاں یار کو بھڑکایا
نالہ بھی قیامت ہے، کچھ آگ لگانے کو

کیا کہوں، کیا خوبرو، نظریں ملا کر، لے گئے؟
دل سے موتی کو مرے مجھ سے جدا کر لے گئے
کیا بگڑ بیٹھے (۱) جو ہم مجھ سے، تو بدنامی گئی؟
جا بجا لوگ اوس کے افسانے بنا کر لے گئے

(۱) اصل « بگو بیٹھے »

همه کردند شاعران افسوس

گفتم از روی درد تاریخی

«رفت افسوس زین جهان، افسوس!»

ازین چند شعر از کلام اوست: (۱۲۲۴ه)

کیا تو نے لکھا تھا؟ جو ترے خط کے تئیں دیکھ

آنسو لگے افسوس کی آنکھوں سے ٹپکنے

اوس کی صورت کے تئیں یاد دلا دیتا ہے

ہنسے ہنسے مجھے یہ گل تو رلا دیتا ہے

(۲۱۴ب) آنکھوں کے اشاروں سے غیروں کو بلاتا ہے

میاں، جھوٹھی لکھا سمیں(۱) تو کسکو ڈراتا ہے؟

کچھ بات ہنسے کر نہیں سکتے، ہزار حیف!

مدت میں ہم ملے تھے، تو غیروں کے گھر ملے

منہ تو دکھلادے ذرا، گو نہ ملاقات کرے

ہمکو سو وصل ہیں، جو ہنس کے وہ اک بات کرے

دیکھتے ہی اوسے، حاضر ہوئے مرجانے کو

وے ہی اشخاص، جو یہاں آتے ہیں سمجھانے کو

کس درجہ شکلی ہوئی، جاتے ہی یار کے

کیا کیا گھمنڈ تھے ہمیں صبر و قرار کے؟

سوم از طبقۀ ثالث، ناظم ماهر فن، کامل شیرین سخن، فاضل عالی تقریر، شاعر رنگین تحریر، غواص بحر فصاحت، صاحب «دریای لطافت»، طرفه تیر، حکیم انشاء الله خان انشا (۲) بوده

(۱) اصل «ئه سی»

(۲) حسن ۱۴ الف، گلزار ۱۱ الف، لطف ۳۵، کره ۹ ب، عیار ۱، ۸ (باقی)

سخن از همسران هیچ وجه پایهٔ کمی نداشت. صاحب دیوان بوده است. اکثر اقسام سخن را بخوبی گفته. اول شاگرد میر سوز، و آخر رجوع بمیر حیدر علی حیران آورده، مشق کلام به پختگی رسانیده. با فقیر بسیار دوستی و یکجهتی داشت، چراکه در علم طب، بخدمت مصدرحمت، حضرت قبله و کعبهٔ دوجهان، زبدهٔ علمای هندوستان، مجتهد زمانه، محدث یگانه، مسیحای وقت، مخدومی و اوستادی، جناب حکیم آغا محمد باقر صاحب قبله، عمرالله دولته، نسبت تلمذی داشت، و بنده و او مدتی همدرس بوده ایم. و آخر باعانت و سفارش خان رفیع الشان، میرزا فخرالدین احمد خان بهادر، مغفور و مرحوم(۱)، در سرکار فیض مدار کمپنیء انگریز بهادر، بصیغهٔ شاعری و اردودانی نوکر شده، مدتی در کلکته مانده، آخر همانجا باجل طبعی درگذشت و تاریخش این است تاریخ:

از جهان رفت میر شیر علی

کرد هر پیر و هر جوان افسوس

بود افسوس چون تخلص او

(بقیه) صاحب گلشن سخن (۱۲ ب) می گوید «افسوس، اسمش میر شیر علی خلف مظفر علی خان، که داروغه توپخانه نواب عالیجاه بود اصلش از نارنول است. فالحال از هم صحبتیء میر حیدر علی حیران و مرحوم، مشق سخن بمرتبه رسانیده که پسندیده نکته سنجان است»

تا اینجا گفتهٔ اهل تذکره، افسوس در ۱۲۲۴ه (۱۸ ۹ع) بمقام کلکته وفات یافته است. اما بیل در کتاب خودش، که تذکرهٔ مشاهیر اهل شرق است بزبان انگلیسی، و در تبع او در قاموس، کاتب ترجمه کتاب اوست، رحلتش را در ۱۸ ٦ع (۱۲۲۱ه) نشان داد و در دور روس گفته که «در اوائل مائه ثالث عشر رحلتش از این دار ناپایدار است» و این قول مشعر بر عدم اطلاع وقف است و در خاص هر دو تاریخ بدون ترجیح مذکور است

(۱) در اصل نوشته «دام اقباله» بوده، غالبا وقت تبییض کتاب این فقره قلمزد شد، اما کاتب نسخه را ور این جمله خط کشیده را هم نقل کرده است

و لطیفه گوئی رنگین‌تر از باغ و بهار دیوان ضخیمش که مرتب

(بقیه) آمدیم بر احوال سید انشاء الله خان موصوف در صغرسن کتب صرف و نحو و منطق و حکمت تا «صدرا» خوانده چون به سن دوازده سال رسید، بحضور نواب وزیر الممالک شجاع الدوله داخل جلسا شد. دران وقت دیوان هندی بطور خود و بطرز نوی بی استاد ترتیب وار تمام نموده بود، و پاره‌ای از اشعار فارسی و عربی هم بر اوراق ثبت داشت. چون صورت ماوقع و تقریر دلچسپ بامزه بود، و در تمام دربار احدی مثل تکلم او نمی‌رسید، مورد عنایات بندگان عالی و محسود اهل دربار شد. بعد چندی که نواب وزیر موصوف قضا کرد، و دربار آصف‌الدوله مجلس اراذل شد، خان مزبور چندی بلشکر نواب ذوالفقار الدوله نجف خان مرحوم، و مدتی در بندیلکهند، و بعد چند روز بار همای بدر بدهلی رفته، با محمد بیگ خان همدانی معزز می‌بود و چند بار خود را برروی توپ و تفنگ و تیر و تبر زد، لکن چون جان مستعار باقی بود، سلامت برگشت. و در «جی نگر» بر سر حرفی با میرزا اسمعیل بیگ خان برادر زاده محمد بیگ همدانی در افتاد، و کتار کشیده بطرفش دوید. هرچه بزبان آمد، قضا و بخت مصالحه کرد جان و حرمت او را حدس گمان شد، والا در کشته شدن او جای امل نبود. بالجمله ازان طرفها بار بلکهنو آمد، بندا از مخبرشان حضور اقدس مرشد زاده آفاق، صاحب عالم و عالمیان، میرزا سلیمان شکوه بهادر بود. از بسکه بر ازل مزاج ست، ازانجا هم دق شده برخاست، و رفاقت الماس علی خان بهادر گزید. بعد چند روز نواب وزیر الممالک هندوستان یمین الدوله، میرزا سعادت علی خان بهادر مبارز جنگ، دام اقباله، او را در سلک ندیمان خود سرفراز فرمود. هر دو وقت سر یک طعام با آنجناب می‌باشد.

بنده یاری در خدمتش دارم او بر شفقت بحال من از وقت ملاقات تا امروز مبذول دارد. در عالم آشنا پرستی بی‌نظیر زمانه و در شعر هندی موجد طرز از و یگانه است. آدمی که در صحبت او می‌رود، غمهای زمانه فراموش میکند. نقلهای عجیب و قصه‌های غریب یاد دارد، و از پیش طبع خود بر می‌تراشد. لطایف او اگر شمار کرده آید، کتابی جداگانه مرتب می‌توان کرد. با اینهمه شجاعت و جلادت که در عرصه رزم ازو ماثور گشته، در بزم خود را کمتر از یک طفل نامرد حساب میکند. برای هر کس تواضعی بر می‌آرد. اگر گاهی بخاطرش میگذرد، با آدم تاجر راهرو یکجا صورت ظرافت سری دهد. در نصورت اگر طرف ابی سکوت کرد، خیر، و اگر شروع بدشنام نمود، می‌خندد، و او را برسر غضب می‌آرد. با آدم کم مرتبه این معامله دارد، و هیبت هزاری را نمی‌گذارد که خلاف نفس حرف زند. نواب میرزا قاسم علی خان، برادر نواب سالارجنگ را، بر سر شعری روبروی جناب عالی ذلیل کرد. و اشعار در چهار زبان می‌گوید: فارسی و ترکی و عربی و هندی. عبارات بی‌نقط در عربی مشتمل بر مطالب مقرری چار ورق می‌نویسد، و تفسیر چند سوره بهمین زبان غیر منقول نوشته. از شعرای معاصرین با اشعار سر فرو نمی‌آرد. و کسی که او را به از (باقی)

است، که در تکمله فهمی و بذله سنجی یگانهٔ روزگار، و ظرافت

(۱ه) شمعه ۲۸ ب، گلدسته ۲۷ا، طبقات ۱ ۲، سراپا ۱۳۳، جلوانه ۱۴۱،
شمیم ۲۷، سخن ۵۲، شمع ۶۹، آب حیات ۲۴۵، ۲۵۹، ۲۷۱، ۳۱۷،
طور ۹۶، گل ۲۸۳، صحابه ۱، ۲۶۷، اصحاب ۳۱، سرالمصنفین ۱، ۸۷،
قاموس ۱، ۱۱۱، عسکری ۹، ۲، جواهر ۲، ۵۴۵، تذکره ریختی ۲۰،
ناص ۳۸، اشترنگر ۲۴، علوم مارتك ۴۵،

بر علاءالدوله، در ذکر الشعرا (۳۶۲ الف حاشیه) می فرماید «میرماشاء الله، درطلب دستگاه وافی (دارند) و طالب علم منطق و خوش طبعت اند، و نوکر معتبر نواب شجاع الدوله وزیرالممالك بهادر هستند. سرانشان، که جوان وجیه تدلل بزدیك برابت، تا مؤلف تذکره قمر اشرف علی خان آشنا ست»

سوق را وری، در تکمله الشعرا (۱۴ الف) گوید «براسماء الله خان، انشا تخلص، سر حکیم ماشاالله خان، موطن شاهجهان آباد، اکنون در بلده لکهنو اقامت دارد، و کرس سحوری می نوارد جوانی سب قابل، صاحب استعداد کامل در فنون عربی و فارسی و هندی مهارتی تام دارد خوش تقریر عربده است که در تحریر نمی آید آزاد مشرب، آزاد مذهب، وارسته، داور آزادان با صفای جهار ابرو می ماند در ریخته گویی، بطوری که دارد، عدیل و نظیر خود ندارد دیوانش ار سکه متداول ست، احتیاج تحریر نیست گاهی اشعار فارسی هم می گویند»

مثلا، در گلشن سخن (ب) نوشته «انشاء انشی بن انشا الله ولد حکیم بر ماشاءالله مصدر تخلص است راقم حروف وی را در محفل هکام دولت نواب بر محمد جعفر خان بهادر دیده بود و با والد ایشان آشنا بود درین ولا مسموع شده که مرد مسعد و تحله خوشها مزین است گاهی سعری می گفت»

و شیخ احمد علی، در مخزن الغرایب (۶ ب) می گوید سید انشا الله خان، انشا تخلص، مهین خلف مخبر الدوله، سرآمد اطبای زمان، بر ماشاء الله، جعفری النسب نجفی الموطن ست جدش شاه نور الله نجفی در هندوستان مولد گشته، و بر ماشاء الله بخلاف پدر بزرگوار سعیها در تلاش دنیا نمود در بنگاله علاجهای عالمان ازو بظهور رسید، و اکثر در میدان کارزار پس از دیگران داد شجاعت داد تام بدنش جراحتگاه بود در عالم تنزل، که عهد نواب قاسم علی خان بود، پس نواب وزیرالممالك، نواب شجاع الدوله مرحوم آمد آن روزها با وصف برنادیء اسباب، بورد فیل همراه داشت سخاوتش بدرجه بود که در حسب از نام حاتم ذکر کردن باعث خجالت ست و بدات خود مرغ پلاؤ و نان جو را ساوی می داشت، و همیشه بر زبان می خواند، و سید زنده دار بود آخرها جون زمانه را بکام ناکسان دید، کمر را وا کرد، در فرح آباد منزوی شد نواب مظفر جنگ جری بقدر ضرورت بواضع میکرد چند سال است که در همان شهر بجوار رحمت ایزدی پیوست، و مزارش نیز همان جاست (نامی)

که از فارسی و عربی و ترکی و هندی بجمیع زبانها قادر و در همهٔ آنها شعر خوب خوب دارد. راقم شرف صحبت او نرسیده، الا کلام هندیش بسیار شنیده و خط ایشان برداشته بی اختیار دل محو کلام فصاحت انجام اوست، و خان مهجور غائبانه مألوف نام نیکو فرجام او. عمرش تخمینا از شصت سال متجاوز بود. بخاصه توسیء مسند قرب و مصاحبت نواب مستطاب، گردون رکاب، معلی القاب نواب وزیرالممالک، یمین الدوله، ناظم الملک، سعادت علی خان بهادر، (۲۱۵ الف) مغفور مرحوم، شرف امتیاز داشت و جناب ممدوح هم از معزی الیه بسیار محظوظ ماند. فضایل و محامد آن عدیم‌المثال از فضیلت و حکمت و طبابت وغیره بسیار اند، که زبان قلم از نمایش قاصر است. آخر، آخر، مجنون شده، چند سال گرفته بودند که بهمان مرض در گذشت. خداش بیامرزاد. این شعر از وست:

گالی سہی، ادا سہی، چین جبیں سہی
سب کچھ سہی، پر ایک نہیں کی نہیں سہی

(بقیه) میر ولی‌الله در تاریخ فرح آباد (۱۴۲ ب) می گوید «مرزا سام الله خان، ولد ارشد حکیم ماشاء الله خان، دو سه بار وارد بلده فرح آباد شد. هفت زبان شعر می گفت: عربی، فارسی، ترکی، هندی، پنجابی، بنگالی، پشتو و جز آن و بتاریخ جلوس نواب سعادت علی خان بر مسند وزارت بشش و چهار زبان قصیده گفته.»

بنابر رای اکثر اهل تذکره، انشا در سال ۱۲۳۳ه (۱۸۱۸ع) وفات یافته است (بلوم هارت)، بنابر مادهٔ سنه سگهه ساط که «عرفی وقت بود انشا» می باشد، رحلتش را در ۱۲۳ه (۱۸۱۵ع) نشان داده و همین سال در طبقات و اتحاف اختیار کرد شده است. اما این قول بی بر غلط فهمی است. فی الحقیقه انشا این تاریخ را نیمه گفته بود، خاتمه مصرع اول این است «سال تاریخ او ز جان اجل» بر این دال است که اعداد «ج» را، که جان اجل است، افزاد باید کرد.

کاتب خانه عائله اوز دو صفحه‌ای نسخه کتابش را داراست که از آنها تاریخ ۱۱ ذیقعده سنه ۱۲۴۱ه بر سبت از سنگهه اعلام یافته است.

ساخته بود، همه اقسام سخن مملو است ریختی هم بسیار گفته گویند

(همه) خود می داند، و در تحقیق لفظ و ترکیب عبارات و حسن و قبح کلام خود ازو مطابقه می کند، و مانند استادان خود سر او را سر آمد استادان می شمارد، مجمع الشعرا میر محمد حسن نقل است چند سال پس از پن صحیفه ریخته گو را آمد و رسوای کوچه و بازار کرد، که اگر عیب مداست، خودرا مکسب همین بر خر سوار کردن بایی باید بود دگر هیچ دلیلی بود که عیب آن بسیار شد شرحش طول دارد الحاصل عجب کسی است خدایش سلامت دارد!»

عاشقی، در نشتر عشق (۵۵ الف) ذیل نقل نوشته «روزی سعادت یار خان رنگین هنگام معاودت از لکهنو برای دیدن راقم تشریف آورد و عبدالا دکار میرزای وصوف (قتیل) تسمیه یان می فرود که وی با انشاء الله خان مرحوم، که از یاران میرزای موصوف بود، و با خودها راح و خوش طبعی هم می شد، در دو سه روز مخصوص و ایل بسیار دو سه نفر عربی فقط الاس نموده، رفته رفته عزرا و ل و وقت صبح آن خون با خودها ملاقات گردید، آن مرحوم از راه اختلاط با میرزا گفت که «دیدی چه ریخته گفتم و چه نقره های بی تاب فقط هم رسانیدم؟ حالا عذور نوشت که در جواب آن دم زنی و پاسخ آن برنگاری» ایشان فی الفور قلم برداشته و مستزاد فقط سور های عربی، که آن معمور ازبر بود و می خوانند، در عرصه یک شب این نهایت روانی و سلاست بهتر از عبارت شرائع الاحکام فقط تحریر در آورده اند»

مولوی عبدالقادر خان رامپوری، در روزنامچه خود (۳۹ب) سلسله سفر لکهنو، که در آخر عهد نواب سعادت علی خان بهادر (۱۲۲۹ھ) رو داده، می گوید «(حکیم میرزا علی صاحب) بار هم از آنجه بدل وی گزشت، دوبار رفته به میر انشاء الله خان صاحب گفتند حکیم و خان صاحب و میر عبدالعلی، هر سه بزرگوار از بدان آمده آمدند و وارش فرمودند روز دیگر بخدمت خان صاحب مستفید شدم اگرچه وی به شعر و شاعری مشهور است، لیکن بدانست بر فن هم بندی سخن بجائی رسانیده که نکات زمانه این دو بن کار او را توان گفت زبان اردو و فارسی و عربی و بنگله و پوربی و مرهٹی و کشمیری و ترکی و اعظامی بلهجه آن قوم سخن گفتی و در فارسی روان و بی تکلف خوب نوشتی بانداری و شمشیر بازی و سپاریگری است نکو می دانست بکثرت آنچه باید همه داشت میان زندان بسر می برد، و در حلقه مسائل شیخ مصحفی بود»

مشهور، در تاج الشعرا (۸ ب) تحریر کرد «اسم شریفش انشاء الله خان بهادر، ولد حکیم میر ماشاء الله خان مصدر تخلص، از زیور ظواهر و بواطن آراسته، و بجواهر زواهر علم و هنر پیراسته نواب سعادت علی خان بهادر» (باقی)

لکهنؤ نشو و نما یافته ابهم، مثل اوستاد خود، شاعر قصیده گوست
باوصفیکه در لکهنؤ بود، با جرأت و شاگردانش نزاع کلی داشته
اکثر در کلام خود کنایه باو می نمود و یک مرتبه در مشاعرهٔ
مولوی محب الله، و بکار در مشاعرهٔ سید ظهیر الله خان نور، که
مقابلهٔ او ظاهرا با محمل مرثیه گو و میرزا علی لطف و میرزا مغل سبقت
و به باطن با جرأت شده بود، برهمه ها غالب آمده شکست فاش داده،
و هجوهای رکیک بر روی هریک در مجمع کرد (۲۱۵ب) خوانده، حتی
همه بزرگواران دشمن او شده، خواستند که اورا بجان بکشند مشار الیه
در این معنی خبر یافته، با وجود دهائی مطای بروا نکرد، و مشغلهٔ
جنگ زبان شان و تیغ زبان هردو بود بالآخر محمد عاشق تصور
واسطه گردیده، با میرزا مغل سبقت و او سبب ملاقات شد، و بظاهر
نزاع موقوف ماند عرصه‌ایکه زبان گردیده دارد بارادهٔ نهایت دوست

(هفه) آید، اندکی از بسیار و یکی از هزار است در ابتدا از سرکار شاهزاده
میرزا جوان بخت، خطاب خانی یافته، لقب به حسن فکرخان گردانید و در عهد نواب
آصف الدوله بهادر به بلدهٔ لکهنو تربیت و اعتبار ارباب سرنیت سر فرمودند بعد از آن
جهت حج بیت‌الله و زیارت عتبات عالیات رفته، و معاودت کرد در ولایت ایران
بحضور پادشاه جمجاه فتح علی شاه، تربیت و حسیم تام و زر و اکرام یافته، و از
آنجا عودت کرده، مقام حیدرآباد نجیب وصدرجب نواب فرلاد جنگ ابن نواب
نظام علی خان بهادر، والی حیدرآباد، ارسل راجه چندولال قیام کردند، و در هر مقام
قصاید عمده در تعریف و توصیف والیان آن ولایت تصنیف فرمودند آخرش در
بنارس در سنه ۱۲۳۴ه (۱۸۲۴ع) لبیک اجابت داعی حق گفتند تاریخ وفاتش از
انجمن افکار جامع الاوراق است قطعه

ظهیر الله خان، آن سیدی هند بوده در دهر شاعر
چو در جنت رسیده، گفت رضوان "زا فخر بلادن بود راسخ"

از همین سال وفات در آتشکده ثبت کرده است و در تاریخ گفته که در
۱۲۴۱ه وفات یافت و در الفت ۱۲۰۶ه مطابق (۱۷۹۱ع)، و در نسیم ۱۱۴۶ه
(۱۷۳۳ع) باو سر برده بود عرشی تاریخ الفت سر بر عدم اطلاع بر الفت است، و
در تاریخ نسیم تصحیف کاتب نظر می آید

سمیم کاکل پیچاں سے میں جو اولگھہ گیا
تو ہنس کے کہنے لگے:«اسکو سانپ سونگھہ گیا»

یاس و امید و شادی و غم نے دھوم اوٹھائی سینے میں
آج مچی ہے خوب دھمادھم سارا کٹھائی سینے میں
حسرت دل تو کب کے سدھارے، خوب جو ڈھونڈھا ایسا نے
ایک دھواں سا آہ کا اوٹھا، خاک نہ پائی سینے میں

چہارم از طبقۂ ثالث، بلبل خوش صدا، طوطیء رنگیں ادا، خوش فکر خان نوا، (۱) شاگرد بقاء اللہ خان بقاست دولدش بداؤن، و خود در

(۱) طبقات ۴، گلزار ۲۲ ب، لطائف ۵۸ عمر ۲، ۹، ۲ ۲۹۲، سفینه ۱۹۸ ب، جدوله ۱۴۴، عیم ۳، سخن ۵۲۳، صبح ۵۲۹، آفتاب ۲۴۳، قاموس ۲، ۲۶۶، اسپرنگر ۲-۲

شوق را وری، در تذکرة الشعرا (۳۲ الف) می گوید «شیخ ظهور الله ولد فضیلت و کمالات دستگاه، مولوی دلیل الله بداونی که جامع علوم عقلی و نقلی بود، جوانیست قابل، خوش اخلاق، و در فنون سخنوری یاسمن زبان و ... مصامین و رنگین، متخلص به نوا، از شاگردان بقا الله خان بقا از طرف شاهزاده صاحبعالم جوان بخت، بخطاب خوش فکر خان سرفراز دارد شعر هندی و فارسی هر دو خوب می گوید در ریخته گوئی قدم پهلو به پهلوی استاد خود زند، خصوصا در قصیده گوئی تکه ای زمان و یگانهٔ دوران است در این هندی ایام رساله از حمدی، مس اشعار فارسی می کند»

بزولی الله فرخ آبادی، در تاریخ فرخ آباد (۱۶۷ ب) می نویسد «ظهور الله متخلص به نوا، فرزندش ... اجازت ... علوم در ایام ... لکهنو از علمای آنجا فرموده، و با شعرای آنجا مشاعرات سکنی نموده عالك ایران رسیده، در حضور فتح علی شاه قجر بار یافته، مخاطب به «سعدیء هند» گشت وقت رجوع ازان دیار، وارد فرخ آباد گردیده در هر نوع شعر فارسی از غزل و مثنوی و بزم و رزم خوب می گوید»

حکیم وحید الله، در مستحضر شعرا هندوستان (ص۹۳) می فرماید «نوا خلص، ظهور الله خان نام، ابن مولوی دلیل الله الصدیقی المحمدی، از روسای بداون و بزرگان محمدیء جامع اوراق هاست تعریف علوم و علامت و وضعداری، و توصیف علوی همت و مراتب شاعری آن صاحب فضل و کرم، اگر هزار زبان کرده (باقی)

رسا، قصیده و غزل هردو سلاست تمام گفته، صاحب دیوان است
بسیر فارسی میگفت بار برنجه راغب گردیده، درین فن هم یکی از
نامداران عصر شد در شعرصفه «حمله حیدری» هندی نظم میکند
روزی دو داستان ازان بس راقم هم خوانده خوب است که کمال
خوب گفته، و بهارت داد شاعری داده، سلاس شمار نموده، معنی
بیگانه بی شمار پیدا کرده از شعرای حال کسی همترازوی وهم
خوب او نیست این چند شعر ازوست

کرون جو وصف جسم، طاقت سان نهیں
زبان کے چشم نهیں، چشم کے زبان نهیں
دیکھے هی اوس کو، چهرے پر بحالی آ ئی
زعفرانی رنگ جو تها، اوس میں لالی ا ئی
کها رخ نگه جب پڑے ڈھال کو غش آیا
گویا که(۱) دم برق میں بسمل کو غش آیا
کیا کہیے هدم، که اویسے دیکھا کے هم ہو
هر چند سنهالے رهے، پر دل کو غش آیا
کرے تو کیا ولی، نه جوان نہیے جو دیکھا
ٹهہرا نگا سامنے، قابل کو غش آیا

---

(۵۵) در گلشن سخن (۱۴ الف) گفته «پروانه، اسمش راجه جسونت سنگهه ابن راجه بنی بهادر (شاگرد) لاله سرب سکهه راے دیوانه عالی است در زبان گیرانه کلامش شور و داردد»

از تصریح شمیم و سخن در ۱۲۲۸ﻫ (۱۸۱۳م) روان را در لکهنؤ دیدند وهمین سال او «پروانه گردید» شمع دیوان گرد» ... (۱۸ ... ۱۹۵ طبع ولایی، لکهنو) ... در ... کرد ... اول از حیث دور است

(۱) اصل «... او» ... ار

بوده از چند سال دمعود الحرا است بعضی گویند که عزم زیارت
عتبات عالیات نموده، از راه ایران رفته، تا شهر ماهان اشخا ملازمت (۱)
حاصل کرده، یکی از مقربان درگاه شد و بعضی گویند که از اخاهم
رخصت شده، بزیارت رفت در سال [illegible]، خدا او را تربیت تمام
نگاهدارد این شعر از کلام فصاحت بیان اوست:

ڈھلی ہیں دونوں یہ تصویریں ایک سانچے میں
ہوں کی سنگدلی، میری سخت جانی کی

اب اشک تو کہاں؟ کہ جو چاہوں ٹپک پڑے
آنکھوں سے وقت گریہ، جگر، خون ٹپک پڑے
یہاں تک ہے جوش اشک کہ آنکھوں سے جھڑ بعیر
یک قطرہ آب چاہوں، تو خون ٹپک پڑے

خط آیا تک لے اب چاہئے [illegible]
کہ سنا کر دے مری حالت سے نامہ [illegible]
"اسے، خط کو یہاں [illegible] تصویر [illegible]
چل اپنے کام لگ، اس کام سے کیا [illegible]"
ہوا قاصد کو اسے [illegible] آپ کرتے ہیں
جو آپ ہی خوب ہیں، کیا دیتے الزام قاصد کو

(۲۱۶ الف) اکثر از طبقۂ ثالث، گور [illegible] مکھید [illegible]
خلاص(۲)، سر [illegible] بہادر است شاعر خوش [illegible]، فکرش [illegible]

(۱) اصل « ملازمت »
(۲) کلی ۲۵ الف، عمد ۲ الف، اکبر ۱۶ ب، [illegible] ۱، ۲، ۱،
۳۱ الف، [illegible] ۴۷، [illegible] ۱، ۴، [illegible] ۸، [illegible] ۱۲، [illegible]
۲، ۶، [illegible] ۱، ۱۵۱، [illegible] ۱ ۲ (باقی)

عشق نے ہمارے عشق کو اظہار کر دیا
بیہوش کیا ہوے، اوسے ہوشیار کر دیا

صلح کرتے ہوے، وہ بر سر جنگ آہی گیا
عشق کا نام ہی نہ ہے، اوسے سنگ آہی ؟؟

خاک کا ڈھیر ہوا، پاوں ہی پاوں جل کر
شمع کی گرم رسائی میں سنگ آہی گیا

کوہ الفت کا اوٹھانا نہیں سہل، اے سنگیں
ہاتھ فرہاد کا آخر بہ سنگ آہی گیا

(۲۱۷ الف) هفتم از طبقهٔ ثالث، موزون رنگین تحریر، شاعر دلاور تقریر، شاه نصیر، متخلص به نصیر (۱) است، که حالا در

(۱) ند کرد ۸٦ ب، راض ۵۲ ب، مر ۲، ۲-۱، ... ۱۹۵ ب طبقات ۲۱۸، آثار ... ۴، ۲۱۴، سرا ۱۱۴، جد ۱، ۱۴۱، ... ان ۴۵۹، شمیم ۴، سخن ۵۲۲، صبح ۵۲۳، انتخاب ۲ ۴، نور ۱۱٦، خریطه ۴ ۲، محبوب ۲، ٦٦ ۱، گل ۲-۲، قاموس ۲، ۲۵۹، ... ۲، ٦٦۷، خاص ۸۲، اسپرنگر ۲٦۹

از طبقات بوضوح می پیوندد که شاه نصیر، چهار پنج سال قبل از ... این تذکره، که در ۱۸۴۷ع اختتام رسید، از این جهان انتقال کرده بود ... و بنابر این قول، اسپرنگر رحلتش را در ۱۸۴۳ع (۱۲۵۹ه) ذکر کرده است ... تذکره های دیگر فوتش را در ۱۲۵۴ه (۱۸۳۸ع) معرفی می کنند. در کتابخانهٔ رامپور یک نسخهٔ خطی از کلیات نصیر محفوظ است، که از «گلزار ...» ... عبدالرحمن ... سکین ... و در آخر آن ... از ... زبان فارسی درج است، که درو ... تاریخ «چراغ گل» ... اسد ... ۱۲۵۴ بر می آید.

در خصوص شهرت نصیر ... ، واز ... را ... روزنامهٔ خود (٦۹ الف) می نویسد: «و ... (ده) ... آغاز شعر ریختهٔ زبان اردو از جا است ... و در ... کار ... است ... وان طالع وی (...)

ششم از طبقهٔ ثالث، سید عالی نسب، جامع علم و ادب، شاعر متین، میر سعادت علی شکیب (۱) است، که تقریر فصاحت آمیزش، از مدت (بعد) زیب گوش اهل سخن، و تحریر بلاغت آگینش، از عرصهٔ مدید، دهن سنج هر او وکهن نظاهر در بلندی از منت ممنون (۲۱۶ ب) و باطن از بدو فطرت مستعد و موزون با وصف قدرت کمال، و صفای مقال، و تلاش معنیء بیگانه، که کم کسی را این مراتب دست میدهد، گاهی زبان صدق بیان را، مثل دیگران، بدعوی خود ستائی نکشوده، و در میدان هجا، تیغ لسان را بخون هیچ هم نسهٔ هرگز نالوده از مدت دیدم مشق ریخته دارد، بلکه از عرصهٔ بعد کلامش بپایهٔ پختگی و اوستادی رسیده دو اثر مسودهایش زیاده بر از دو دیوان افتاده باشند سبب کم دماغی متوجه ترتیب نشود هر چند همه دوستان و آشنایان بکلام همیشه مید هند ساید در ین عرصه دیوان ترتیب داده باشد چه از یکسال مرا بآن دوست صادق ملاقات نشده است این چند شعر از کلام اوست:

حال دل کہیے، تو ہمیں وہ صنم رکتا ہے

اور جو چپ رہیے، تو مشکل ہے کہ دم رکتا ہے

کس کا کوچہ ہے یہ، یا رب، نہیں معلوم ہمیں

خود بخود یہاں کے پہنچے ہی قدم رکتا ہے

کیا جانے ہے صفائی بھلا ہم میں یار میں!

خط بھی لکھا جو اوسنے، تو خط غبار میں

---

(۱) تذکره ۱۹ ب؛ ریاض ۱۴ ب؛ عیار ۱، ۱۳۹؛ شمیم ۹۴ ب؛ طبقات ۳۶۱؛ سراپا ۵ ۳؛ خمخانه ۲ ۵۷؛ اشپرنگر ۲۹۸

بر طبق طبقات و خمخانه، بکس اسنه ۱۸۴۸ع (۱۲۶۵ه) بقید حیات بود

است مسطر (۱) مخلص داشت جوانی وارسته مزاج، شوریده سر، عاشق پیشه، سر خانهٔ تلامذهٔ مصحفی بوده آخر آخر، فوت شاعری بسیار بهم رسانیده، بعربس ابیات دردناک و با مزه گردیده سوای میر، علیه الرحمه، و اوستاد خود، کسی را در ین فن بخاطر نمی آورد بلکه سبب مخاصمت (۲۱۷ ب) اوستاد، هجو مستان جرأت و انشاء الله خان علانیه کرده، روبروی هریک میخواند درعین جوانی و جوش شاعری از دنیا با مراد رفت این چند شعر ازوست:

جاہت مرے دل کی آزما دیکھ
ظالم، کہیں تو بھی دل لگا دیکھ

جاں دیکھے ہے تا عهد تمام، آج کی رات
تو بھی، اے ماہ، جھلک جا لب بام، آج کی رات

کل شب وصل کو پھر دیکھے بارب کیا ہو؟
ہو گئی ساون ہی ساون بس تمام، آج کی رات

اک ذرا بے ادبی ہوتی ہے، تقصیر معاف (۲)!
ساتی گر رہے، کہیے تو، غلام آج کی رات

مسطر، ہے یہ شب ہجر کہ اک روز سیاہ؟

---

(۱) تذکرہ ۸۷ الف، ریاض ۲ الف، ابن ۲، ۲۱۶، سمه ۱۶۱ ب، طبقات ۹ ۲، سرا ۱ ۸۸، ۱۶۵، ۱۸۳، سمم ۲۴۲، سخن ۵۵۷، طور ۹۶، اسپرنگر ۲۶۳

از طبقات ادوم پی برده که مسطر در ۱۷۹۳ع (۱۲۰۸ھ) بیست و پنج ساله بود، لهذا سال ولادت وی بحسب تخمین ۱۷۶۸ع (۱۱۸۲ھ) می باشد و تا ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ع) که سال اختتام تذکره مصحفی است، بقید حیات بوده، اما قول ار ۱۲۲۱ھ (۱۸۰۶ع) که درو ریاض با تمام رسیده، ازین جهان رحلت کرد خاتمه در دراجه ریاض باصطلاح اوات ارو ذکر رفته است

(۲) نیز «اک یہ عرض ہے، صاحب، مری تقصیر معاف»

ساهجهان آباد بر مسند سخن جا دارد گویند که در بن فن ستت قوت طبیعت و مقبول شدن کلام در حضرت سلطانی، دام سرفه، کسی را بخاطر نمی آرد و دعویء ملك الشعرائی دارد صاحب دیوانست و بدیهه گو شهرت اوستادیش تمام شهر را فرا گرفته راقم اورا ندیده، و نه کلامش شنیده، الاهمین یك شعر که نوشته می شود و احوال آن آنچه مسموع شده بقلم آمده است دروغ بگردن راویان و طرفه (۱) بر است که آگاهیء فن و علم هیچ ندارد، و دماغ برآسمان گویند که در سال گذشته بنابر تلاش شعر خودش، که گرفته بود، بلکهنئو آمده، در مشاعره های میرزا قمرالدین احمد خان بهادر حاضر می شد، و شعرخوانی میکرد اشعار قدیم، که خوانده، خوب بودند، و غزلهای طرحی، که میگفت، هرگز آن پایه نداشتند، و کسی نشد نکرد و الله عالم و شعری که راقم را یاداست، این است:

چرائی چادر مہتاب شب میکس نے جهجون پر
کٹورا صبح دوڑانے لگا خورشید گردون پر

ہشتم از طبقهٔ ثالث، شاعر شیرین کلام، میان نورالاسلام بوده

(هه) شب اب بر ہے برسے نہ خط ریحان کا ؟
نہ او دکھو، لکھے یاقوت رقم خان اسا!

عالمگیر است »

بار سلسله شعر خود اطرف لکھنو ، که در ۱۲۲۹ه (۱۸۱۳م) رو داده ، می گویند « روزی در محفل مشاعر ، که دران ایام بخانه میرزا جعفر می بود ، رقیم میرزا محمد حسن قتیل و مصحفیء و بر نصیر دهلوی دران زمین سرکرد شمار ی آمدند و سیح امام بخش ناسخ را دران ایام زور افزونی درین کار بود » (۴ الف)

(۱) اصل « برفه »

مارا ھے کوھکن نے سر اپنے پہ تیشہ، آہ!
دل کو لگی ھے چوٹ، تو کیا آدمی کرے؟
گزرا میں ایسی چاہ سے، یا خدا! ھم نشیں
بیٹھا کسی کے منہ کو تکا آدمی کرے

نہم از طبقه ثالث، رفیق (۱) که میرزا قاسم علی نام داشت بزرگانش اهل خطهٔ (کشمیر) (۲) بودند خود در شاهجهان‌آباد تولد شده، بلکهنئو و فیض‌آباد نشو و نما یافت مشق سخن اول از میان جرأت نمود آخر بحسرت، که اوستاد جرأت بود، رجوع آورده، ارو منحرف شد مشق سخن به پختگی رسانیده، دیوان ترتیب داد اماجز غزل دیگر کلامش بسیار کم است، بلکه نیست این چند شعر ازوست :

خط وہ بھیجے رفیق کا لکھا
نہ بھی اپنے نصیب کا لکھا!

جواں ہم ھوئے، شام خدا، نہ رفیق تو
گھٹا کے دیکھیے ھے اب تک بھی ہیں چار برس

چھٹ جائے کسی سے نہ ملاقات کسی کی
اللہ بگاڑے نہ بنی بات کسی کی!

دیوار گلرخان کا سایہ مگر پڑا ھے
زاھد، بتا تو مجھکو، طوبے نہیں سایہ کیا ھے؟

دھم از طبقهٔ ثالث، غضنفر علی خان غضنفر که نبیرهٔ غلام حسین

---

(۱) طبقات ۴، تذکرہ ۳۵ الف، عیار ۱، ۲۷۵، سفینه ۳۷ ب، طبقات ۳۳۱، سراپا ۱۸۳، ۲۷۳، سخن ۱۸۹، خمخانه ۳، ۲۹۱، اشپرنگر ۲۸۳

(۲) اصل این کلمه را ندارد

نہ تو سسه ہے، نہ ساقی ہے، نہ جام آج کی رات
آرزو میں سجدے کی سر دے دے مارا، مسطر
سر نہ کیا آپ نہ لی، وہ آستانہ (۱) چھوڑ کر؟
ہم سار کرو کرنہ، صنم، اور کسی کو
سوگند لو، پھر چاہیں جو ہم اور کسی کو
اعسار تو سب جھوٹھے ہیں، کب ہمکو کہا کچھ؟
پوچھو تو، ذرا دیکھے قسم اور کسی کو
میں نے جو کہا: «گھر مرے جلسے کو بی دم آپ»
تو ہنس کے کہا: «دیجے نہ دم اور کسی کو»
ہرگز ہوا طے نہ بیابان محبت
در پیش رہا مجھکو سا مرحلہ، ہر روز
نہ سر پوست میں تھا، جائے راہ میں مارا
وہاں سے خط کا جو قاصد جواب لیکے چلے
لٹ سر مو نہ نہ حال دل اثر سمجھے
زلف سے ایری جدا، اوت کافر، سمجھے
مجھ سے کہا تھا وہ: «اک روز سمجھ لوں گا میں»
حالت نزع میں ہوں میں، ابھی آ کر سمجھے
(۲۱۸ الف)دولت حسن ہے حس پاس، نہ اوس سے ہے سوال
«کچھ نہ لے اور نہ دے، پر ہمیں تو کر سمجھے»
امید ہے کہ مجھکو خدا آدمی کرے
پر آدمی کرے، تو بھلا آدمی کرے

(۱) اصل «آساں»

تو میں پر باندھه کے، با توڑ کے پر چھوڑوں گا
در په وحشت مری دیکهه اوس نے کہا هو کے به تنگ:
«اس کے هاتهوں سے میں اك روز نه گهر چهوڑوں گا»
آج لے لو سب سے لادعوے، که روز حشر کو
هو نه فریادی کوئی دامن تمہارا کهینچکر

یازدهم از طبقهٔ ثالث، سید ظهیرالله‌خان غیور (۱) که مثل آئینه محو صفای وصاف گوئی است اگرچه خود از بلا مدهٔ مست و ممنون است، که (۲۱۹ الف) طرز ایشان بلاسبی است با تراکیب فارسیه، اما چون طبع لطیفش از اصل ساده سید و ساده دوست افتاده، در شعر هم آن قدر سادگی را دوست میدارد که گاهی خیال تلاش سهو هم نمیکند آنچه سنیده و نوشته، همه بی تکلف است. دیوانش قریب دوهزار بیت خواهد بود. با راقم حروف سر رشتهٔ محبت بسیار مضبوط و مستحکم دارد. بیان عمدگیء خاندان آن عالی نژاد، از شرح مستغنی است. میر فتح‌علی‌خان مرحوم، عم او بوده اند، و خود هم همیشه معزز و مکرم بود. این چند شعر ازو ست:

کیا پوچهے هے، زاهد، تو اب آئین همارا؟
ایمان هے اك کافر بیدین همارا
گرگئے قامت کو دیکهه، سرو گلستاں کهڑے
رهگئے حال اوس کی(۲) دیکهه، کبك خراماں کهڑے
پوچها نه کبهی اوس نے «که کیا نام هے تیرا»؟
«کون آیا هے، کس واسطے، کیا کام هے تیرا»؟

---

(۱) ریاض ۲۱ الف،
(۲) اصل ا ب ک

جان کروره هست (۱) اصل بزرگانش کهتری، از چند پشت شرف اسلام مشرف شده (۲۱۸ب) کلامش در برستگی و لطافت و صفای بندش هم پهلوی مسطراست، و خود هم مثل سر حلقهٔ جمع تلامذهٔ میان جرأت از بزرگ آن طرز اوستاد بسیار می براود عرضکه بهاب شیرین کلام و خوش فکر است این چند (شعر) ازوست:

کروں کیوں نه بسارس نه درباں سے؟
که ڈرتا ہوں سلطاں طوفاں سے
ملاقات سے میری جھکو نه ہم
که انساں ملے ہیں انساں سے
سب جھر میں، اپنے اسکوں کا جوش
کئی ہاتھ اونچا تھا طوفاں سے
نه بوسه ہم ادا اپنی پھرلو
میں گزرا، اجی، ایسے احساں سے
برم کیونکر نکرے دل کو تمہاری آواز؟
ایسے نارك سے گلے میں نه کراری آواز!
مرتے دم یار جو آیا، تو کہوں کیا اب، آہ!
ضعف سے، دبی ہیں ساری آواز
اوس کے در سے نه اوڑا خاك میری باد صبا (۲)
کہیں گے: «بعد صبا یار کا در چھوڑ دیا»
مجھے صیاد کہتے ہے: «تجھے گر چھوڑوں گا»

(۱) طبقا ۳۸، تذکره ۵۴ ب، بعر ۲، ۲۸، سمصه ۱۲ ب، طبقات ۲۵۶، سراپا ۲۶، سمم ۱۲۷، سحن ۳۵۱، طور ۵۷، جواهر ۲، ۶۲ے

(۲) کذا واست «بادصبا» است

معفور بود، و اکبر اولاد مرزا فخر الدین احمد خان بهادر، المشهور
میرزا جعفر صاحب، دام اقباله، است جوانی است بالباس وجاهت و
خوش تدبیری آراسته، و بزیور خلق و حلم پیراسته، بهاب ذکی و
کمال ذهن هفت هشت سال شده که شوق شعر دامن دلش بخود
کشیده، اورا در فکر ریخته مشغول ساخت چون طبع آن عالی نژاد
از اصل عالی بوده، در عرصهٔ قلیل سخن را بپایهٔ پختگی رسانیده،
صفای تمام پیدا نموده اکثر غزلهای نامی و مشهور سلطان الشعرا
مرزا محمد رفیع، و امیر بلغا میر محمد تقی، و محمد قایم صاحب، و بقا، و
حسرت، و نثار را جواب گفته، بخوبی از عهدهٔ آنها برآمده، بلکه
بعض مقام برین بزرگواران رجحان جسته کلامش بسیار باصفا و
متانت است ترکیب فارسیه دارد، و از ارشد شاگردان مرزا محمد
حسن خان (۲۲ الف) قتیل است بر راقم کمال مهربانی و نوازش
میفرمایند، و از قدیم مالوف بوده، بلکه عاصی از مدت نمک پرورده
و دست گرفتهٔ خاندان اوست عمر شریفش تخمینا بچهل و پنج سال
رسیده باشد (۱) این چند شعر کلام صفا نظام آن محسن بنده است:

نه کیوں هو پاس دل زار کی مگر سے آح؟

دهواں سا اوٹھنے لگا سطرح حگر سے آح

حراحت دل مضطر نه هے نمك افشاں

---

(۱) سـ ه ۱۳۴ الف ، طبقات ۳۴۶ ، سرا ا ۲۶۶ ، ۲۸۹ ، ۳۶۷،
سخن ۳۸۸ ، آنتخاب ۳۴۵ ، روز روشن ۵۶۱ ، طور ۸۱ ، گل ۳۴۲ ،
خاسه ، اسیرگر ۲۷۷

در سفینه و طبقات ، اسم پدر میرزا مرزا هی هوس وسبه اند ، که
غلط محض است و در خصوص وفاتش در روز روشن گفته که «در اواسط مائه
ثالث عشر قمر عمرش بخسوف مرگ منخسف گردید » اما صاحب گل رعنا صراحت
کند که د ۱۲ ه (۱۸۵۸ م) ا او

جلسس میں ہے وہ ابروی خمدار متصل
تلوار (۱) بر برستی ہے تلوار متصل

وھاں تیری چلی غیر پہ، اے یار، کٹاری
یہاں رشک سے سینے کے ہوی پار کٹاری

جس وقت که مجلس میں لیا غیر نے بوسه
بس کیا ہوئی وہ آپ کی جو تجوار کٹاری

گو غیر کو گھر اپنے میں یہاں ہمنے بچایا
سن لیجو که ماری سر بازار کٹاری

آتا ہے یہی جی میں، عور، اوس کی گلی میں
گر رھیے کہیں مار کے ناچار کٹاری

ہے جو وضع فلک میں دمبدمی
اوسی عالی جناب کی سی ہے

(۲۱۹ب) کیا جانے، کون کون ہوے سیگمه ھلاک؟
کوچے میں اوس کے رات دوھائی پڑی رھی

جاری ہوا نه چشم کا سیلاب رات کو
ڈوبا تمام شہر کا اسباب رات کو

دوازدهم از طبقهٔ ثالث، قمر جرح فوت، جور سد فلک مروت، جوان صبیح، جوش فکر فصیح، جناب معلی القاب، نواب افتخار الدوله، معین الملک، مرزا قمر الدین احمد خان بہادر، صولت جنگ، دام ظله و اقباله، اسب و قمر تخلص می نماید و آن جواهر زادهٔ نواب سرفراز الدوله مرحوم، که نایب وزیر، یعنی نواب آصف الدوله

---

(۱) اصل « بروار »

(۲۲ب) حالہ آ پہنچ ابر کو لیے، سالۂ رسا
برساد میرے اشك کا لشکر ہے کچھ بعیر

دل اور جگر میں آگ ہے ہجراں کی مشتعل
عاشق کی شکل، عرب محمر ہے کچھ بعیر

زباں نہ شکوہ میں سع بار جانی کا
میں کشتہ (ہوں) تری، اے شمع، جانفشانی کا

اوٹھا سکے کبھی بار نگاہ مور نہ کوہ
جو اوس نہ سانہ پڑے میری ناتوانی کا

لگادی آگ سی دل میں تمام مجلس کے
برا ہو اس دل سوزاں کی قصہ خوانی کا

دلوں کو دلبی ہے، جوں آسا، وہ گردش چشم
مجھے گلہ نہیں کچھ دور آسمانی کا

ندیا دل کہیں تاہوں میں اوس کی آکے، قمر
بھروسا کچھ نہیں اسے کی مہربانی کا

اوس قبۂ محسر سے، قمر، دل نہ لگانا
اس چمن سے بھر تو کسی عنوان نہ رہگا

اے عندلیب، جو پوچھے ترے کجا ہیں پر
میری طرح، برا نہ جستجو گلو نہیں

حکم اوس گلی میں آنے کا مدت سے ہے مجھے
جز ناتوانی اب کوئی ایسا عدو نہیں

ندانکہ اسامی ء چند کس از شعرا، کہ درین رسالہ ضبط شدہ،
بعضی ازین بمنزلۂ اصل اند، چہ بنای صحت محاورۂ اردوی معلی
بر مقولۂ ایشان متحقق گشتہ، یعنی، میل مرزا محمد رفیع، و میر محمد

جسان خندۂ دندان نما، سحر سے آج
کچھہ ان دنوں بہت اوس سے خفا ہے وہ سمبر
ہوا ہے مجھکو یہ بات، رخ قمر سے آج

دست میں صرف ہوئی ہمت محچیر عبث
کب لگاتا ہے کسی صید یہ وہ تیر عبث؟

اغیار کی نظر میں مجھے خوار مت کرو
گھر تک تو میرے چلنے کی تکرار مت کرو
رسوائی ہوگی، دوستو، بازار حسن میں
ظاہر تو اوس کا مجھکو خریدار مت کرو
جب تک وہ خود سماس ہیں، تب ہی تک ہے خیر
غفلت کے خواب سے اوسے بیدار مت کرو
مصرف میں اپنے لاؤ اسے بھی حیا کے ساتھہ
ضائع زمیں پہ خون مرا ہربار مت کرو
اے آہ شعلہ زور و اے اشک خونچکاں!
افشا کسی پہ راز دل زار مت کرو

میں مرتے ہی آگے جان دونگا
تو ویس تکر وساس مجھکو
آب دم تیغ یار، آ جلد
کرتی ہے تمام پیاس مجھکو
کر ڈالتا جوں میں اپنا کب کا؟
ہوتا نہ اگر جو پاس مجھکو

آمد شد نفس، دم خنجر ہے مجھہ بغیر
جینا جہاں میں مرگ سے بدتر ہے مجھہ بغیر

مولف این کتاب که تکما تخلص میگزارد، و خود را کمتر از همه می شمارد، میخواهست که چند شعر از کلام خود هم بمقتضای نسبت تخلص اوست، آخر همه درینجا نگارد اما چون باشد نام و شهرت درین فن نیست و نبود، لهذا هیچ نه نوشته، صرف بشعرهای امثله، که درین رساله درج هستند، اکتفا نمود

مخفی نماند، که عرصهٔ بعید و مدت مدید سپری گردیده، که چهرهٔ سطور این مقاله، و گردهٔ تصویر این رساله، بر صفحهٔ وجود نقش گرفته، سبب بردد خاطر و شکست بال، که بوجوه شتی لاحق حال من غربت مآل مانده، در محل تعطل افتاده بود و درین تعطل، که سالها سال سپری آمده هرگز طبیعت متوجه نشد که نظر ثانی بردارد، تا آن را بنحوی که مسطور بود، درست سازد، که دوستی از دوستان فقیر، مسمی شیخ رمضان علی صاحب، سلمه ربه، از باشندگان لکهنئو، کمر همت بسته، بنقلش پرداختند، و سعی تمام در ماه ذیحجهٔ این سال آن را تمام ساختند الحمد لله علی اتمامه، و الشکر علی التوفیق باختتامه

قطعهٔ تاریخ

صد شکر که اتمام پذیرفت رساله
واضح شد ازان جمله فوائد بلاغت
تاریخ تمامش طلب کرد چو تکتا
فی الفور خرد گفت که «دستور فصاحت»
۱۲۷۹ھ

نقی، و میرزا جان‌جانان مظهر مخلص، و میر درد، و قایم، و سوز، و باقی بزرگان، که مسطور اند، بنابر فصاحت کلام خودها و شهره و اعتبار، که ایشان را درین فن حاصل شده است، و دوست و دشمن (۲۲۱ الف) مقر اکمال گردیده، آنها فرع و الا در هر قصبه و بلده و قریه موزونان بسیار پیدا شده اند و می شوند، و موافق معلومات خویش و طبیعت مدام در زبان خودها همه شعرها می گویند و گفته اند لکن چون مدار ریخته برزبان خاص شاهجهان‌آباد است، بهمین جهت اشعار و کلام همان اشخاص، که در دهلی تا در لکهنئو بشو و نما یافته، و محاوره و زبان در صحبت شعرای مذکور تحقیق نموده، بابت اعتبار رسیده اند، مقبول و معتبراست و بس هر چند شعرای فصاحت فاصل و عالم فن باشند، اما کلام ایشان مطلق مقبول نیست، و برای دیگر هرگز سند نتواند شد، چه زبان دان و صاحب محاوره نیستند

و شعر میرزاجان‌جانان، که درین مقام نوشته‌شده‌اند، سببش است که آن آفتاب چرخ فصاحت، و نیراعظم فلك بلاغت، بیشتر فارسی می‌گفت، و ریخته هم‌قدر که برای اصلاح بعضی از شاگردان او بکارآمد، با یکدام حیالی دیگر، نقلت میفرمود اما کلام نثر او، که سراسر سند بود، همه شعرا باوستادیء او مقر بودند، و درستیء کلام خود بنابر اصلاح و تصحیح او مسلم و موقوف میدانستند بلکه اعتقاد جمعی از محققین همین است، که بانیء بنای ریخته بطرز فارسی اول جناب ایشان است، چنانچه درین مقدمه هم باین معنی اشاره شده و دیگران همه متبع و مقلد او هستند بهر کیف در اوستادی و زباندانیء او (۲۲۱ ب) هرگز شك نیست

اساریہ

۱— اشخاص

۲ ۔ مقامات

۳ — کتب و رسائل

تصحیح و استدراک

(اس صحت نامے میں عام طور پر وہ غلطیاں جو عام قاری آسانی سے سمجھ لیں نظر انداز کر دی گئی ہیں اور ح سے حاشیہ مراد لیا ہے)

صفحہ	غلط	صحیح
ص ۱ سطر ۸	مرتب او ، سالی	مرتب ار تعالی،
،، ۵ ،، ٦	دوہ	دوہ،
،، ۔ ، ۱۴	حمس	خمس (اصل میں خمس ہی ہے لیکن ہونا چاہیے کوئی ایسا لفظ جو بحرلے الاوسط ہو چونکہ خمس کو غلط فہمی سے کاتب خمس لکھ سکتا ہے، اور ہے بھی وہ بحرلےالاوسط، اس بنا پر ہماری رائے میں یہ کے اندر خمس لکھا جائے)
،، ۱۳ ،، ۲	نقط	ضبط (اصل میں نقط ہی ہے مگر وہ ضبط کی تصحیف معلوم ہوتی ہے)
،، ۲۱ ،، ۲۱	اب	آب کہ
،، ۲۳ ، ۲۳ح	سرا	حصوصاً
،، ۱۲۳ ،، ۳ح	حرکت دوم (۱) است	حرکت دوم است
،، ۳۷ ،، ۵ح	است	طبعیت
،، ،، ،، ۲۳ح		(اضافہ کرو) و احمد علی ہاشمی در مخزن الغرائب (۱۶۳ ب) گفتہ » خواجہ میر درد، رحمۃ اللہ علیہ، وی پسر خواجہ محمد ناصر است سلسلہ ایشان بحضرت بہاءالدین نقشبند، قدس سرہ، مرسد مدرس مرید شیخ سعداللہ گلشن است کہ آبادہ

صفحہ	غلط	صحیح
,, ۹۳ ,, ۸	محی	محی
,, ,, ,, ۵ح		(اضافہ کرو) تاریخ مسو ںاب اردو ۱ ۱
,, ۹۴ ,, ۸	ںلامدں	ںلامںدس (مگر اصل ىں ںلاںدس هی ھے)
,, ۹۸ ,, ۱۵	طوطاے	ىوطىے (مگر اصل ىں طوطىے هی ھے)
,, ۹۹ ,, ۵ح		(اضافہ کرو) تاریخ مںو ںاب اردو ے
,, ۱ ۱ ,, ۵ح		(اضافہ کرو) عسکری ۲، ۸، تاریخ ىر اردو ۸۵، داستان تاریخ اردو ۳ ۱
,, ۱ ۳ ,, ۳ح		(اضافہ کرو)ىوسںاں اودھ ۱۱۱،
,, ۱ ۳ ,, ۴ح		(,,) تاریخ ىر اردو ۹ے
, ۱ ۴ ,, ۵ح		(,,) تاریخ داستان اردو ۱۵۳
,, ۱ ۸ ,, ۱۸ح	سہ مختصر	مختصر
,, ۱۱۹ ,, ے	صمای	صمائی

تصحیح دیباچہ

,, ۲ ,, ۱	ادبوں	ادبوں
,, ۱۳ ,, ۴	راع	راع
,, ۲۵ ,, ے	ںسص	ںسص
,, ۵۲ ,, ے	وجهه	وجه
,, ۵ے ,, ۴ح	۲،۹۲	۹۲،۲
,, ۵۸ ,, ۵	سہ هجری	سہ هجری
,, ۱۱٦ ,, ۱۳	Dictconary	Dictionary

صفحه	غلط	صحیح
		د کرس در حرف کاف حواهد آمد در دهلی بلکه در تمام هدوستان نظیر خود نداشت ملکی ود بصورت انسان و شاهی بود عا ه حلقان کمال استغنا و فروتنی داشته حداس سامرزد ا دیوان هندی او مشهور است صاحب بان است و بزبان فارسی سر دیوانی رتب داد لکن سبب هرج و مرج دهلی که دران وقت رو داده بود، حند سعر که از گفته اسان بدست آمده بود، تلف سدند فقه اسان را و نارب موده مهات شفقت بزرگانه بحال ناز مند بذول ی فرمودند »
،، ۴۵ ،، ۳	شبه	سبه
،، ۵۷ ،، ۱۵	هوگا	هو گا
،، ۵۸ ،، ۳ح		(اضافه کرو) رسان اودھ ۹۶، تاریخ مثنویات اردو ۸۵
،، ۶۳ ،، ۸ح		(،،) وفات ابوالعلائی در کتمه االاروس (ص ۱۷۱ ۸ ۱۱، مطبع معمی، گیا، ۱۳۵ ھ) ذکر مصلی ارسا رکن الدین عسی آورد و در خصوص وفاتش گفته که عسی روز تکسبه بوقت ظهر هفتم ماه جمادی الاولی سال یکهزار و دو صد و سه هجری در عظیم آباد فوت شد »
،، ۶۵ ،، آخری ح	بحد	بحنده
،، ۸۳ ،، ۴	(۱)	
،، ۸۵ ،، ۴ح		(اضافه کرو) تاریخ مثنویات اردو ۵۴
،، ۹ ، ۲۱ح	۱ ود	۳ ود
،، ۹۱ ،، ۱ح	ردیگر	و دیگر